وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ القرآن

وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا الحدیث

تدقیق الکلام

قادری

جلد اوّل

تالیف

جامع المعقول والمنقول حضرت مولانا عبد القدیر دامت برکاتہم شیخ الحدیث مدرسہ تعلیم القرآن راجہ بازار راولپنڈی

ناشر

کتب خانہ رشیدیہ

راجہ بازار راولپنڈی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ. (القرآن)

وذکر الامام احمد بن حنبل الاجماع علیٰ انها نزلت فی الصلوٰۃ. (فتاویٰ ابن تیمیہ ص ۱۴۳ ج ۲)

وَإِذَا قَرَأَ فَأَنصِتُوا

(مسلم ص ۱۷۴ ج ۱، و ابوعوانہ ص ۱۳۳ ج ۲)

تدقیق الکلام

جلد اوّل

جس میں قرآن کریم کی آیات کریمات اور صحیح احادیث اور شروح حدیث اور کتب تفسیر و فقہ کے واضح حوالوں کے ساتھ یہ بات مُبرہن کی گئی ہے کہ امام کی اقتدار اختیار کرنے کے بعد قرآن کریم کی قرأت کے وقت خواہ سِرّاً ہو یا جہراً مقتدی کسی قسم کی قرأت نہیں کرسکتا اور فریق ثانی نے قدیماً و حدیثاً جو دلائل بزعم خویش اپنے مسلک کے اثبات پر نقل کیے ہیں خالص علمی اور تحقیقی انداز میں ان کی حقیقت کو طشت ازبام کیا گیا ہے اور ایسے سنجیدہ طریقہ سے ان کے بخیے ادھیڑے گئے ہیں کہ بفضلہٖ کبھی رفو نہ ہوسکیں خصوصاً دورِ حاضر میں اس مسئلہ پر فریقِ ثانی کی مایۂ ناز کتابوں "خیر الکلام اور توضیح الکلام" وغیرہ کے رکیک شبہات کی ایسی علمی تردید کی گئی ہے کہ ہر منصف مزاج دادِ تحسین دینے پر مجبور ہوتا ہے اور حیرت زدہ رہ جاتا ہے کہ ان حضرات نے اپنے مسلک کے اثبات کے لیے کیا کیا حیلے اور بہانے کیے ہیں اور اپنے خود ساختہ اختراعات کا سہارا لیا ہے۔ یہ کتاب اہلِ علم کے لیے بیش بہا علمی ذخیرہ ہے۔ اللہ تعالیٰ اسے شرفِ قبولیت مرحمت فرمائے۔ آمین ثم آمین۔

تالیف

شیخ الحدیث جامع المنقول والمعقول حضرت مولانا عبد القدیر صاحب دامت برکاتہم

Telegram : t.me/pasbanehaq1

نام کتاب ـــــــ تدقیق الکلام (جلد اوّل)
نام مصنف ـــــــ شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد القدیر صاحب دام مجدہم
ناشر ـــــــ کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار راولپنڈی
طبع اوّل ـــــــ شوال المکرم ۱۴۰۹ھ مطابق جون ۱۹۸۹ء
مطبع ـــــــ فائن بکس پرنٹرز ۔ لاہور
کتابت ـــــــ شوکت محمود صدّیقی ادارہ انیس الکتابت گوجرانوالہ
تعداد ـــــــ گیارہ سو
قیمت ـــــــ ۶۰ روپے

◎

ادارہ نشر واشاعت مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ
مدنی کتب خانہ النور مارکیٹ اردو بازار گوجرانوالہ
مکتبہ حنفیہ گلی ڈاکخانہ والی اردو بازار گوجرانوالہ
انجمن اسلامیہ جامع مسجد بوہڑ والی گکھڑ منڈی ضلع گوجرانوالہ
کتب خانہ رشیدیہ راجہ بازار، راولپنڈی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

فہرست مضامین

تدقیق الکلام جلد اوّل

مضامین	صفحہ
مقدمہ - از شیخ الحدیث مولانا محمد سرفراز خان صاحب صفدر	۹
امام کے پیچھے فاتحہ خوانی اور اس میں علمی پریشانی اور سرگردانی	۱۹
بعض ضروری باتوں کا تذکرہ	۲۳
قرآنِ کریم نے امام کا وظیفہ قرأت بتا کر اس کی تحدید بھی کر دی ہے۔	۲۸
قرأت خلف الامام کا مسئلہ اور قرآنِ کریم میں اس کا تذکرہ	۲۸
فیصلہ	۲۹
الحاصل	۳۱
فائدہ	۳۱
الحاصل	۳۳
مزید سُنیے !	۳۵
الدلیل الاوّل للانصات عند قرأتہ	۳۵
بیان شانِ نزول آیت کریمہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا	۳۸
الحاصل	۴۰
صاحبِ خیر الکلام کی اُلٹی چال	۴۳
حضرت امام رازیؒ کی تفسیر میں دو باتیں	۴۹
پہلی بات کا جواب تو خود قرآنِ کریم میں ہی موجود ہے۔	۴۹
دوسری بات کا جواب	۵۰
مصنف خیر الکلام سے انصات کا معنیٰ	۵۴
جواب کی وجہ اوّل	۵۵
دوم	۵۵
غایۃ المرام وخلاصۃ الکلام	۵۸
حضرت امام بیہقیؒ کا استدلال	۵۹
اور اس کا جوابِ اوّل	۵۹
دوم	۶۰
تیسری بات	۶۱
صاحب توضیح الکلام کی بے بسی	۶۲
الانتباہ	۶۲

Telegram : t.me/pasbanehaq1

معنف خیر الکلام کا اعتراض
الجواب ۶۶
ایک اور بات بھی مزیدار سُننے جائیے ۶۷
فائدہ ۶۸
ضروری تشریح ۷۱
مسئلہ قرأۃ خلف الامام میں علامہ واحدیؒ کی سر دردی اور امام رازیؒ کی حمایتِ حق میں باطل کی سرکوبی۔ ۷۴
معنف خیر الکلام کا انصات کا معنیٰ شور وغل اور کلام اور قرأۃ مشوشہ سے سکوت کرنا باطل ہے۔ ۷۷
فائدہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ الآیۃ کی بعد والی آیت کریمہ کا تذکرہ ۷۸
آمدم بر سرِ مطلب ۸۱
فیصلہ ۸۳
الحاصل ۸۴
الدّلیل الثّانی للانصات عند قرأتہ ۹۴
حافظ ابنِ حجرؒ کے تساہل کا شکوہ ۹۵
علامہ بیہقیؒ کے رویّہ کی شکایت، ان کا مذہبی تعصب اور بے جا حمایت ۹۷
الحاصل ۱۰۵
الانتباہ ۱۰۸
فائدہ ۱۱۱
الفائدۃ الاُولیٰ ۱۱۴
الفائدۃ الثانیۃ ۱۱۵
نتیجۃ الکلام ۱۱۷
الہدیۃ السَّنیۃ فی المکالمۃ بین قتادۃؒ وشعبۃؒ ۱۲۰
فائدہ امام محمدؒ کی طرف سری نمازوں میں قرأت کی نسبت غلط ہے ۱۲۲
فائدہ حنفیہؒ کی غیبی مدد ۱۲۴
فائدہ مسلم کی حدیث وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا صحیح ہے۔ ۱۲۸
فائدہ جلیلہ ۱۲۹
الانتباہ ۱۳۷
صاحبِ توضیح الکلام کی اُلٹی چال ۱۳۸
جواب ۱۳۸
الحاصل ۱۴۰
اطلاع ۱۴۱
صاحبِ توضیح الکلام کی لفظ خداج کی نافہمی ۱۴۳
الدّلیل الثالث علیٰ منع القرأۃ خلف الامام المسمّٰی بامامۃ القرآن ۱۴۶
الحاصل ۱۴۸
الدّلیل الرابع امامت جبریل علیہ السّلام ۱۴۹
الخامس من الادلۃ امامت ابی بکر الصدیقؓ ۱۵۱

Telegram : t.me/pasbanehaq1

سوال ۱ اور اس کا جواب	۱۵۳
سوال ۲ " " " "	۱۵۳
سوال ۳ " " " "	۱۵۴
سوال ۴ " " " "	۱۵۵
مقامِ عبرت و حسرت	۱۵۶
عذرِ گناہ بدتر از گناہ	۱۶۰
فائدہ	۱۶۲
تنبیہ	۱۶۳
غیر مقلدین کے امام بخاریؒ کے خلاف مسائل	۱۶۳
مصنف خیر الکلام کا تعصب میں مرجوح روایات پر عمل	۱۶۴
رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرضِ وفات میں ظہر اور عشاء ابوبکرؓ کی اقتداء میں ادا کیں۔	۱۶۵
مرض الوفات میں ایک دن صبح کی ایک رکعت آپؐ نے اقتداء میں پڑھی	۱۶۸
تنبیہ (مصنف خیر الکلام کا ابن ماجہ کی روایت کو رد کرنا اور اس کا رد)	۱۶۹
پہلی وجہ	۱۶۹
دوسری وجہ	۱۶۹
تیسری وجہ	۱۷۰
مصنف خیر الکلام کا ایک مغالطہ	۱۷۱
متفرقات و عجائبات	۱۷۲
مقامِ حیرت	۱۷۴
غیر مقلدین کے لیے مُہلک فی الرکوع کی فاتحہ کا مسئلہ لاینحل مسئلہ	۱۷۵
السادس من الادلۃ حدیث ابی بکرۃ رضی اللہ عنہ	۱۷۶
مصنف خیر الکلام کی طرف سے پہلی تاویل اور اس کا جواب	۱۷۷
دوسری تاویل اور اسکی تردید	۱۷۸
مصنف خیر الکلام کی بدحواسی کہ ابوبکرہ رضی اللہ عنہ کی رکعت نہیں ہوئی۔	۱۸۰
اس کی تردید پانچ وجوہات سے	۱۸۱
السابع من الادلۃ حدیث السترۃ	۱۸۳
سترہ کے فوائد	۱۸۴
قرأت صفتِ خداوندی ہے اس لیے اس میں وحدت کا لحاظ کیا گیا۔	۱۸۵
سترہ والی حدیث کا مصنف خیر الکلام کی طرف سے غلط جواب	۱۸۶
اور اس کا رد	۱۸۸
مصنف خیر الکلام کی طرف سے مولانا عبد الحی لکھنویؒ کی عبارت سے غلط استدلال	۱۸۹
مصنف خیر الکلام کی ایک اور جہالت	۱۹۰
اعذار فاسدہ کا بیان اور تحریف حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم	۱۹۱
مقتدی کے حکماً قاری ہونے کی ایک نظیر	۱۹۳
حاصل حدیث من کان لہ امام	۱۹۵
الثامن من الادلۃ قراءۃ التشہد فی قیام الثالثۃ	۱۹۷

Telegram : t.me/pasbanehaq1

التاسع من الادلۃ کون قراءۃ الفاتحۃ فی الجماعۃ کالمبایعۃ	۱۹۹
العاشر من الادلۃ ترک القراءۃ خلف الامام	۲۰۱
قولہ علیہ الصلوٰۃ والتسلیم: من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ	۲۰۱
اس کے راوی علی شرط الشیخین بھی ہیں ۔	۲۰۲
علامہ سندھیؒ کا من کان لہ امام کو دو جملے بنانا غلط ہے ۔	۲۰۴
اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی سے قراءۃ خلف الامام کی نفی پر استدلال اور اس کا رد ۔	۲۰۵
مقتدی بحکم شارع قاری ہے جس طرح حضرت عثمانؓ عدم شرکت کے باوجود بحکم شارع بدری ہیں ۔	۲۰۷
الحاصل: مقتدی حکم شرع کی بجاآوری (استماع وانصات) میں حکماً قاری ہے ۔	۲۰۸
مصنف خیر الکلام کی طرف سے حدیث مذکور کا ایک اور غلط معنیٰ	۲۰۹
حدیث من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ کی زد سے بچنے کا ایک اور طریقہ	۲۱۰
حدیث عبادہؓ ترمذی والی کی سند شاذ ہے ۔ اصل یہ حدیث مرسل اور منقطع ہے ۔	۲۱۱
فائدہ ۔ مصنف خیر الکلام کا حدیث من کان لہ امام کی طرف سے جلب	۲۱۲
اور اس کا رد	۲۱۲
غیر مقلدین کے پاس فرضیت فاتحہ بحق مقتدی کوئی صریح اور صحیح دلیل نہیں	۲۱۲
اذا قرأ فانصتوا صحیح اور صریح روایت کے مقابلہ میں حدیث عبادہؓ ترمذی والی حسن درجہ ہونے کی وجہ معارض نہیں بن سکتی لہٰذا ساقط ہوگی ۔	۲۱۳
صحیح مسلم کی روایت کو ترمذی کی روایت پر ترجیح ہوگی ۔	۲۱۴
تکملۃ البیان فی المتفرقات	۲۱۴
امام کے پیچھے ثنا پڑھنے کا قول مرجوح ہے	۲۱۴
احناف پر اس مسئلہ سے مغالطہ کا جواب	۲۱۵
سُنّتِ فجر عند قراءۃ الامام سے مغالطہ اور جواب	۲۱۷
پہلا جواب	۲۱۷
دوسرا جواب	۲۱۸
تیسرا اور چوتھا جواب	۲۱۹
مصنف خیر الکلام کی نافہمی یا کجروی	۲۲۰
اس کا جواب	۲۲۱
الحاصل اذا قرئ القرآن اور	

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اذا قرأ فانصتوا قضیہ مہملہ ہے جو جزئیہ کے حکم میں ہے	۲۲۲
خلاصہ ۱: مصنف خیر الکلام کی غلط بیانی کہ قرآن کریم کی متعدد آیات سے ثابت ہے کہ قرآن پڑھتے وقت کچھ اور بھی پڑھا جاتا ہے۔	۲۲۳
۲۔ دوسری وجہ تردید	۲۲۴
مصنف خیر الکلام کا ابن عمرؓ کو قائلین قرأت خلف الامام میں شامل کرنا، اور اس کی تردید	۲۲۴
غلط بیانی کہ ابن مسعود، زید بن ثابت ابوہریرہ اور ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہم قائلین میں سے ہیں۔	۲۲۵
مصنف خیر الکلام کا ایک عقلی ڈھکوسلا	۲۲۵
اور اس کا جواب	۲۲۶
تخصیص عام اور نسخ حکم کا بیان	۲۲۷
اور دونوں میں فرق	۲۲۸
نمبر۱: دو آیتوں یا حدیثوں میں تعارض ہو۔ مقدم ومؤخر معلوم نہ ہو تو ان کو ملا کر توجیہ کی جائے گی۔	۲۲۸
بہت سی عام جن میں تخصیص نہیں ان کی مثالیں	۲۲۹
بیان تفسیر کتاب اللہ کا خبر واحد سے ہو سکتا ہے بیان تغییر نہیں	۲۲۹
حدیث لا صلوٰۃ ظنی الثبوت اور ظنی الدلالۃ ہے آیت میں تغییر نہیں کر سکتی۔	۲۳۰
محمد بن اسحٰق والی روایت درجہ حسن کی ہے اذا قرأ فانصتوا درجہ صحیح کی ہے لہٰذا حسن متروک ہو گی۔	۲۳۰
مصنف خیر الکلام نے چالاکی سے قوم کو اندھیرے میں ڈالا ہے۔	۲۳۲
ایک مغالطہ اور اس کا جواب	۲۳۲
حدیث عبادہؓ متواتر نہیں	
حدیث عبادہؓ مقتدی کی بجائے منفرد کے بارے میں سفیانؒ بن عیینہؒ اور امام احمدؒ کا فیصلہ	۲۳۴
حدیث عبادہؓ کے آخر میں فصاعدًا، مازاد کی زیادتی بتاتی ہے کہ یہ مقتدی کے بارے میں نہیں۔	۲۳۵
مصنف خیر الکلام فاضل جماعت اہل حدیث کی الٹی چال اور اس میں ناکامی۔	۲۳۶
آیت مکی ہے اور حدیث لا صلوٰۃ مدنی سے مغالطہ اور جواب	۲۳۶
حدیث عبادہؓ مسلم کی حدیث واذا	

Telegram : t.me/pasbanehaq1

قرء فانصتوا سے بھی کم درجہ کی ہے۔ — ۲۲۷

حدیث عبادہؓ کو مصلی کے معنی لینے کی وجہ سے بعد از ہجرت کہنا صحیح نہیں — ۲۲۸

حدیث عبادہؓ کو فجر کے قصہ والی روایت کا مختصر کہنا اور اس کا رد ملا — ۲۲۸

مولانا عبدالحیؒ کے قول سے دھوکہ (حنفیہ کے نزدیک خبر واحد سے تخصیص ہوسکتی ہے اور جواب — ۲۲۹

فجر کے واقعہ کا مختصر کہنے کا دوسرا رد تیسرا رد — ۲۲۹

امام بخاریؒ کی جزء القرأت کا مقام بخاری جیسا نہیں — ۲۴۲

حدیث اذا قرأ فانصتوا مسلم نے روایت کی ہے۔ سند مذکور مقدم ہے اس کی تائید ابن کثیرؒ سے، قاضی شوکانیؒ سے۔ — ۲۴۲

امام نوویؒ کا فاقرأ ما تیسر سے مراد فاتحہ لینا درست نہیں۔ — ۲۴۳

واذا قرأ فانصتوا مسلم کی طرح بخاری بھی سند مذکور متقدم سے روایت کرتے ہیں جسے رواہ البخاری کہا جاتا ہے۔ — ۲۴۴

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مُقدمہ

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط نَحْمَدُہٗ وَنُصَلِّیْ عَلٰی رَسُوْلِہِ الْکَرِیْمِ،
اَمَّا بَعْدُ ! مذہب اسلام کے مسائل اصولاً دو حصوں میں منقسم ہیں۔ (۱) اصُول، (۲) فروع۔ اصولِ دین میں اختلاف انتہائی مذموم اور قبیح ہے اور اس اختلاف کی وجہ آدمی یا تو سرے سے دین ہی سے خارج ہوجاتا ہے اور یا اہلِ حق سے کٹ اور ہٹ کر اہلِ بدعت کے فرقوں میں شامل ہوجاتا ہے اور فروعِ دین میں اختلاف اگر مجتہد سے رُونما ہو تو وہ معذور بلکہ ماجور ہوگا اور اگر غیر مجتہد یہ کاروائی کرے اور اس میں تعصبِ مذہبی بھی شامل ہو تو وہ گنہگار ہوگا۔ حضرات ائمہ دینؒ کے فرعی اختلافات سے جو خالص دیانت اور خلوصِ نیّت پر مبنی ہیں۔ کتبِ فقہ، شروحِ حدیث اور کتبِ تفسیر بھری پڑی ہیں ۔۔ ان اختلافی اور فروعی مسائل میں سے ایک مسئلہ قرأت یا ترک القرأت خلف الامام کا بھی ہے جو عہدِ نبوّت سے تاہنوز اختلافی چلا آرہا ہے۔ ہر فریق اپنی علمی تحقیق پر عمل کرتا رہا، کرتا ہے اور کرتا رہے گا۔ مگر غیر مقلدین حضرات نے اس میں بھی نہایت غلو اور تعصّب کا مظاہرہ کیا اور تمام دُنیا کے احناف کثر اللہ تعالیٰ جماعتھم کو چیلنج کیا اور ان کی نماز کو باطل بیکار اور کالعدم قرار دے کر ان کو فی النّار والسقر تک کا حکم خسروانہ سُنایا ان کے یہ باطل دعاوی اور ان کے الفاظ سببِ تالیف احسن الکلام میں مذکور ہیں وہاں ہی ان کو دیکھ لیا جائے۔ الحمد للہ تعالیٰ احسن الکلام کے مضبوط اور واضح دلائل اور حوالوں کا یہ اثر ہُوا کہ مصنف خیر الکلام اور مؤلف توضیح البیان یہ کہنے پر مجبور ہوئے کہ ہمارا تو یہ مسلک ہے کہ فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ فروعی اختلافی ہونے کی بنا پر اجتہادی ہے پس جو شخص حتی الامکان تحقیق کرے اور یہ سمجھے کہ فاتحہ فرض نہیں خواہ نماز جہری ہو یا سرّی، اپنی تحقیق

Telegram : t.me/pasbanehaq1

پر عمل کرے تو اس کی نماز باطل نہیں ہوتی۔ (خیر الکلام ص۳۳ و توضیح الکلام ص...، کاش یہ حضرات پہلے ہی اس حق گوئی سے کام لیتے اور اپنے غالی دوستوں کو جنہیں بات بات پر حنفیوں کی صحیح نماز کے باطل بے کار اور کالعدم ہونے کے نارو افتوی سے باز رکھتے تو ہمیں احسن الکلام لکھنے کی سرے سے ضرورت ہی پیش نہ آتی۔ بفضلہ تعالیٰ یہ احسن الکلام کے ٹھوس اور محکم دلائل ہی کا نتیجہ ہے کہ ان حضرات نے ترک القرأت خلف الامام کرنے والوں کی نماز کے باطل نہ ہونے کا اقرار کیا۔ ورنہ غیر مقلدین حضرات کبھی کھلے لفظوں میں اپنی شکست فاش کو تسلیم نہ کرتے اور نہ یہ ان کا شیوہ اور عادت ہے۔ اس عبارت سے یہ معلوم ہوا کہ جن آیات اور احادیث کو وہ قرأت خلف الامام کے سلسلہ میں بطور دلیل پیش کرتے ہیں وہ نص اور قطعیت کے ساتھ ان کے نزدیک بھی اس دعویٰ پر دال نہیں ہیں ورنہ وہ اس مسئلہ کو اجتہادی مسئلہ کبھی نہ کہتے کیونکہ اجتہاد وہاں ہوتا ہے جہاں صراحت نہ ہو اور ان حضرات کا اس مسئلہ کو اجتہادی کہنا ہی اس بات کی واضح دلیل ہے کہ صریح، صحیح اور منطوق طور پر ان کے پاس کوئی دلیل موجود نہیں ہے جبھی تو یہ مسئلہ ان کے نزدیک اجتہادی ہے لہٰذا آیات و احادیث کو ترک کرنے کا احناف پر الزام و طعن بالکل بے جا ہے اس لیے کہ بقول ان حضرات کے احناف نے ان دلائل اور احادیث کو ترک نہیں کیا۔ بلکہ ان کے اس مفہوم اور معنیٰ کو ترک کیا ہے۔ جس کو مجوزین حضرات اپنے اجتہادی فہم میں اپناتے ہیں اور اس کے برعکس احناف نص قطعی اور صریح و صحیح احادیث سے مقتدی کا وظیفہ ترک القرأت خلف الامام بتاتے ہیں جیسا کہ پیش نظر کتاب تدقیق الکلام میں اس کی محققانہ و عالمانہ بحث کی گئی ہے۔ لہٰذا مصنف خیر الکلام اور مولف توضیح الکلام کا چند آیات و احادیث کو پیش کر کے احناف پر یہ طعن و الزام قائم کرنا کہ ہمارے پاس تو یہ یہ دلائل ہیں اور احناف ان کے قائل نہیں محض تضیع وقت اور سمع خراشی ہے اس لیے کہ وہ تو ان کے نزدیک بھی ان کے مدعیٰ پر نص قطعی نہیں۔ ورنہ وہ اس مسئلہ کو اجتہادی کبھی نہ کہتے:

؎ نکل جاتی ہو سچی بات جس کے منہ سے مستی میں
فقیہہ مصلحت بین سے وہ رند بادہ خوار اچھا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مؤلف توضیح الکلام کی لاعلمی اور بے خبری

موصوف لکھتے ہیں کہ امام بخاریؒ سے لے کر دور قریب کے محققین علمائے اہل حدیث تک کسی کی تصنیف میں یہ دعویٰ نہیں کیا گیا کہ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز باطل ہے۔ وہ بے نماز ہے وغیرہ (توضیح الکلام ص۴۳) بجائے اس کے کہ ہم طویل راستہ اختیار کریں اختصاراً صرف دور حاضر کے بعض غیر مقلدین حضرات کی چند کتابوں کے حوالے ہی عرض کرتے ہیں۔ غور فرمائیں کہ انھوں نے کیا کہا ؟

(۱) پہلے باب میں احادیث صحیحہ صریحہ سے یہ ثابت کیا گیا ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے الحمد پڑھنا واجب ہے بغیر الحمد پڑھے اسکی نماز درست نہیں۔ (تحقیق الکلام ص۱۲/ج۲)
ظاہر بات ہے کہ جب نماز درست نہ ہوئی تو باطل ہی ٹھہرے گی اور جب نماز نہ ہوئی تو پڑھنے والا بے نماز ہی تصور ہوگا۔

(۲) سوال: فاتحہ خلف الامام فرض ہے یا واجب یا سُنّت یا مستحب ہے ؟
الجواب: فاتحہ خلف الامام پڑھنا فرض ہے بغیر فاتحہ پڑھے ہوئے نماز نہیں ہوتی تمام کتب احادیث میں مرقوم ہے۔ واللہ اعلم۔ حرّرہ السیّد محمد عبدالحفیظ غفرلہٗ۔ سیّد محمد نذیر حسین، سیّد محمد ابوالحسن، سیّد محمد عبدالسّلام غفرلہٗ۔ (فتاویٰ نذیریہ ص۳۹۵/ج۱ و فتاویٰ علمائے اہل حدیث ص۱۲۰/ج۳)

(۳) سوال: جو شخص امام کے پیچھے کسی رکعت میں سورۂ فاتحہ نہ پڑھ سکا اس کی وہ رکعت ہوئی یا نہ ؟
الجواب: بغیر سورۂ فاتحہ کے رکعت پوری نہیں ہوتی۔ ہر رکعت میں سورۂ فاتحہ پڑھنا فرض ہے پس صورتِ مسئولہ میں اس شخص کی وہ رکعت نہیں ہوئی اس کو دُہرانا چاہیئے… الخ
حررہٗ محمد عبدالحق ملتانی، سیّد محمد نذیر حسین۔ (فتاویٰ نذیریہ ص۳۹۸/ج۱، فتاویٰ علمائے اہل حدیث ص۱۲۱/ج۳)

(۴) خلاصہ تمام مضمون کا یہ ہے کہ رسولِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بامر اللہ تعالےٰ صحابہ کرامؓ کو فرمایا میرے پیچھے سورۂ فاتحہ ضرور پڑھا کرو ورنہ تمھاری نماز باطل ہو جائے گی۔
(فتاویٰ ثنائیہ ص۴۸۹/ج۱)

Telegram : t.me/pasbanehaq1

سوال: امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کے متعلق آپ کی تحقیق از روئے قرآن و حدیث کیا ہے؟ کیا فاتحہ کے بغیر نماز ہو جاتی ہے؟

الجواب: میں سورۂ فاتحہ کو امام کے پیچھے پڑھنے کو ضروری جانتا ہوں۔ از روئے قرآن و حدیث میری تحقیق ہے کہ فاتحہ کے بغیر منفرد ہو یا مقتدی، کسی کی نماز نہیں ہوتی۔ (تفسیر ثنائی ۱۵ جولائی ۱۹۳۸ء و فتاویٰ ثنائیہ ص ۵۵۵ ج ۱)

صاف عیاں ہو گیا کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے والے کی نماز باطل ہے، اور جب نماز نہ ہوئی تو پڑھنے والا بے نماز ہی رہا۔

(۵) سوال: سورۃ فاتحہ کا امام کے پیچھے پڑھنا ان الفاظ میں ثابت کر دیا جائے کہ رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو یہ ارشاد فرمایا ہو کہ امام کے پیچھے ہر نماز میں سورۃ فاتحہ پڑھا کرو؟

جواب: کتاب القرأت بیہقیؒ ص ۴۷ میں یہ حدیث ہے لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب خلف الامام۔ یعنی جو امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھے اس کی نماز نہیں لیجئے جن الفاظ کا آپ نے سوال کیا ہے۔ ان سے بھی یہ سخت ہیں کیونکہ آپ نے امر کا سوال کیا ہے اور یہاں سرے سے نماز ہی کی نفی ہے۔ (فتاویٰ اہلِ حدیث عبداللہ روپڑی ص ۱۴۲ ج ۲ و تنظیم اہل حدیث جلد ۱۵ شمارہ ۴۲ بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث ص ۱۱۱ ج ۳)

جب سرے سے نماز ہی نہ ہوئی تو پڑھنے والا بے نماز ہی رہا۔

(نوٹ) اس روایت میں خلف الامام کا جملہ بعض رُوات کی غلطی کا نتیجہ ہے۔ (ملاحظہ ہو فصل الخطاب ص ۷۹)

(۶) فرمایا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے "نہیں ہوتی نماز اس شخص کی جس نے سورۂ فاتحہ نہیں پڑھی"۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ہر شخص کو نماز میں سورۂ فاتحہ پڑھنی ضروری ہے تنہا ہو یا امام یا مقتدی، بغیر سورۂ فاتحہ پڑھے کسی کی کوئی نماز نہیں ہوتی، خواہ فرض ہو یا نفل ہر ایک میں سورۂ فاتحہ پڑھنا ضروری ہے کیونکہ حکم عام ہے۔ (از مولانا عبدالسلام بستوی مدرس مدرسہ ریاض العلوم دہلی۔ اخبار اہل حدیث دہلی جلد ۹، شمارہ ۲۳

Telegram : t.me/pasbanehaq1

بحوالہ فتاویٰ علمائے حدیث ص۱۲۲).

مؤلف توضیح الکلام ہی از روئے انصاف و دیانت (اگر ان کے نزدیک انصاف و دیانت نامی کوئی چیز ہے اور اس کی ان کے ہاں قدر بھی ہے) یہ بتائیں کہ کیا یہ تمام محققین علمائے اہلِ حدیث امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے والے کو بے نماز نہیں کہہ رہے اور کیا اسکی نماز کو باطل نہیں کہہ رہے ہیں؟ یہ احسن الکلام کے محکم براہین و دلائل ہی کا نتیجہ و اثر ہے کہ مؤلف خیر الکلام و توضیح الکلام عدمِ بطلان کے فیصلہ پر مجبور ہوئے ہیں۔ ورنہ غیر مقلدین حضرات کا فیصلہ اور فتویٰ یہی ہے کہ امام کے پیچھے سورۂ فاتحہ نہ پڑھنے والوں کی نماز باطل ہے اور وہ بے نماز ہیں اور بے نماز کا ٹھکانہ ہی سقر ہے۔

استاذِ محترم شیخ الحدیث حضرت مولانا عبد القدیر صاحب دامت برکاتہم نے (جو تقریباً ساٹھ سال تک علومِ نقلیہ اور عقلیہ کے کامیاب مدرس رہے ہیں۔ ڈابھیل میں بھی استاد حدیث رہ چکے ہیں اور اب بھی مدرسہ تعلیم القرآن راولپنڈی میں شیخ الحدیث ہیں) نوکھے اور علمی انداز میں ترک القراۃ خلف الامام کے دلائل پیش نظر کتاب تدقیق الکلام میں بیان فرمائے ہیں۔ علمائے کرام کے لیے یہ اصول ہوتی ہیں اور ایسے انداز سے پیش کیے ہیں جو حقیقت کی خوب خوب گرہ کشائی کرتے ہیں اور خیر الکلام میں نقل کردہ دلائل کا باحوالہ تانا بانا بھی روشن کیا گیا ہے اور بعض مقامات پر نام لے کر توضیح الکلام میں نقل کردہ دلائل کا بھی خوب تعاقب کیا ہے مگر زیادہ تر تردید خیر الکلام کے شبہات کی کی گئی ہے۔ کیونکہ توضیح الکلام، خیر الکلام کا علمی سرقہ اور اسی کا چربہ ہے۔ جب اصل کا رد ہو گیا تو فرع کا خود بخود ہو جاتا ہے۔ قارئینِ کرام کو تدقیق الکلام میں بعض بعض مقامات میں تکرار بھی نظر آئے گا۔ مگر کہیں بھی تکرار فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ پڑھنے والے اہلِ علم حضرات اس کا بخوبی اندازہ لگا لیں گے۔ اس مسئلہ کے جن جن گوشوں کو حضرت شیخ الحدیث دامت برکاتہم نے اُجاگر کیا ہے اور جن دلائل کو علمی اور تحقیقی طور پر روشن کیا ہے بلا خوف لومۃ لائم یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ انہی کا حصہ ہے اور اسی ہی کتاب میں آپ پر وہ عیاں ہوں گے۔ غیر مقلدین حضرات کو اس سے ناگواری تو ضرور ہوگی مگر ٹھنڈے دل سے اس کتاب کو اوّل سے آخر تک ایک بار پڑھ لیں جھجکیں نہیں۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

؎ روٹھا ہے وہ مجھ سے مجھے منظور ہے لیکن
یارو اسے سمجھاؤ میرا شہر نہ چھوڑے

غیر مقلدین حضرات کے تعصب اور خیانیوں کو تدقیق الکلام میں جس طرح نمایاں کیا گیا ہے اور ان کی علمی غلطیوں کو واشگاف کیا گیا ہے وہ اسی کتاب کا خاصہ ہے۔ عیاں را چہ بیاں مصنف خیر الکلام اور ان کے شاگرد رشید مؤلف توضیح الکلام پر جو علمی تنقید کی گئی ہے اور ان کی سوقیانہ اور غیر عالمانہ زبان سے اغماض کیا گیا ہے وہ کتاب کی قدر و قیمت کو اور دوبالا کر دیتا ہے۔ دونوں مؤلفوں نے اپنے عوام کو اندھیرے میں رکھنے کی بے فائدہ کوشش کی ہے اور محقق اقوال کو محض تارِ عنکبوت قسم کے تبہات سے رد کرنے کی نامحمود کوشش کی ہے۔ مؤلف توضیح الکلام کا کتاب میں اکثر یہی طریقہ اور وتیرہ ہے مثال کے طور پر بعض باتیں ملاحظہ ہوں:

اوّل: حضرت امام مالکؒ مؤطا امام مالک ص۲۹ طبع مجتبائی دہلی میں الامر عندنا فرما کر یہ فرماتے ہیں کہ ہمارے ہاں طے شدہ بات اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ امام کے پیچھے سرّی نمازوں میں قرأت کی جائے مگر جہری نمازوں میں نہ کی جائے۔ (محصلہ)

اس عبارت کو کاٹنے کے لیے مؤلف توضیح الکلام ص۶۵ میں تفسیر قرطبی ص۱۱۹ ج۱ کا یہ حوالہ پیش کرتے ہیں اور ایک قول امام مالکؒ کا یہ ہے کہ فاتحہ ہر رکعت میں ہر ایک کے لیے ضروری ہے … الخ اور لکھتے ہیں کہ علامہ قرطبیؒ فقہ مالکی کے مسلّمہ امام ہیں۔ ان کے کلام کو بلا دلیل رد کرنا بہت بڑی جسارت ہے۔

کیوں جناب؟ حضرت امام مالکؒ جو بلا اختلاف مجتہد مطلق اور مسلّم امام ہیں، اور وہ الامر عندنا فرما کر اپنا فیصلہ خود سناتے ہیں اور طبقہ اُولیٰ کی کتاب مؤطا امام مالکؒ میں یہ موجود ہے ان کے اس فیصلہ کو ساتویں صدی کے محمدؒ بن احمدؒ بن ابی بکر الاندلسی القرطبیؒ المتوفی ۶۷۱ھ) بقول مؤلف توضیح الکلام مسلّمہ امام کے بلا سند منقول ایک قول سے رد کرنا کون سا انصاف و دیانت ہے؟ کیا یہ اس کا مصداق نہیں کہ: ؏
میں وہ جواں ہوں شیشے سے پتھر کو توڑ دوں

Telegram : t.me/pasbanehaq1

دوم : احسن الکلام میں ہم نے حضرت امام شافعیؒ کی یہ عبارت نقل کی تھی : و نحن نقول کل صلوٰۃ صلیت خلف الامام والامام یقرأ لا یسمع فیھا قرأ فیھا (کتاب الام ص۱۵۳ ج ۷) یعنی ہم کہتے ہیں کہ تمام سرّی نمازوں میں مقتدی قرأت کرے۔ (جہری میں نہ کرے)

اس کے جواب میں مصنف خیر الکلام اور مؤلف توضیح الکلام نے جو جو شگوفے چھوڑے اور پاپڑ بیلے ہیں وہ قابل دیدنی ہیں۔ (۱) یہ کہ کتاب الام کے مطبوعہ نسخوں میں یہ عبارت موجود نہیں ہے۔ معارف السنن ص۱۸۶ ج ۳ میں ہے کہ یہ عبارت مطبوعہ نسخہ سے گر گئی ہے ____

(۲) فلاں اور فلاں اور فلاں بزرگ لکھتے ہیں کہ امام شافعیؒ تمام نمازوں میں قرأت خلف الامام کے قائل تھے۔ (۳) کتاب الام کے نام سے جو مجموعہ سات جلدوں میں مطبوع ہے۔ اس میں امام شافعیؒ کے مختلف رسائل بھی آ گئے ہیں۔ یہ عبارت امام شافعیؒ کے دوسرے رسالہ اختلافِ علیؓ و عبد اللہؓ کی ہے۔ جنھیں کتاب الام کو حصّہ شمار کرنا علم و عقل کا ماتم کرنا ہے۔ (محصلہ توضیح الکلام ص۶۵ تا ص۷۵)

الجواب : غیر مقلدین حضرات کے ان وکیلوں نے جس بہانہ سازی اور حیلہ دری کا ثبوت دیا ہے وہ صرف انہی کا خاصہ لازمہ ہے۔ ترتیب وار جوابات ملاحظہ ہوں :

(۱) مشہور تو یہی ہے کہ النقد خیر من النسیئۃ کہ نقد ادھار سے بہتر ہے ہم نقد حوالہ بتاتے ہیں اور آپ اس کو سینہ زوری سے ٹالنے کے لیے بہانہ سازی سے کام لیتے ہیں کہ عبارت کتاب الام سے ساقط ہو گئی ہے یہ وہ معہودہ عبارت نہیں ہے جناب! یہی وہ معہودہ عبارت ہے جس کا حضرت امام شافعیؒ نے وعدہ فرمایا ہے: لاریب فیہ۔ جو حضرات اس کو مسقوطہ اور گری ہوئی فرماتے ہیں وہ خود وہم کا شکار ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ یہ معہودہ عبارت صلوٰۃ کے باب میں ہو گی جو جلد اوّل میں ہے مگر چونکہ یہ عبارت ساتویں جلد میں ہے اس لیے ان کا ذہن اس طرف نہیں گیا۔

(۲) حضرت امام شافعیؒ کی اپنی صریح اور واضح عبارت کو چھوڑ کر دوسروں کا سہارا لینا جو قول قدیم کے چکر میں پڑ کر خود غلطی کا شکار ہیں۔ کہاں کا انصاف ہے! حضرت امام شافعیؒ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کا مسلک سمجھنے کے لیے خود انکی اپنی عبارت ہی واضح اور کافی و وافی ہے ۔

(۳) کتاب الام متداول کتاب ہے اور تمام اہلِ علم جانتے ہیں کہ اس کی سات جلدیں ہیں اس میں قطع و برید اور اختلاط کا دعویٰ کرنا بعینہٖ ایسا ہے جیسا کہ روافض قرآنِ کریم کے بارے یا منکرینِ حدیث کتب حدیث کے بارے کرتے ہیں لیکن ایسے لا یعنی دعویٰ اور قول سے ان پر کیا زد پڑتی ؟ یا پڑسکتی ہے ؟ کتاب الام فقہ کی کتاب ہے اس میں کسی مقام پر کسی کے اختلاف کا ذکر ہے اور کسی دوسرے مقام میں کسی اور سے اختلاف کا تذکرہ آجاتا ہے ۔

خود مؤلف توضیح الکلام نقل کرتے ہیں کہ ص ۲۸۳ تا ص ۲۹۳ میں سیر الاوزاعیؒ اختلاف علیؓ و عبداللہؓ ، اختلاف العراقیینؒ اور اختلاف مالکؒ و شافعیؒ کے مباحث ہیں (محصلہ توضیح الکلام ص ۱۷) علاوہ ازیں ذیل کے حوالے بھی ملاحظہ کریں :

(۱) کتاب الام ص ۶۳ ج ۴ میں ہے باب فی العُمریٰ من کتاب اختلاف مالك والشافعی رضی اللہ تعالیٰ عنہما ۔

(۲) ص ۶۹ ج ۴ میں ہے : و فی اختلاف مالکؒ والشافعیؒ اللقطۃ

(۳) ص ۷ ج ۴ میں ہے وترجم فی کتاب اختلاف علی وابنِ مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہما ۔

(۴) ص ۱۷ ج ۴ میں ہے وترجم فی اختلاف مالکؒ والشافعیؒ باب المنبوذ وغیر ذٰلك ۔

کیا ہر مقام پر یہ ناروا دعویٰ کیا جائے گا کہ کتاب الام میں ان کے مختلف رسائل کا اختلاط ہو گیا ہے اس لیے کتاب الام قابلِ اعتبار نہیں ؟ حاشا و کلا کہ کسی بھی ذی علم کے ذہن میں یہ شیطانی وسوسہ آتا ہو سبھی ہی جانتے ہیں کہ کتاب الام حضرت امام شافعیؒ کی اپنی تالیف ہے اور اس میں درج شدہ تمام مسائل کتاب الام ہی کے ہیں ایسی لایعنی باتوں سے نہ تو روافض قرآن کریم پر سے اعتماد اُٹھا سکے ہیں اور نہ منکرین حدیث کتبِ حدیث سے اور نہ غیر مقلدین کتبِ فقہ اور کتاب الام پر سے اعتبار اٹھا سکتے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہیں اور نہ کوئی ایسی بیہودہ گوئی کو تسلیم کرتا ہے۔ وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ۔ اللہ تعالیٰ سب کو سمجھ عطا فرمائے۔

دلِ بینا بھی کر خدا سے طلب
آنکھ کا نور، دل کا نور نہیں

سوم: مؤلف توضیح الکلام ص۵۴ میں خود امام محمدؒ کی اپنی کتاب مؤطا ص۹۶ اور کتاب الآثار ص۱۶۴ کے حوالہ سے ان کا یہ مسلک نقل کرتے ہیں لا قراءۃ خلف الامام فیما یجھر فیہ ولا فیما لم یجھر وھو قول ابی حنیفۃؒ اور معنیٰ یہ کرتے ہیں "امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی چاہیئے خواہ امام بآواز بلند قرأت کرتا ہو یا آہستہ امام ابو حنیفہؒ کا یہی قول ہے"۔

اس کے بعد مؤلف توضیح الکلام نے ص۵۴ تا ص۶۴ تک متعدد حضرات کے حوالے درج کیے ہیں اور آخر میں لکھا ہے ص۶۴ کہ امام محمدؒ (بلکہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ بھی) سری نمازوں میں فاتحہ پڑھنا مستحسن اور جائز کہتے ہیں۔ (محصلہ) مگر یہ صرف دفع الوقتی اور مغالطہ آفرینی ہے کیونکہ جب حضرت امام محمدؒ جو حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے براہِ راست شاگرد ہیں اور خود اپنی کتابوں میں ببانگِ دُہل وانکشاف الفاظ میں اپنا اور حضرت امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہی مسلک بتاتے ہیں کہ امام کے پیچھے مقتدی کے لیے نہ تو جہری نمازوں میں قرأت ہے اور نہ سری نمازوں میں۔ تو ان کے اپنے قول اور ارشاد کے مقابلہ میں فلاں نے یہ کہا اور فلاں نے یہ کہا کیا حیثیت رکھتا ہے؟ تمام عقل مند اس کے قائل ہیں کہ توجیہ القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ ناپسندیدہ امر ہے اور مشہور ہے کہ صاحب البیت ادریٰ بما فیہ۔

غرضیکہ مؤلف توضیح الکلام اور ان کے استادِ محترم شیخ الحدیث گرامی قدر نے آیات اور صحیح وصریح احادیث اور اقوال راجح کو تعصب کی بناء پر ترک کر کے محتمل معانی ضعیف اور غیر صریح احادیث اور اقوالِ مرجوحہ پر اپنے مسلک کی بنیاد رکھی ہے اور بلا وجہ غیر متعلق حوالے اور اقوال درج کر کر کے اپنے حواریوں کو یہ باور کرانے کے درپے ہیں کہ ہم بھی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

دلائل سے لیس ہیں۔ لیکن بحمد اللہ تعالیٰ کتاب تدقیق الکلام کو پڑھنے والے قوی و ضعیف دلائل اور راجح و مرجوح اقوال کا اچھی طرح سے موازنہ کرسکیں گے اور مسئلہ قرأت خلف الامام کی پوری حقیقت ان شاء اللہ العزیز ان پر منکشف ہوجائے گی۔ اللہ تعالیٰ حضرت شیخ الحدیث دام مجدھم مؤلف تدقیق الکلام کو اُمّتِ مسلمہ کی طرف سے جزائے خیر عطا فرمائے کہ انھوں نے خالص علمی اور تحقیقی انداز میں مسئلہ کی حقیقت واضح کی ہے اور اس کتاب کو اللہ تعالیٰ علماء کے لیے استفادہ کا ذریعہ اور موصوف کے لیے ذخیرۂ آخرت بنائے۔ آمین ثم آمین۔ وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علیٰ خاتم الانبیاء والمرسلین وعلیھم وعلیٰ الہٖ واصحابہٖ وازواجہٖ واتباعہٖ الیٰ یوم الدین۔

احقر العباد

ابو الزاہد محمد سرفراز

صدر مدرس مدرسہ نصرۃ العلوم گوجرانوالہ وخطیب مرکزی جامع مسجد گکھڑ

۲ ربیع الثانی ۱۴۰۹ھ

۱۳ نومبر ۱۹۸۸ء

Telegram : t.me/pasbanehaq1

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
حَسْبُنَا اللّٰہُ وَنِعْمَ الْوَکِیْلُ نِعْمَ الْمَوْلٰی وَنِعْمَ النَّصِیْرُ
اَمَّا بَعْد !

امام کے پیچھے فاتحہ خوانی اور اس میں خاصی پریشانی اور سرگردانی

کچھ عرصہ ہُوا ایک شخص آیا کہ ایک اہلِ حدیث کہتا ہے کہ ہماری فاتحہ خوانی کی دلیل تو صحیح بخاری میں ہے ! کیا ہماری بھی کوئی دلیل ہے کہ امام کے پیچھے فاتحہ نہ پڑھی جائے ؟ میں نے کہا کہ ہماری دلیل تو قرآن کریم میں آئی ہوئی ہے اور حدیثِ صحیح میں بھی صریح آئی ہوئی ہے ان کی دلیل بخاری والی بحق مقتدی صریح نہیں اور جو روایات مقتدی کے بارہ میں صاف اور صریح ہیں وہ صحیح نہیں ہیں ۔ اگرچہ بعض بزور زبان صحیح کہہ بھی دیتے ہیں ۔ جن کی تفصیل اپنے موقع پر انشاء اللہ تعالیٰ آنے والی ہے ۔ میں فی الحال ابتدائی چند تمہیدی باتیں عرض کرتا ہوں ۔ قرآن کریم کی قرأت اور سماعت کے بارے میں کچھ ہدایات کلامِ الٰہی میں منصوص ہیں ۔ ابتدا میں حضرت جبرائیل امین علیہ السّلام جب تشریف لاتے اور حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو وحی الٰہی سُناتے تو آپؐ سنتے ہوئے زبان سے آہستہ آہستہ پڑھتے بھی جاتے ۔ سننا اور پڑھنا بیک وقت گراں بھی تھا لیکن آپ اس لیے پڑھتے تھے کہ کلامِ الٰہی دل میں محفوظ ہو جائے جو آئندہ لوگوں کو پہنچانا ہے ۔ ممکن ہے کہ قلبی داعیہ محبتِ کلامِ الٰہی بھی کارفرما ہو ۔ لیکن آیتِ کریمہ اوّل صورت کا تذکرہ کر رہی ہے ۔ اِنَّ عَلَیْنَا جَمْعَہٗ وَقُرْاٰنَہٗ ہمارے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ذمہ ہے اس کا آپ کے قلب مبارک میں جمع کر دینا اور پھر اس کو زبان سے پڑھا دینا آپ اس کے چھوٹ جانے کا اندیشہ نہ کریں۔ حضرت جبریل علیہ السلام کے پڑھنے کے وقت آپ نہایت خاموشی سے سنیں، نہ زبان کو حرکت دیں نہ ہونٹ ہلائیں۔ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ اور فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۔ اتبع کا معنی حضرت ابن عباسؓ نے اِسْتَمِعْ وَاَنْصِتْ سے کیا ہے اس کے بعد آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نہایت خاموشی سے سنتے ہی تھے جب جبریل علیہ السلام واپس ہو جاتے تو آپ اس کلام کو پڑھا کرتے تھے۔ فَاِذَا ذَهَبَ قَرَاَهٗ۔

(بالمعنیٰ بخاری ص۳ و مسلم ص۱۸۴ ج ۱)

فائدہ: ایک حکم کی متعدد حکمتیں بھی ہو سکتی ہیں۔ آپ کو خاموشی کا حکم دیا گیا کہ قرآن حکیم سنتے وقت خود نہ پڑھا کریں۔ ایک اس میں مشقت کا رفع کرنا بھی مطلوب ہے کہ بیک وقت دو کاموں کا سرانجام دینا گراں بھی ہوتا ہے اور دوسرا خوف اس چھوٹ جانے کا بھی نہ کریں بلکہ ہم آپ کے قلب مبارک میں اس کو محفوظ کر دیں گے آپ جب پڑھنا چاہیں گے ہم پڑھا دیں گے۔ تیسری بات کہ کلام خداوندی کا ادب اور احترام بھی اسی بات میں ہے کہ نہایت ہی توجہ سے سنا جائے اس میں تدبر اور تفکر کیا جائے اس وقت دوسری طرف توجہ نہ کی جائے بلکہ ہر ذی عزت و عظمت کے کلام کا یہی حق ہے۔ بے التفاتی سے سننا ایک طرح کی بے حرمتی کی علامت ہے۔ مشہور مفسر حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ اسی کی طرف اشارہ فرما رہے ہیں۔ امرہ اللہ تعالیٰ بالانصات عند تلاوتہ اعظاماً واجلالاً (الیٰ) ویتأکد ذٰلک فی الصلوٰۃ ... الخ (تفسیر ابن کثیر ص۲۸۰ ج۲) یعنی خارج از نماز قرآن کریم کی تلاوت اور سماعت کا حق یہی ہے کہ نہایت سکونِ قلبی اور توجہ کامل سے سنے اور نماز میں تو اور بھی یہ حکم مؤکد بن جاتا ہے۔ اسی میں تلاوتِ کلامِ الٰہی کا اعزاز و احترام پایا جاتا ہے اور یہی بات حضرت امام رازیؒ نے تفسیر کبیر ص۳۴۱ ج۴ میں فرمائی ہے، جس کا تذکرہ عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ آنے والا ہے۔ فرماتے ہیں کہ سنتے ہوئے قرأت کرنا استماع مامور کے خلاف ہے کیونکہ بظاہر اس میں کلام الٰہی کی بے حرمتی پائی جاتی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہے۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ھل قرأ معی احد منکم انکار و استکراہ کے انداز میں جو فرمایا تھا اس کا منشا یہی استماع واجب کے حق میں قصور کرنا تھا جو موجب کراہت ہوا تھا۔ اس سے قراءۃ خلف الامام عند قراۃ الامام کی چونکہ ممانعت نکلتی ہے اس لیے بعض غیر مقلدین حضرات نے اس تیسری وجہ کو نظر انداز کرنے کی سعی نامشکور کی اور بے معنیٰ باتوں سے اسے ٹالنے کی کوشش کی ہے۔ تفصیل بیان کرنے میں طول ہوگا۔

الغرض قرآن کریم نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اِذَا قَرَأْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ کا حکم دیا جس کی حضرت ابن عباسؓ نے اِسْتَمِعْ وَاَنْصِتْ سے تفسیر فرمائی۔ غالباً انھوں نے یہ معنی اس عمومی ضابطہ سے لیا ہے جو فرمانِ خداوندی ہے۔ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا اور بعض حضرات محققین رحمہم اللہ تعالیٰ نے اس کا معنی یہ کیا: لا تکون قراءتك مع قراءته بل متأخرة عنه جیسے کہ حواشی بخاری صے۳ میں مذکور ہے۔ یعنی حضرت جبریل امین علیہ السلام کی قرأت کے وقت آپؐ قرأت نہ کیا کریں۔ خالص خاموشی سے سنا کریں۔ یہی الفاظ سورۃ الاعراف والی آیتِ کریمہ میں ہیں اور خطاب بصیغہ جمع ہے اور اصل نزول اس کا مقتدی اور امام کے حکم میں ہے تو اس طرح مقتدیوں کو حکم ہوا کہ امام کی قرأت کے وقت نہ صرف سُننے پر اکتفاء کرو۔ اس کے ساتھ پڑھا نہ کرو نہ زبان کو حرکت ہو نہ ہونٹ ہلیں۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام عند قراءۃ جبریل علیہ السلام مخفی انداز کی قرأت کرتے تھے مگر اس سے بھی روکے گئے۔ اسی طرح مقتدیوں کو بھی کرنا چاہیئے۔ یہ کہنا کہ مقتدی کو اونچی قرأت سے منع کیا گیا ہے غلط ہے۔ کیونکہ یہی لفظ استمع وانصت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما، حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے بارے میں فرما رہے ہیں اور مقصود آپ کو سابقہ انداز کی قرأت سے ممانعت ہے۔ اور وہ خفیہ انداز کی قرأت ہی تھی جس میں صرف ہونٹ ہلتے تھے۔ زبان حرکت کرتی تھی آواز پیدا نہ ہوتی تھی فرمایا: لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ مقتدیوں کو بھی یہی حکم دیا گیا ہے فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ اسی کو دیکھتے ہوئے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

انکاری لہجہ میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے فرمایا: لعلکم تقرؤن خلف امامکم آپ کا یہ انکار نفسِ قرأۃ پر ہے۔ اسی کو سمجھتے ہُوئے لوگوں نے یعنی حضرات صحابہ کرامؓ نے خلف الامام پڑھنا بند کر دیا۔ فانتھی الناس عن القرأۃ مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم جیسے ترمذی شریف ص۴۲ کی حدیث میں ہے اسی کو دیکھتے ہُوئے امام ترمذیؒ فرماتے ہیں واختار اھل الحدیث ان لا یقرأ الرجل مع الامام اذا جھر الامام بالقرأۃ یہ مطلب انھوں نے فانتھی الناس عن القرأۃ مع رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم کو صحیح جانتے ہوئے اور موافق حال دیکھتے ہُوئے اختیار کیا ہے۔ خواہ یہ فرمان حضرت ابوہریرہ رضی اللّٰہ عنہ کا ہو جیسے کہ روایت میں مروی ہے۔ یا یہ حضرت امام زہریؒ کا مقولہ بنایا جائے جیسے کہ ترمذی رحمۃ اللّٰہ تعالیٰ کے بیان میں ہے کیونکہ حضرت امام زہریؒ نے کثیر التعداد حضرات صحابہ کرامؓ کو دیکھا اور ان کا یہی عمل دیکھنے میں آیا۔ اسی کو مدّنظر رکھتے ہُوئے حضرات محدثین کرامؒ نے مقتدی کو امام کے ساتھ پڑھنے کی اجازت نہیں دی بلکہ امام کے سکتات میں پڑھنا تجویز کیا ہے جیسے ترمذی میں ہے مگر افسوس کہ موجودہ دور کے اہل حدیث کہلانے والے حضرات کیا عوام اور کیا خواص سب نے الٹی چال ہی اپنائی۔ سب ساتھ ہی پڑھا کرتے ہیں۔ کیونکہ سکتوں میں پڑھنا جو بتایا گیا اس کا کرنا بڑا مشکل ہے جس کا مفصّل تذکرہ انشاء اللّٰہ تعالیٰ اپنے موقع پر آئے گا۔ لیکن اگر کوئی علمی ذمہ داری کو ملحوظ رکھّے تو ساتھ پڑھنا جیسے ان کا معمول ہے وہ اس سے بھی زیادہ دشوار ہے اور خطرناک ہے آنکھیں بند کرکے چلنا اور بات ہے لیکن منصف مزاج باحواس شخص اس راستہ کو نہیں اپنائے گا۔ حضرات محدثین کرام رحمہم اللّٰہ تعالیٰ اس کو چھوڑنا ہی پسند کر رہے ہیں۔ جب امام ترمذیؒ نے تصریحًا فرمایا: احتیاط اسی کو کہتے ہیں۔ تھوڑے نفع کے لیے مزید نقصان کرنا دانشمندی نہیں۔ لیکن یہ حضرات اہلِ حدیث آج کل کے نام والے لامذہب لوگ ہیں یہ وہ اہلِ حدیث نہیں ہیں جن کا ذکر کتابوں میں آتا ہے اسی لیے مَیں اُن ہی کو حضرات محدثینِ کرامؒ کے نام سے یاد کرنا بہتر جانتا ہوں اور اِن کو نام نہاد اہلِ حدیث کہتا ہوں تاکہ التباس نہ پڑے۔ یہ انگریزی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

دور کے اہل حدیث امام کے ساتھ ساتھ ہی پڑھا کرتے ہیں۔ ہاں یکھنے میں متعدد مختلف تجاویز پیش کردیتے ہیں۔ اور حنفیوں کے بالمقابل سب پر صاد کردیتے ہیں لیکن ان کا اپنا عمل معیت کا ہی ہے۔ اس وقت ہماری گفتگو انہی کے رویّہ کی تردید میں ہے۔ اگرچہ ضمناً اور راستوں کی دشواریاں بھی آپ کے پیش نظر لائی جائیں گی۔ یہ سب باتیں تمہیدی گزارشات ہیں۔ ہر ایک کی پوری تفصیل مالہٗ وماعلیہ حسب موقع انشاء اللہ تعالیٰ کی جائے گی واللہ المستعان وعلیہ التکلان۔ وھو حسبی ونعم الوکیل نعم المولیٰ ونعم النصیر۔

بعض ضروری باتوں کا تذکرہ

قبل اس کے کہ فاتحہ خلف الامام پڑھنے یا اس کی ممانعت کے دلائل بیان کروں یا ان کی قوۃ اور ضعف کا تذکرہ کروں کچھ اور باتیں عرض کرنا چاہتا ہوں۔ تاکہ حقیقتِ حال آپ کے سامنے آجائے بعض لوگ ناواقفیت کی وجہ سے مغالطہ میں پھنسے ہوئے ہیں۔ یا جانتے ہوئے دوسروں کو دھوکہ میں ڈال رہے ہیں۔ غور فرمائیں کہ نماز جملہ عبادات سے افضل اور اہم ہے اس کو عماد الدین کہا گیا ہے۔ یہ سب سے اوّل فرض کی گئی ہے۔ جماعت سے پڑھنے کی تاکید اور نہ پڑھنے کی شدید وعید کی گئی ہے۔ مشکوٰۃ ص۴۳ کی روایت میں فرمایا: اول ما نزل جبریل علمہ الوضوء والصلوٰۃ۔ اوکما قال۔ یعنی جبریل علیہ السلام نے بالکل ابتدائی زمانۂ نزول میں آپ کو وضوء کا طریقہ اور نماز پڑھنے کا عمل سکھایا اور بتایا۔ اگرچہ آیتِ وضوء اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ۔ الآیۃ۔ بعد الہجرۃ مدینہ شریف میں نازل ہوئی ہے۔ لیکن حکم اس کا پہلے سے شروع چلا آرہا تھا۔ ہجرت سے قبل تیرہ سال مکی زندگی میں آپ نے نمازیں پڑھیں وہ سب وضوء کرکے پڑھی گئی ہیں۔ ایسی جگہ آیت کا نزول تقریرِ حکم کے لیے کیا جاتا ہے تاکہ محکم ہوجائے۔ بلکہ صحیح احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ابتداء زمانہ نبوت میں جب کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پر وحی کا نزول شروع ہوا اس وقت

Telegram : t.me/pasbanehaq1

جنات کو آسمان پر جانے سے منع کیا گیا۔ انھوں نے اس کا سبب معلوم کرنے کے لیے زمین پر تلاش شروع کی تو دیکھا کہ بطنِ نخلہ کے مقام میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مع جماعتِ صحابہ کرامؓ صبح کی نماز باجماعت ادا فرما رہے تھے۔ جنات نے سُن کر سمجھ لیا کہ ہم پر پابندی کا یہی سبب ہے اور اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا کہہ کر وہ ایمان لائے۔ اس سے معلوم ہوا کہ وضو کرنا بلکہ جماعت سے نماز ادا کرنا بھی ابتداءِ زمانۂ نبوت سے مشروع چلے آرہے تھے۔ بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ یہ نفل نماز تھی اگر یہ نفلی بھی ہو تو بھی یہ ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ صبح اور عصر کی دو نمازیں اوّل سے پڑھی جاتی تھیں ہاں پانچ ہونا بعد میں ہوا۔ کچھ بھی ہو جماعت سے صبح کی نماز کی ادائیگی اس حدیث سے معلوم ہوئی اور وضو کا نماز کے لیے شرط ہونا بھی سب ہی جانتے ہیں۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ آیتِ وضو کی اگرچہ بعد از ہجرت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی لیکن حکمِ وضو کا ابتداءِ زمانۂ نبوت سے ہے اس لیے اس آیت کو تقریرِ حکم کے لیے نازل ہونا کہا جاتا ہے اس کے اور نظائر بھی ہیں فی الحال ہمیں اور بات کرنی ہے۔

جماعت اہلِ حدیث کے دینی راہنماؤں کی علمی لیاقت کا اندازہ لگائیے اور جماعت والوں کو اس پر مبارکباد بھی پیش کیجئے کہ انھوں نے ان ھٰذا العلم دین فانظروا عمن تأخذون دینکم جو روایت مسلم کے مطابق امام ابن سیرین رحمۃ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کی ذمہ داری کیسے پوری کی۔ حضرات حنفیہ کرامؒ نے لکھا ہے کہ قرأت خلف الامام کی ممانعت پر آیتِ کریمہ سورۃ الاعراف والی وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا شہادت دیتی ہے تو ایک فاضل اہلِ حدیث نے فتاوے اولیاء کرامؒ کے نام سے ایک رسالہ لکھا اور اس میں جلی عنوان سے حنفیہ کے خلاف لکھا کہ بیٹا باپ سے پہلے ہوا اور دلیل میں انھوں نے یہ لکھا کہ جماعت تو وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ سے شروع ہوئی جو مدنی آیت ہے اور بعد از ہجرت نازل ہوئی اور حنفیہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ والی مکی آیت کو جو قبل از ہجرت نازل ہوئی ہے جماعت کے بارے میں نازل ہونا بتاتے ہیں۔ یعنی جماعت کا مسئلہ تو وَارْكَعُوْا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مَعَ الرَّاكِعِيْنَ سے مدینہ جاکر پیدا ہُوا۔ اور وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ والی آیتِ کریمہ جو سات آٹھ سال قبل کی نازل شدہ ہے اگر اس کو جماعت کے لیے نازل ہونا تسلیم کیا جائے تو معنی یہ ہوگا کہ بیٹا باپ سے سات آٹھ سال قبل پیدا ہوا۔ نعوذ باللہ تعالیٰ ان من العلم لجھلاً۔ اسی کو کہتے ہیں کسی نے کیا اچھا کہا ہے :

ہر آں کس کہ نداند و بداند کہ بداند
در جہل مرکب ابدالدھر بماند

بلکہ مزید لکھا کہ وَاِذَا قُرِیَٔ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کے نزول کے وقت تو پنجگانہ نمازیں بھی نہ تھیں وہ تو شبِ معراج میں فرض ہُوئیں جس کا ذکر سورۃ بنی اسرائیل میں ہے جو مکی سورۃ ہے اور بلحاظِ نزول پچاسؔ نمبر پر ہے۔ جماعت اہلِ حدیث والے شاید خوش ہو گئے ہوں اور ممکن ہے اس فاضل مؤلف کو کچھ انعام بھی دیا ہو کہ چلو حنفیہ کے خلاف الزام تراشی تو ہوگئی وَذٰلِكَ مَبْلَغُهُمْ مِنَ الْعِلْمِ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد : اِذَا وُسِّدَ الْاَمْرُ اِلٰی غَیْرِ اَھْلِہٖ فانتظر الساعۃ کا منظر آپ کو خوب نظر آئے گا۔ فاضل جماعت اہلِ حدیث مولوی صاحب لکھتے ہیں : کہ جماعت کا مسئلہ تو وَارْکَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ سے پیدا ہُوا جو بعد از ہجرت کی نازل شدہ آیت ہے۔ اللہ پاک نے ان کو اتنی توفیق نہ دی کہ ترمذی شریف ص۲۱ ج۱ کو اٹھا کر دیکھتے کہ معراج کی رات جو قبل از ہجرت گزری اس سے اگلے روز ہی ظہر کے وقت حضرت جبریل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جماعت کے ساتھ نماز پڑھائی۔ ایک دن رات اوّل اوّل وقت میں اور دوسرے روز آخری اوقات میں، آپ نے فرمایا امّنی جبرئیل عند البیت مرتین کیا یہ جماعت وَارْکَعُوْا مَعَ الرَّاكِعِيْنَ کی آیت سے پہلے ہے یا نہیں۔ آپ کے قول کے مطابق بیٹا باپ سے پہلے ہوا یا نہیں۔ مشہور ہے کہ " دروغ گو حافظہ نہ باشد" آپ نے باپ بیٹے کو پہچانا ہی نہیں۔ آپ نے بیٹے کو جس باپ کی طرف منسوب کیا ہے، وہ باپ ہے ہی نہیں۔ اگر انسانوں میں ایسی حرکت کی جاتی تو حدّ قذف لگائی جاتی یا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کم از کم بدزبانی اور فحش کلامی کی تغلیط و تردید تو ضرور کی جاتی ۔ جیسے زبان سے انسان بگڑ جاتا ہے ۔ قلم سے بھی عزت خطرہ میں پڑ جاتی ہے ۔ اَلَیْسَ مِنْکُمْ رَجُلٌ رَّشِیْدٌ
آپ کا کہنا کہ جماعت امامت وَارْکَعُوْا مَعَ الرَّاکِعِیْنَ کے نزول کے بعد کی باتیں ہیں ۔ قطعاً غلط اور جھوٹ ہے ۔ جماعت اوّل زمانۂ نبوت سے شروع چلی آتی ہے دیکھیے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آیت کریمہ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا ، جو سورۃ بنی اسرائیل کی آیت ہے یہ مکہ شریف میں نازل ہوئی ۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز میں قرأت ذرا اونچی کرتے تھے تاکہ کفار بھی اسے سنیں ۔ شاید کسی کو ہدایت نصیب ہو جائے لیکن کفار اُلٹا اثر لیتے ، زبان سے بدزبانی کرتے اس پر حکم ہوا کہ آپ اتنا اونچا نہ پڑھا کریں کہ دُور والے بھی سُنیں اور اتنا آہستہ بھی نہ ہو کہ پاس والے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین شریک جماعت بھی نہ سُن سکیں ۔ درمیانے انداز کی قرأت کیا کیجئے ۔ حدیث شریف کے الفاظ دیکھیے : عن ابن عباس (رضی اللہ عنہما) فی قولہ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا نزلت بمکۃ و رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مختف بمکۃ وکان اذا صلّی باصحابہ رفع صوتہ بالقراٰن وکان المشرکون اذا سمعوا القراٰن شتموہ ومن انزلہ ومن جاء بہ فقال اللہ لنبیہ لا تجہر بصلاتک ای بقراءتک ۔ (ترمذی ۔ حدیث حسن صحیح ص۴۴۹) یعنی اتنا اونچا نہ پڑھا کرو کہ مشرک برہم ہوں ۔ یہ روایت مختلف الفاظ کے ساتھ متعدد حدیث کی کتابوں میں مروی ہے ۔ بخاری ص۶۸۶ × ۱۱۱۶ مسلم شریف ص۱۸۳ ، ترمذی ص۴۴۹ ، نسائی ص۱۱۶ وغیرہ ۔ کیا آپ کے قول کے مطابق یہ جماعت اور امامت جو قبل از ہجرۃ مکہ شریف میں ہوئی وَارْکَعُوْا مَعَ الرَّاکِعِیْنَ سے پہلے نہیں ہے ؟ کیا بیٹا باپ سے پہلے نہ ہوا ؟ آپ کو باپ بیٹے کی تمیز ہی نہیں ۔ اگرچہ یہ دو گواہ عادل کافی شافی ہیں ۔
۱ امامۃ جبریل عند البیت ، ۲ اور آپؐ کی صلوٰۃ باصحابہ ۔ جیسے ابھی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

بیان گزرا لیکن مزید طمانینت کے لیے عرض کرتا ہوں، بخاری ص۱۰۵ اور ترمذی شریف ص۴۴ ج۲ میں تو یہی واقعہ ہے جو گزشتہ بیان کیا گیا۔ حدیث شریف کے الفاظ یہ ہیں وھو بنخلۃ عامدًا الی سوق عکاظ وھو یصلی باصحابہ صلوٰۃ الفجر۔ یعنی حضور صلی اللہ علیہ وسلم مقام نخلہ میں تھے اور عکاظ کے بازار کو جانا چاہتے تھے لو اُس وقت صبح کی نماز باجماعت حضرات صحابہ کرامؓ کو پڑھا رہے تھے یہ فجر کی نماز باجماعت ابتدا زمانۂ نبوت کی تھی اسی کو علامہ نوویؒ نے شرح مسلم ص۱۸۴ میں فرمایا: حدیث ابن عباسؓ فی اوّل الامر۔ اوّل النبوۃ یعنی حضرت ابن عباسؓ کی یہ حدیث ابتدا نبوت کے ابتدائی دنوں کے بارے میں ہے۔ پھر ص۱۸۴ پر فرمایا: فیہ الجھر بالقرأۃ فی الصبح وفیہ صلوٰۃ الجماعۃ وانھا مشروعۃ فی السفر وانھا کانت مشروعۃ من اوّل النبوۃ۔ یعنی اس حدیث میں صبح کی نماز باجماعت کا ذکر ہے اور قرأۃ بھی جہر سے کی گئی ہے اور جماعت سے نماز کی ادائیگی ابتدا زمانۂ نبوت سے مشروع ہے۔ دیکھئے فاضل اہلِ حدیث کہتے ہیں کہ جماعت اور امامت کا مسئلہ تو وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ مدنی بعد الہجرۃ کی آیت سے پیدا ہوا ہے۔ کیا یہ تیرہ سال قبل از ہجرت ابتدا زمانہ نبوت کا واقعہ نہیں۔ آپ کے قول کے مطابق بیٹا باپ سے تیرہ چودہ سال پہلے پیدا ہو گیا یا نہیں؟ حدیث کی کتابوں کی خبر نہ ہوتے ہوئے بھی آپ اہلِ حدیث بنتے ہیں۔ اسی کو کیں نے کہا تھا کہ ان کا نام اہلِ حدیث اسی طرح ہے جیسے ایک قوم اپنا نام اہلِ قرآن رکھتی ہے نہ وہ اہلِ قرآن میں نہ یہ اہلِ حدیث۔ آپ نے ابھی دیکھا۔ یہ صرف قومی نام ہے گزشتہ میں نے ترمذی سے نقل کیا تھا۔ وہ فرماتے ہیں: واختار اھل الحدیث ان لا یقرأ الرجل مع الامام اذا جھر الامام بالقرأۃ بل یتبع سکتات الامر۔ یہ آج کل کے اہلِ حدیث وہ اہلِ حدیث نہیں ہیں یہ تو امام کے ساتھ ہی پڑھا کرتے ہیں۔ ان کا رویہ احنافؒ کے ساتھ ضد کرنا اور ہٹ دھرمی کرنا ہی ہے۔ (اعاذنا اللہ تعالیٰ منہ) ہاں اگر یہ کہا جائے کہ نماز کی جماعت سے ادائیگی کا اشارہ اس آیتِ کریمہ وَارْكَعُوْا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مَعَ الرّٰكِعِيْنَ میں ہے تو یہ ٹھیک ہے لیکن یہ کہنا کہ جماعت سے ادائیگی اس سے ہی شروع ہوئی تو یہ غلط ہے جیسے آپ نے دیکھا کہ وضوء کا کرنا ابتداءِ زمانہ نبوت سے چلا آتا ہے کوئی نماز بلا وضوء نہیں پڑھی گئی حالانکہ وضوء کی آیت کریمہ اِذَا قُمْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوْا وُجُوْهَكُمْ۔ (الآیۃ) مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی جیسے یہاں باپ، بیٹا بنانا جہالت ہے۔ اسی طرح جماعت سے ادائیگی کا حکم وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ سے جوڑنا خالص جہالت اور نادانی ہے۔

قرآن کریم نے امام کا وظیفہ قرأت بتا کر اس کی تحدید بھی کی ہے

آپ گزشتہ آیت کریمہ لَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا کے شانِ نزول سے معلوم کر چکے ہیں کہ اس میں امام کو ہدایت کی گئی ہے کہ مزید اونچی آواز سے قرأت نہ کرے۔ درمیانے درجے کی آواز ہونی چاہیئے۔ اس سے ایک شبہ کا ازالہ بھی ہو گیا کہ لَا تَجْهَرْ میں جہر سے منع کیا گیا ہے تو مغرب، عشاء اور فجر وغیرہ جہری نمازوں میں امام جہر سے قرأۃ کیوں کرتا ہے؟ جواب یہ ہے کہ منفی زیادہ اونچی آواز سے قرأۃ کرنا ہے نفس جہر سے منع نہیں کیا گیا۔ اسی لیے مسلم شریف ص۱۸۳ ج۱ کی روایت میں وَلَا تجهر ذلك الجهر مروی ہے یعنی وہ جہر نہ کریں جو بضرورت نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کیا کرتے تھے کہ کفار بھی سن لیں اور شاید نفع ہو جائے، اور مروج جہر فقہی جہر ہے یہ بين ذلك کے اقسام سے ہے جو کہ وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيْلًا کا مفہوم ہے وَلَا تخافت بها عن اصحابك سے مراد یہی ہے کہ اتنا اونچا پڑھیں کہ آپ کے ساتھ والے شریکِ جماعت لوگ سن لیں۔ بہر حال امام کا وظیفہ جہر سے قرأۃ کرنا آیت کریمہ نے بیان کیا اور مقدار جہر بھی بیان کر دی۔ فَالْحَمْدُ لِلّٰہِ۔

قرأت خلف الامام کا مسئلہ اور قرآن کریم میں اس کا تذکرہ

گزشتہ گزر چکا کہ نماز سب عبادات سے اہم ہے۔ قیامت کے دن مسلمان سے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

حقوق اللہ کے بارے سب سے پہلے اسی کی پرسش ہوگی۔ نماز میں قرأت کرنا فرض ہے حضرات شافعیہ رحمہم اللہ تعالیٰ اور اہل حدیث ہونے کے مدعی خاص طور پر فاتحہ کا پڑھنا بھی فرض کہتے ہیں۔ امام اور منفرد تو فاتحہ پڑھا ہی کرتے ہیں کیا مقتدی پر بھی اس کا پڑھنا واجب اور فرض ہے یا نہیں ؟ بلکہ اس کا وظیفہ امام کے پیچھے خاموش رہنا ہے اور امام کی قرأت کی طرف کان لگانا ہے ؟ اس میں اختلاف ہے۔ اہل حدیث اس کا پڑھنا فرض کہتے ہیں جیسے کہ توضیح الکلام میں بھی یہ جا بجا موجود ہے ، اور حنفیہ مقتدی کو قرأت سے منع کرتے ہیں۔ اور اسے خاموشی سے سننے کا حکم دیتے ہیں۔

فیصلہ : ایسے اختلافی موقع میں سب سے پہلے قرآن کریم کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ مقتدی کا مسئلہ اتنا اہم ہے کہ ایک امام کے پیچھے کبھی سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں اور لاکھوں تک مقتدی ہوتے ہیں۔ اسی کی اتباع میں نماز ادا کرتے ہیں۔ روزمرہ پانچ اوقات میں جماعت ادا کی جاتی ہے۔ قرآن کریم نے نکاح اور طلاق تک کے مسائل بیان کیے ہیں جو کبھی کبھی وقوع پذیر ہوتے ہیں اور وہ فرض واجب بھی نہیں ہیں۔ ان حالات میں مقتدی کا مسئلہ ضرور قابلِ ذکر بن جاتا ہے۔ **مخلص !** حضرات ائمہ حنفیہ کثرہم اللہ تعالیٰ تو اس بارے میں آیتِ کریمہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ (الاعراف) پیش کرتے ہیں کہ اس کا نزول ہی جماعت کے بارے میں ہے اور اصل بالذات و مقصود اس میں مقتدی کا مسئلہ ہی ہے کہ وہ امام کی قرأت کے وقت خاموش رہے۔ لیکن فریقِ ثانی نے اس سے پہلوتہی کی اور مختلف حیلے بہانے اپنی اپنی سمجھ کے مطابق بنائے جیسے کہ صاحبِ توضیح الکلام نے بھی ص۱۱۱ پر کیے ہیں۔ بعض جاہل یا کم علم لوگوں نے تو ضد اور عناد میں یہاں تک کہہ دیا کہ اس آیت میں تو قرآن سنتے وقت خاموشی کا حکم دیا گیا ہے۔ فاتحہ تو قرآن ہی نہیں۔ کیونکہ بزبانِ عوام قرآن کے تیس پارے ہیں۔ اول پارہ الٓمٓ سے شروع ہوتا ہے۔ فاتحہ تو اس سے پہلے ہے۔ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ۔ ان کی اس جہالت پر جتنا ماتم کیا جائے کم ہے۔ ہمارے سامنے ایک غیر مقلد نے بڑے اصرار اور دیدہ دلیری سے یہ بات کہی خدا جانے کس غلط کار انسان نے اس کو

Telegram : t.me/pasbanehaq1

یہ پٹی پڑھائی ہے یا ابلیس کی شاگردی سے اس کو یہ الہام ہوا ہے۔ نعوذ باللہ تعالیٰ۔ میں نے اس کو کہا کہ ہم تو ایسے شخص کو جو سورۃ فاتحہ کو قرآن نہ کہے کافر کہتے ہیں۔ اس کو تو اعظم سورۃ فی القرآن کہا گیا ہے جیسے کہ بخاری ص۶۸۳ ج۲ میں ہے۔ باقی اول پارہ الٓمٓ سے شروع ہونا اس کی مناسب توجیہ کرنی ہوگی۔ دیکھئے قرآن کریم میں ہے: اِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ۔ اس کو دیکھتے ہوئے ہر قاری ابتداء میں تعوّذ پڑھتا ہے۔ پھر تسمیہ، اس کے بعد اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ پڑھا کرتا ہے نماز میں بھی اسی طرح پڑھا کرتے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سورۃ فاتحہ قرآن ہے، اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت میں ہے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اُمُّ الْقُرْاٰنِ هِيَ السَّبْعُ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنُ الْعَظِيْمُ (بخاری ص۶۸۳ ج۲) "سورۃ فاتحہ ہی سبع مثانی اور قرآن عظیم ہے۔" غیر مقلدین اگر اس استدلال مذکور کو درست کہتے ہیں تو تصحیح ایمان کی فکر کریں کہ وہ اس قول کی وجہ سے قرآن وحدیث کے منکر قرار پاتے ہیں۔ ہم تو ایسے قول پر لعنت بھیجتے ہیں۔ قلیل نفع کے لیے اتنا نقصان کرنا کون سی عقل مندی ہے؟ عموماً حضرات محدثین شافعیہؒ اور خاص طور سے حضرت امام بخاریؒ کا رویہ اس باب میں دانشمندانہ اور پسندیدہ رہا ہے۔ وہ فاتحہ خلف الامام کے اثبات میں قرآنی آیات پیش نہیں کرتے کیونکہ بے محل آیات کا ذکر اِنَّ الَّذِيْنَ يَفْتَرُوْنَ عَلَى الْكَذِبَ۔ (الآیۃ) کی وعید کا خطرہ بن جاتا ہے۔ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے صحیح بخاری ص۱۰۴ ج۱ میں باب "وجوب القرأۃ للامام والمأموم" ذکر کیا۔ اور عام عادت حضرت امام بخاریؒ کی بخاری شریف میں یہی ہے کہ اگر اس باب والے مسئلہ میں قرآن کریم کی کوئی آیت موجود ہو تو امام بخاری صاحبؒ اس کو ضرور ذکر فرماتے ہیں۔ اس کے بعد احادیث کا سلسلہ شروع کرتے ہیں پھر آثار کا ذکر کرتے ہیں اور یہی طریقہ بہتر بھی ہے لیکن باب وجوب الفاتحہ میں ضرورت کے باوجود کسی ایک آیت کا تذکرہ بھی انھوں نے نہیں کیا۔ انصاف کے راستے پر چلیے۔ حدیث بھی عمومی ضابطہ کی لائے لَا صَلٰوةَ لِمَنْ لَّمْ يَقْرَأْ بِفَاتِحَةِ الْكِتَابِ جو صحیح تو ہے لیکن صریح بحق مقتدی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

نہیں۔ اس کو دیکھتے ہوئے جماعتِ اہلِ حدیث کے علماء کو بھی یہی راستہ اختیار کرنا مناسب تھا کہ اس بارے میں آیات سے استدلال نہ کرتے۔ اسی میں خیر تھی جطرت سلف صالحینؒ کے راستے پر چلنا ہی دین کی سلامتی ہوتی ہے۔

الحاصل! غور فرمائیں کہ مصنف خیر الکلام فاضل جماعت اہلِ حدیث نے جن تین آیات کو خاص فاتحہ خلف الامام کی دلیل بنایا (اور طرفہ یہ کہ صاحب توضیح الکلام نے تین کی بجائے چار آیات پیش کر کے اپنے استاد محترم سے بھی سبقت لے لی ہے اور ایڑی چوٹی کا زور لگا کر اپنے مدعا کو ثابت کرنے کی سعیٔ لاحاصل کی ہے) کسی اور محدث اور مفسر نے ان آیات کا امامت اور جماعت کے بارے میں نازل ہونا بیان نہیں کیا نہ انھوں نے ان آیات کو فاتحہ خوانی کی دلیل بنایا۔ ان کو چودہ سو سال بعد اس خاص مقام میں پیش کیا گیا ہے اگر استاد اور شاگرد کے اس استدلال میں کچھ جان ہوتی یا ان آیات کو ان کے مُدعا سے کوئی ادنیٰ مناسبت بھی ہوتی تو حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالےٰ ان سے ضرور استدلال کرتے کیونکہ وہ تو معمولی مناسبت سے بھی آیات سے استدلال کر لیتے ہیں لیکن انھوں نے ان آیاتِ قرآنیہ میں سے کسی کو فاتحہ خلف الامام کی دلیل نہیں بنایا۔ بلکہ خاموش گزر گئے ہیں۔

فائدہ! ظاہر یہی ہے کہ احکام شرعیہ کی تشریح براہِ راست صاحبِ شرع کی تعلیم سے ہو۔ خواہ فرائض و واجبات کی تشریع ہو یا سنن اور مستحبات کی ہو۔ تشریع احکام کی اور خاص کر فرائض عملیہ کی ذمہ داری صاحب شرع کی ہے۔ چنانچہ امام اور مقتدی کے رابطہ کے احکام میں فرمایا اذا کبر فکبروا واذا قال غَيْرِ الْمَغْضُوبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّالِّينَ ۔ فَقُوْلُوْا اٰمِيْن۔ اسی سلسلہ میں اذا قرأ فانصتوا بھی فرمایا جیسے کہ مسلم شریف صہ ۱۷۴ ج ۱ میں آچکا ہے۔

اس سلسلۂ بیان میں مقتدی کا وظیفہ بالقصد بیان کیا گیا ہے۔ اس صورت میں شارع علیہ السلام کی ذمہ داری پوری ہو جاتی ہے کیونکہ مقتدی کا وظیفہ ہی زیادہ اہم ہے۔ ایک امام کے پیچھے ہزاروں، لاکھوں تک لوگ شریک جماعت ہوتے ہیں۔ اب دیکھنا یہ ہے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کہ اگر مقتدی کا وظیفہ امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنا ہی ہے اور اس کے سوا نماز ہوتی ہی نہیں تو بتائیں کہ شارع علیہ السلام نے اس کو بصورت صریح ضابطہ کہاں بیان فرمایا ہے؟ اس فریضہ کا بیان صاف، صحیح اور صریح عنوان میں کہاں مروی ہے ؟ اس کے مطابق فرمان تو یوں ہونا چاہیئے تھا: اذا کبر فکبروا واذا قرأ فاقرئوا الفاتحۃ فانہ لا صلوۃ الا بھا۔ حنفیہ کرامؒ نے تو مقتدی کا معمول شرعی قرآن کریم اور صحیح و صریح حدیث وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا ۔ واذا قرأ فانصتوا دونوں سے بتادیا ہے۔ اس کے بعد فریق ثانی سے مطالبہ ہے کہ ان کو مقتدی کا قرأۃ کرنا بصورت ضابطہ تشریعیہ صحیح اور صریح عنوان میں پیش کرنا ہوگا۔ کیونکہ فریضہ کا ثبوت اسی سے ہوسکتا ہے۔ فریضہ بھی ایسا کہ ہر روز ہر مسجد میں پنجوقتہ جماعت کی صورت میں نماز پڑھتے ہوئے اس کی حاجت پڑتی ہے اور آپ کے نزدیک اس کے سوا نماز ہی نہیں ہوتی۔ حالانکہ ہم احادیث پر نظر ڈالتے ہیں تو ملتا یہ ہے کہ کسی نے امام کے پیچھے غلطی سے کچھ قرأت کر لی تو اس پر بھی جناب نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ناراضگی ہوئی پھر آپؐ نے انکاری لہجہ میں فرمایا ایکم قرأ یا ھل قرأ احد منکم یا لعلکم تقرؤن خلف امامکم وغیر ذلک ۔ اس کے بعد فلا تفعلوا الا بفاتحۃ الکتٰب ۔ وغیرہ الفاظ مروی ہیں مگر اس کی کوئی سند صحیح نہیں ہے۔ اگر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے یہ غلطی نہ ہوتی اور وہ یہ غلطی نہ کرتے تو فاتحہ پڑھنے کی تعلیم کہاں سے ہوتی؟ اس کے بارے میں مستقل ضابطہ تو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم کا نقل ہی نہیں کیا جاتا۔ صرف یہ ہے کہ کسی نے قرأت کرنے کی غلطی کی تو اس پر ناراض ہوئے اور پڑھنے سے روکا۔ انصاف کیجئے کہ فرائض کا حق یہی ہے کہ ان کا وجود مرہونِ منت کسی کی غلطی پر ہو۔ شکر کرو کہ کوئی غلطی کر بیٹھا اس میں آپ کا کام نکل آیا۔ اس غلطی کرنے والے کی شکر گزاری بھی کرو کہ اس میں آپ کو ایک فریضہ ہاتھ لگ گیا۔ خاص طور سے یہ دیکھا گیا ہے کہ ایسی روایات جن میں مقتدی کے لیے فاتحہ پڑھنے کا ذکر ہے اتنی ضعیف، کمزور اور شاذ ہیں کہ صحیحین میں ان کو اسی لیے لایا ہی نہیں گیا۔ اسی لیے حنفیہؒ کی جانب سے مطالبہ میں کہا جاتا ہے کہ ایسی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صحیح اور صریح روایت بحق مقتدی بیان کی جائے کہ اس میں مقتدی کو خاص طور سے حکم قراۃ فاتحہ کا دیا گیا ہو۔

الحاصل ہم نے مقتدی کے لیے قرآن اور حدیث سے شرعی ضابطہ صحیح اور صریح پیش کر دیا کہ وہ امام کی قرأت کے وقت خاموش رہے اور صرف سُنے۔ فریق ثانی کو اس کے بالمقابل صریح آیت یا صحیح روایت پیش کرنی ہوگی کہ مقتدی امام کی قرأت کے وقت خود بھی فاتحہ کی قرأت ضرور کرے ورنہ اس کی نماز نہیں ہوگی۔ اس کے بغیر کام نہیں چلے گا آپ اس کے لیے ایجابی امر شرعی پیش کیجئے جیسے ہم نے کیا ہے ایسی دلیل کافی نہیں ہو گی جو خیر الکلام صفحہ ۵ اور توضیح الکلام صفحہ ۱۰۳ میں ہے کہ قرآن میں فاتحہ کو سبع مثانی کہا گیا ہے اور سبع مثانی کا معنی یہ ہے کہ ہر نماز میں اس کو اس طرح دہرایا جائے کہ ہر رکعت میں خواہ نماز فرض ہو یا نفل اس کو پڑھا جائے۔ اس آیت میں مقتدی یا امام یا منفرد میں سے کسی کی تخصیص نہیں۔ سبحان اللہ تعالیٰ۔ آپ اس سے مقتدی پر فاتحہ پڑھنا اور اس کا فرض ہونا ثابت کرتے ہیں۔ آپ کو اس کے لیے صریح امر صاحب شرع کا پیش کرنا ہوگا جیسا کہ ہم نے مقتدی کا فریضہ قرآن و حدیث سے استماع و انصات ثابت کیا ہے اور مزے کی بات تو یہ ہے کہ آپ لوگ وتر کے ایک ہونے کے قائل بھی ہیں اور اسی پر عامل بھی ہیں نماز وتر میں فاتحہ کا دہرانا آپکے ہاں کیسے ہوگا؟ ایک رکعت میں سورۃ فاتحہ تو ایک ہی دفعہ ہوتی ہے دہرائی تو نہیں جاتی۔ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک رکعت وتر پڑھنا ہی غلط عمل ہے بلکہ صلوۃ اللیل مثنیٰ مثنیٰ وقال الترمذی صفحہ ۹ حدیث حسن صحیح کے بھی خلاف ہے۔ نیز ساتھ ہی اس کا جواب بھی دینا ہوگا کہ مثانی کا لفظ تو پورے قرآن کریم پر بھی بولا گیا ہے۔ کِتٰبًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِيَ۔ لہٰذا غیر مقلدین کو چاہیئے کہ امام کے پیچھے ہر رکعت میں سورۃ فاتحہ کے علاوہ بقیہ قرآن بھی پڑھا کریں اور دہرایا کریں تاکہ اس مثانی پر بھی پورا عمل ہو جائے۔ ہمیں آپکے جواب کا انتظار رہے گا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ وجہ تسمیہ صرف نکتہ بعد الوقوع کی حیثیت رکھتی ہے مگر آپ لوگوں نے اس کو تو دلیل ہی بنا لیا۔ بہتر یہی ہے کہ یہاں وہی معنی لیے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

جائیں جو دوسری آیت کِتَابًا مُّتَشَابِهًا مَّثَانِیَ میں لیے گئے ہیں ورنہ ہمیں کہنے کا حق ہے کہ اگر آپ وجہ تسمیہ سبع مثانی سے فرض احکام ثابت کرتے ہیں تو مشکوٰۃ شریف صہ ۸۳ ج ۱ کی حدیث میں ہے: اسوء الناس سرقۃ الذی یسرق من صلوتہ الحدیث۔ بُرا چور وہ ہے جو نماز کی چوری کرتا ہے یعنی قیام رکوع و سجود اور قومہ اور جلسہ وغیرہ پورا نہیں کرتا یہاں ارکان نماز کی کمی کرنے پر سرقہ (چوری) کا اطلاق کیا گیا ہے۔ کیا آپ لوگ یہاں بھی ہاتھ کاٹنے کا حکم دیں گے؟ اگر آپ یہ کہیں کہ قطع ید مال کی چوری میں ہوتا ہے تو ہم کہیں گے کہ اسی طرح قرأۃ فاتحہ صرف امام یا منفرد کے لیے ہے۔ اور اگر آپ یہ کہیں کہ وتروں کی تخصیص روایات کی وجہ سے کی جائے گی، تو ہم کہیں گے کہ اوّلاً کسی صحیح و صریح روایت سے ایک رکعت کا ثبوت ہی نہیں وثانیاً ہم کہیں گے کہ مقتدی کی بھی تخصیص کی جائے گی کیونکہ روایاتِ صحیحہ اس کی مخصص ہیں۔ تعجب ہے کہ مقتدی کے لیے تو نام نہاد اہلِ حدیث یہ حکم محض شارع کے سکوت سے لیتے ہیں دکتے ہیں کسی کی تخصیص نہیں، حالانکہ بالمقابل مقتدی کو صریحاً منع کیا گیا ہے کہ وہ امام کے پیچھے خاموش رہے اس کی قرأت پوری توجہ سے سُنے۔ مثانی کا معنی دُہرانا تو وجہ تسمیہ ہے اس کو حکم شرعی نہیں کہتے وجہ تسمیہ کے لیے صرف مناسبت کافی ہوتی ہے اور حضراتِ حنفیہ صریح حکم شارع علیہ السّلام کا پیش کرتے ہیں۔ کیا آپ کے نزدیک سکوت اور منطوق ایک ہی درجے میں رکھے جاتے ہیں؟ اگر آپ کی قوم ان میں تمیز نہیں کرتی یا ان کی خبر نہ ہونے کی وجہ سے فرق نہیں کر پاتی تو دوسرے اہل علم تو تمیز کرتے ہیں اور فرقِ مراتب جانتے ہیں اسی لیے حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے بخاری میں ایسی فرسودہ اور ناکارہ باتوں کو نظر انداز کر دیا ہے ان کو دلیل نہیں بنایا۔ مقتدی کے لیے فاتحہ پڑھنی کسی صحیح حدیث اور صریح حکم شرعی سے ثابت کرنی ہوگی۔ منع تو فرمانِ خداوندی وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ اور حدیثِ صحیح اذا قرأ فانصتوا سے ثابت ہے اس کے بالمقابل آپ شرعی صریح حجت پیش کریں، پیوند لگانے سے اور ہتھکنڈوں سے کام نہیں چلے گا۔ یہ باتیں اسی لیے کی جاتی ہیں کہ فریقِ ثانی کے علماً اور خطباً لوگوں کو دھوکہ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

دینے کے لیے کہتے رہتے ہیں کہ احناف کے پاس صرف فقہ کی باتیں ہیں اور وہ محض رائے پر چلتے ہیں۔ ہم اہلِ حدیث، حدیث کی اتباع کرتے ہیں۔ اس کے علاوہ یہ لوگ عوام کو تخریب کاری بھی سکھاتے ہیں تاکہ الجھنیں ڈالتے رہیں۔

مزید سنیے! شارع علیہ السلام کی تعلیم مختلف مقامات میں حسبِ مقام ہوئی کبھی انفرادی نمازوں کی تعلیم کا موقع ہُوا تو وہاں فاتحہ کا پڑھنا، ضم سورۃ کرنا پڑھایا اور سکھایا گیا ہے۔ ابوداؤد میں ہے: امرنا رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان نقرأ بفاتحۃ الکتاب وماتیسر۔ فتح الباری ۱۶۵/۲ میں ہے: اسنادہ جید۔ اس کو اگر مقتدی کے بارے میں بھی لے لیا جائے جیسے ابھی صاحب خیر الکلام وصاحب توضیح الکلام کی تقریر میں گزرا (کہ اس میں منفرد، امام مقتدی کی کوئی تخصیص نہیں کی گئی۔) تو مقتدی کو اس حدیث کے پیشِ نظر فاتحہ کے ساتھ سورۃ کے ملانے کا حکم بھی دیا کرو۔ اگر کہو کہ امام کی پڑھی ہوئی سورۃ اس کو بھی مل گئی تو یہ آپ کے استدلال اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کے خلاف ہُوا اور اگر ضم سورۃ اس سے ساقط کرو کہ بحالتِ اقتداء مقتدی سے سورۃ ساقط ہو جاتی ہے تو فاتحہ مقتدی سے بحالتِ اقتداء کیوں ساقط نہیں ہوتی؟ اَمَرَنَا کے تحت تو فاتحۃ الکتاب اور ماتیسر دونوں آرہے ہیں۔ یہ الجھنیں سیدھے راستے کو چھوڑنے سے پیدا ہوئیں اگر اس کو انفرادی نماز کی تعلیم کہہ دیا جائے تو کوئی خرابی لازم نہیں آتی۔ اسی طرح لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتٰب کو بھی لے لیجئے۔ اس لیے ابوداؤد میں راوی حدیث حضرت سفیانؒ بن عیینہؒ ھٰذا لمن یصلی وحدہ فرما رہے ہیں اس کی مزید تشریح اپنے موقع پر ان شاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔

اب آئندہ دلائل کا کچھ تذکرہ آرہا ہے۔ الحمد للہ تعالیٰ حنفیہ کرام کثرھم اللہ تعالیٰ کے پاس قرأت خلف الامام کی ممانعت پر کتاب اللہ اور سنّتِ نبویہ کی روشنی میں دلائل کافی ہیں دلائل بھی صحیح اور قطعی۔ منصف مزاج کے لیے تسکین دِہ اور اطمینان بخش ہیں لیکن ابھی اور دلائل کے ذکر کرنے سے پہلے سابق بیان کردہ قرآنی دلیل وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا۔ کے متعلق کچھ اور معروضات تکمیلِ حجت کے لیے ذکر کرتا ہوں۔ فریق

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ثانی نے محض کج روی سے اس میں رخنہ اندازی کی کوشش کی ہے: وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

گزشتہ عرض کیا گیا تھا کہ اس آیتِ کریمہ کا نزول ہی جماعتِ مفروضہ میں ہوا۔ مقتدی کا حکم بیان کرنا اصل مقصد ہے کہ وہ امام کی قرأت کے وقت خاموش رہے اور سُنے قرأت نہ کرے، زبان کو حرکت نہ دے۔ استماع کامل توجہ سے سننے کو کہتے ہیں۔ سُنتے ہُوئے قرأت کرنا پوری توجہ سے مانع بن جاتا ہے۔ عنقریب اس بات کی پوری تشریح اور تفصیل حضرت امام رازیؒ کے کلام سے پیش کی جائے گی۔ (انشاء اللہ تعالیٰ)

۱: فریقِ مخالف کے بعض حضرات نے یہ چال چلی کہ استماع کرنا، قرأت کرنے کے منافی نہیں ہے مقتدی قرأت کرتے ہوئے مستمع بھی ہے جیسے صاحب توضیح الکلام نے ص۱۱۱-۱۱۲ میں ثابت کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ حیلہ سازی حضرت امام رازیؒ کی بیان کردہ تحقیق کے خلاف قابلِ سماعت نہیں بلکہ مردود ہے۔ اس کی تردید مزید بھی انشاء اللہ تعالیٰ اپنے موقع پر آنے والی ہے۔

۲: فریقِ ثانی کے بعض جلد بازوں نے یہ کہہ دیا کہ یہ آیتِ کریمہ جمعہ اور عیدین کے خطبوں کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ خطیب کی آواز سننے والوں کو چاہیئے کہ خاموش رہیں۔ اس میں نماز کا مسئلہ ہی نہیں۔ چنانچہ بعض روایات میں فی الخطبۃ آیا ہے۔

۳: بعض تو یہاں تک پہنچے کہ یہ آیت کفار کے بارے میں ہے ان کو کہا گیا ہے کہ قرآنِ کریم کو خاموشی سے سُنو اور اس کے لیے انھوں نے قرائن بھی بیان کیے اور اسی میں انھوں نے امام رازیؒ کا سہارا لینے کی کوشش بھی کی۔ اس کی بھی تردید کی جائیگی اور قرائن بیان کردہ کا مناسب حل بھی انشاء اللہ تعالیٰ آنے والا ہے۔

۴: بعض حضرات نے کہا کہ مقتدی کو ممانعت صرف اونچا پڑھنے سے ہے۔ خفیہ قرأت کرنا ممنوع نہیں۔ استماع قرأت کے ساتھ جمع ہو سکتا ہے۔ قالہ البیہقیؒ وصاحب توضیح الکلام۔

۵: بعض غیر مقلدین نے کہا کہ آیت کریمہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ الآیۃ کے بعد والی آیتِ کریمہ وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَۃً میں خفیہ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

قرأت کی مقتدی کیلیے اجازت آئی ہوئی ہے۔ توضیح الکلام ص۱۱۱ میں بھی اسی آیت سے یہی استدلال کیا گیا ہے مگر یہ سب حیلے بہانے آیتِ کریمہ کی زد سے بچاؤ کے پیے تراشے گئے ہیں تاکہ فاتحہ خلف الامام کی گنجائش نکل سکے۔ لیکن مشہور ہے: لن یصلح العطار ما افسد الدھر بگڑی ہوئی چیز کیسے بنے اور اسے کون بنائے ہاں گرچہ فاتحہ خلف الامام کی کوئی صورت بھی صحیح سلامت نہیں بنتی لیکن اس میں مختلف تجاویز پیش کی جاتی ہیں۔ ہر تجویز دوسری کی مخالف ہے اتفاق کسی پر نہیں بنتا۔ لیکن تعجب تو مصنف خیر الکلام فاضل جماعت اہلِ حدیث کے رویے پر ہے کہ وہ سب کو اپنا رہے ہیں۔ اقوالِ مختلفہ متضادہ سب کو تھیلے میں ڈالے ہوئے ہیں کیونکہ ان کا مقصود احناف کی مخالفت ہے اور یہ بات قدرِ مشترک سب میں پائی جاتی ہے۔ لیکن اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ ہم نے جس جس رائے کو جن جن وجوہ سے رد کیا وہ تردیدی وجوہ سب کے سب ان کے توشہ دان میں جمع ہو جائیں گے اور وہ ان سب کے جواب دہ اور مسئول ہوں گے۔ خیر سے یہ بار اب تو ان کے کسی شاگرد پر پڑ کر رہے گا۔ بلائے زمانہ برسر دیوانہ والی بات بن جاتی ہے۔ دیکھیئے (۱) کسی نے قرأت خلف الامام اول سکتہ میں کہی۔ (۲) کسی نے دوم سکتہ میں کہی جو ولا الضالین کا ہے۔ (۳) کسی نے آخری سکتہ میں تجویز کی۔ (۴) کسی نے ساتھ ساتھ پڑھنا ہی کہا مصنف خیر الکلام نے ص۳۹۷ میں کہا کہ ہمارے نزدیک سب جائز ہیں۔ اس طرح جتنے اعتراضات ہر ایک پر کیے جائیں گے کل جمع ہو کر ان کے سر میں بھی لگیں گے۔ متعدد اور مختلف بوجھ جب ایک کے سر پر ڈال دیئے جائیں تو دردِ سر بن کر خاصی مصیبت ہی بن جاتی ہے۔ لیکن یہ سب کچھ انھوں نے خود ہی کیا۔ ہر غلط راستے کو اپنایا۔ شاید اپنی قوم جماعت اہلِ حدیث کو خوش کرنا مقصد ہوگا کہ میں نے احناف کے خلاف اتنا مواد جمع کر لیا ہے۔ تم دوسروں پر تیر پھینکتے جاؤ لیکن نہیں جانتے کہ شاید یہ وبالِ جان ہی بن جائے۔ اس کلام سے قارئین کرام کو یہ بھی اندازہ ہو گیا ہوگا کہ احناف کے بقیہ دلائل کا بیان اس پہلی دلیل کے متعلقات بیان کرنے کے بعد ہوگا۔ واللہ المستعان۔

انشاء اللہ تعالیٰ ہر ایک کا بیان بقدرِ ضرورت اپنے اپنے موقع پر آجائے گا۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

الدلیل الاوّل للانصات عند قراٰتہ

بیان شان نزول آیت کریمہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا

حضرت مفسّر کبیر علامہ ابن کثیرؒ نے اپنی تفسیر ص۱۸۲-۱۸۱ ج۲ میں حضرت ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ اور عبداللہؓ بن مغفل سے اس کا شانِ نزول نزلت فی الصلوٰۃ المکتوبۃ اوالمفروضۃ نقل کیا ہے۔ ہاں حضرت ابن عباسؓ سے نزلت فی الخطبۃ بھی نقل کیا ہے۔ یعنی جمعہ اور عیدین کے خطبہ کے بارے میں نزول ہوا کہ خطبہ پڑھا جائے تو حاضرین کو واجب ہے کہ نہایت خاموشی سے سنیں۔ لیکن یہ بات سب ہی جانتے ہیں کہ یہ آیتِ کریمہ مکی ہے ہجرت سے پہلے کی نازل شدہ ہے اور نماز جمعہ کی ادائیگی اور عیدین کی مشروعیت بعد الہجرۃ مدینہ منورہ میں ہوئی۔ ہاں نماز باجماعت کی مشروعیت اوائل زمانہ نبوت میں ہوئی جس کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ اس لیے حقیقی معنوں میں نزول تو جماعت کے مسئلہ میں ہی کہا جاسکتا ہے اور جماعت میں امام اور مقتدی ہوتے ہیں آیت کریمہ میں امام کو ضمنی طور سے ذکر کیا گیا: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ بصیغہ مجہول ذکر کرنا اسی کی نشان دہی کر رہا ہے کہ اصل مقصد مقتدی کا حکم بیان کرنا ہے۔ کہ امام کی اقتداء کرنے والوں کو چاہیئے کہ امام کی قراٰت کے وقت وہ کامل خاموشی اختیار کریں اور پوری توجہ سے سنیں۔ اور امام کی طرف متوجہ رہیں خود نہ پڑھیں۔ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا کا یہی معنی ہے۔ ہاں جمعہ اور عیدین کے خطبہ سننے والوں کو بھی یہی ہدایت ہے کہ جب خطیب خطبہ میں کلام الٰہی پڑھے یا حدیثِ نبوی کا بیان اور تذکرہ کرے تو لوگوں پر واجب ہے کہ ایسے وقت نہ ذکر و اذکار میں مشغول ہوں اور نہ تلاوت کریں۔ ان کا فریضہ وقت استماع و انصات بحکم کلام الٰہی یہی ہے۔ شاید اسی مقصد کے لیے صیغہ مجہول وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ لایا گیا ہے تاکہ یہ حکم امام کے علاوہ خطیب کو بھی شامل ہو جائے۔ معلوم ہوا کہ اس میں ادب و احترام قرآن حکیم کی قراٰت کا بتایا اور سکھایا گیا ہے۔ حضرت مفسر ابن جریرؒ نے بھی اس آیتِ کریمہ کا شانِ نزول یہی صلوٰۃ مکتوبہ ہونا فرمایا ہے مزید تفصیل بھی کی ہے اسی طرح مفسر کبیر حضرت ابوالسعودؒ کا قول تفسیر کبیر ص۳۷۶ ج۳ کے حواشی میں نقل کیا قال جمھور الصحابۃ علیٰ انہ فی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

استماع المؤتم۔ یعنی جمہور حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا فرمان ہے کہ یہ آیتِ کریمہ مقتدی کے بارے میں ہے اور اس کو استماع و انصات کا حکم دیتی ہے۔ یہی بات حضرت محدث کبیر امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ بتا رہے ہیں۔ کتاب نسائی ص۱۴۶ ج۱ میں ہے:
باب تأويل قول الله عز وجل وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا۔ ذکر فرما کر حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی وہ حدیث پیش کی جو عن ابی خالد الاحمر عن محمد بن عجلان کے طریقہ سے مروی ہے۔ اس میں ہے: انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا واذا قرأ فانصتوا واذا قال ولا الضالين... الخ۔ قال ابن عيينة كان محمد بن عجلان ثقة ماموناً في الحديث۔ اور ابوخالد احمر سلیمان بن حیان بخاری شریف کا ثقہ راوی ہے۔ بخاری ص۲۶۴ ج۱ البتہ امام بخاریؒ نے اس کی تدلیس کا شبہ کیا ہے اراہ یدلس۔ اسی طرح امام ابوداؤدؒ بھی اس میں شبہ کرتے ہیں، لیکن اس کا متابع نسائی شریف کی روایت میں موجود ہے: حدثنا ابوسعيد محمد بن سعد الانصاري حدثني محمد بن عجلان عن زيد بن اسلم عن ابي هريرةؓ اور محمد بن سعد انصاری کی توثیق محمد بن عبد اللہ بن المبارک المعروف بالمخرمی نے کی ہے۔ نسائی میں ہے: قال المخرمي هو ثقة وثقه ابن معينؒ
یہ مخرمی بخاری ص۷۹۵ ج۲ کا راوی ہے۔ یہ مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کی نسل میں سے ہے اور محمد بن عجلان کے متعلق ترمذی ص۹۹ اور ص۵۶۱ میں توثیق فرما چکے ہیں۔ اس باب میں اس حدیث کے لانے میں حضرت امام نسائی بتا گئے ہیں کہ آیتِ کریمہ اِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ کا اصل نزول مسئلہ امامت ہی ہے اور وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا، کا فرمودہ جملہ حدیث میں اسی آیتِ کریمہ سے لیا گیا ہے۔ گویا یہ حدیث شریف اس آیت سے ماخوذ ہے۔ باب تاویل کا یہی معنی ہے۔ تاویل کا معنی مصداق اور تفسیر ہے هٰذَا تَاْوِيْلُ رُؤْيَايَ میں بھی یہی معنی ہے۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کے متعلق جس میں اذا قرأ فانصتوا کا جملہ مروی ہے۔ بعض حضرات امام ابوداؤدؒ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

وغیرہ اس کی صحت میں شک کرتے ہیں لیکن امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ کا فرمان صحیح مسلم ص۱۷۴ میں اس کے متعلق مروی ہے ھو عندی صحیح۔ مزید تفصیلی بیان حدیث کے موقع پر انشاء اللہ تعالیٰ آنے والا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ حضرت امام مسلمؒ کا درجہ امام ابوداؤدؒ سے فائق ہے۔ نخبۃ الفکر میں ہے: لتقدمهما (بخاریؒ ومسلمؒ) فی معرفة الصحیح عن غیرهما۔ تدلیس کا شبہ بھی رفع ہو گیا کہ متابع صحیح موجود ہے۔

الحاصل: آیتِ کریمہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کا مقصد نزول جماعت کی نماز میں مقتدی کا وظیفہ بیان کرنا ہے۔ تفسیر ابن کثیر، ابن جریر اور ابوالسعودؒ کی شہادت پیش ہو چکی ہے۔ حضرت امام نسائیؒ کی تائید مزید بھی آ چکی ہے۔ امام مسلمؒ کا فرمان بھی معلوم ہو چکا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جس کسی نے جمعہ و عیدین کے بارے میں نزول کہا ہے وہ صرف اس کے لفظی عموم سے مسئلہ لیا گیا ہے کیونکہ جمعہ اور عیدین بوقتِ نزول آیتِ کریمہ یعنی قبل از ہجرت پڑھے نہیں گئے۔ اس بات کو مصنف خیر الکلام فاضل جماعت اہلِ حدیث بھی تسلیم کرتے ہیں۔ خیر الکلام ص۳۴۸ (ظاہر ہے کہ جمعہ اور عیدین کا حکم ہجرت کے بعد کا ہے اور آیت مکی ہے)

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ المتوفی ۱۱۷۶ھ "الفوز الکبیر" ص۲۲ پر فرماتے ہیں:

والذی یظهر من استقراء الصحابة والتابعین انهم لا یستعملون نزلت فی کذا المحض قصة کانت فی زمنه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم وهی سبب نزول الآیة بل انما یذکرون بعض ما صدقت علیه الآیة ما کان فی زمنه صلی اللہ تعالیٰ علیه وسلم او بعده ویقولون نزلت فی کذا۔

اس سے معلوم ہو گیا کہ جس کسی نے اسے نزلت فی الخطبة کہا ہے وہ مجازی انداز میں کہا ہے کہ جمعہ و عیدین کے خطبوں کے سننے والوں کا حکم بھی اسی آیتِ کریمہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا سے معلوم ہو جاتا ہے کیونکہ اس کے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

[illegible] لہ افادۃ للتعمیم ۔

[illegible] مقرار کر لیا کہ آیت مکی ہے اور جمعہ و عیدین [illegible] اقرار کرنا تھا کہ آیتِ کریمہ نماز کے بارے میں نازل [illegible] مطلب ہے کہ مقتدی کو امام کی قرأت کے وقت استماع اور انصات کرنا چاہیے [illegible] معدوم [illegible] پڑھنا مناسب تھا لیکن انھوں نے اس کے باوجود قوم کو اندھیرے میں رکھا ہے۔ بات گول مول کر دی۔ کہتے ہیں کہ (نماز کو جمعہ اور عیدین پر ترجیح نہیں، مزیت نہیں) یہ سب کچھ حنفیہ سے ضد و عناد میں کیا گیا۔ آپ جانتے ہیں کہ نماز کی جماعت ابتداء زمانہ نبوت سے مشروع چلی آتی ہے۔ اس کا مسئلہ بیان کرنا فریضۂ وقت ہے اس کے احکام سے اطلاع دینا قانونِ حکمت کا تقاضا ہے کہ کلامِ الٰہی پڑھا جائے تو نہایت خاموشی اور پوری توجہ سے اس کی طرف متوجہ رہنا چاہیئے اور جمعہ و عیدین اس وقت موجود ہی نہ تھے۔ اس وقت ان کے احکام بیان کرنے کا کیا معنی؟ مصنف خیر الکلام کہتے ہیں کہ نماز کو جمعہ و عیدین پر کیا ترجیح ہے؟ فرمائیے کیا موجود اور معدوم برابر ہوتے ہیں؟ لوگ تو النقد خیر من النسیئة کہا کرتے ہیں مگر آپ فرق ہی نہیں کرتے۔ سبحان اللہ تعالیٰ۔ بالفرض مان لیجئے کہ یہ خطبہ کے بارے میں نازل ہے لیکن نزول کا مقصد تو یہی ہے کہ خطیب خطبہ میں قرآن کریم کی آیات تلاوت کرتا ہے، احادیث نبویہ بیان کرتا ہے تو لوگوں کو ہدایت کی گئی کہ قرآنی آیات کا ادب و احترام کرنا بوقت تلاوت مسلمان کا فریضہ ہے اور ادب یہی ہے کہ نہایت خاموشی اور پوری توجہ سے سنا جائے اس وقت اور کوئی چیز نہ پڑھی جائے۔ جب خطبہ میں قرآن کے سماع کا یہ فرمودہ ادب ضروری ہوا تو نماز میں جب امام قرأت کرتا ہے وہاں بھی یہی ادب کرنا ضروری ہوگا۔

حضرت حافظ ابنِ تیمیہؒ نے تو فرمایا کہ مقتدیوں کا رابطہ امام سے، خطیب و قوم کے رابطہ سے زیادہ قوی ہوتا ہے، مقتدی امام کے ساتھ جکڑے ہوئے ہوتے ہیں۔ خطبہ سننے والے ایسے نہیں ہوتے۔ لہٰذا ان پر انصات اور استماع بطریقِ اولیٰ واجب ہوگا بلکہ حافظ ابنِ تیمیہؒ نے تو امام کے پیچھے جہری نمازوں میں قرأت کرنے والوں کو نہایت ہی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

تشدد سے منع کیا ہے۔ فیض الباری ص۲۰۳ ج۲ میں ہے : قال الحافظ ابن تیمیہؒ فی فتاواہ اِن الذی یقرأ خلف الامام وھو یجھر بالقرأۃ کَمَثَلِ الحِمَارِ یَحْمِلُ اَسْفَارًا۔ رہا غیر مقلدین کا یہ کہنا کہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ۔ بخاری شریف کی حدیث ہے ہم اس کو مدنظر رکھ کر پڑھتے ہیں تو یہ ایک مغالطہ ہے جس میں عوام کو پھنسایا ہوا ہے۔ کیا علامہ ابن تیمیہؒ اس کو نہیں جانتے تھے۔ اس کی پوری بحث اپنے موقع پر آئے گی ۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

اصل بیان یہ ہورہا تھا کہ اس آیتِ کریمہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ کا شانِ نزول یعنی اصل مقصد صلوٰۃِ مفروضہ کی جماعت کا مسئلہ بیان کرنا ہے مفسر ابن کثیرؒ اور ابن جریرؒ نے اس کو حضرت ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ کے علاوہ حضرت مجاہدؒ سعیدؒ بن جبیرؒ ضحاکؒ، ابراہیم نخعیؒ، زہریؒ، سعیدؒ بن المسیبؒ، قتادہؒ سے بھی یہی نقل کیا ہے۔ اسی طرح امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ سے بھی نقل گزر چکی ہے۔ مفسر ابن کثیرؒ نے مزید حضرت عبیدؒ بن عمیرؒ اور حضرت عطاؒ بن رباحؒ سے نقل کیا ہے کہ وہ کسی قاری کی قرأت سنتے ہوئے آپس میں باتیں کر رہے تھے کسی نے ان سے کہا تو انھوں نے فرمایا: انما ذٰلک فی الصلٰوۃ یعنی خاموشی کا حکمِ وجوبی تو نماز میں ہے۔ خارج میں ضروری باتیں منع نہیں ہیں۔ اسی طرح حضرت امام شعبیؒ سے بھی نقل کیا ہے۔ ان حضرات کے اقوال سے معلوم ہوا کہ نماز اور خطبے کے علاوہ احوال میں انصات کا حکم صرف استحباب کے درجے میں ہے ضروری باتیں منع نہیں ہیں۔

اس کے بعد آپ خیر الکلام اور توضیح الکلام میں پیش کردہ آیات کی طرف نظر کریں جو دونوں صاحبوں نے قرأت خلف الامام کے دلائل میں لکھی ہیں اور ان سے پوچھیں کہ بتائیں کہ کس کس صحابی، تابعی، مفسر، محدث نے ان سے فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ نکالا ہے اور ان سے استدلال کیا ہے۔ ہماری پیش کردہ آیات تو ان سب حضرات کا مستدل ہے اور وہ اس کو قرأت خلف الامام کی ممانعت کی دلیل ہی بنا رہے ہیں جب امام جہر سے قرأت کرے تو ان مذکور حضرات میں سے کوئی بھی مقتدی کو قرأت کرنے کی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اجازت نہیں دیتا۔

صاحب خیر الکلام کی اُلٹی چال

آپ نے ابھی درجن سے زائد حضرات صحابہ کرامؓ، تابعین عظامؒ، حضرات محدثینؒ و مفسرینؒ کے نام دیکھے سُنے کہ وہ سب اس آیت کریمہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ کا اصل مصداق اور محلِ جماعت سے نماز پڑھنے کا حکم بیان کرنا بتا رہے ہیں۔ بلکہ حضرت مفسر ابوالسعودؒ تو جمہور الصحابہؓ کا یہی فیصلہ بتا رہے ہیں۔ جمہور الصحابة علیٰ انه فی سماع المؤتم۔ یعنی عام حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کا مختار یہی ہے کہ یہ آیتِ کریمہ مقتدی کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اس کو یہی حکم دیتی ہے کہ امام کے پیچھے خاموش رہ کر سُنا کرو۔ اس سے معلوم ہو جاتا ہے کہ امام کے ساتھ ساتھ جہری نمازوں میں پڑھنا ممنوع ہے۔ استماع مأمور واجب کے خلاف منہی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب کسی صحابی نے مقتدی ہو کر کچھ پڑھا تو اس پر انکار کیا گیا یہ انکار نفسِ قرأت پر کیا گیا ہے کہ وہ ممنوع تھی۔ اسی وجہ سے بقول امام ترمذیؒ حضرت امام زہریؒ نے فرمایا: فانتهى الناس عن القرأة مع رسول الله صلى الله عليه وسلم یہی جمہور الصحابة علیٰ انه فی سماع المؤتم کا نتیجہ ہے۔ ان واضح حقائق کو دیکھتے ہوئے جماعت اہل حدیث کے فاضل مصنف خیر الکلام کے رویہ پر افسوس ہوتا ہے کہ علم اور انصاف کی ذمہ داری کو بالائے طاق رکھتے ہوئے جمہور اکابرین سلف صالحینؒ مذکورین کے صحیح مسلک کو بلا وجہ پس پشت ڈال کر اس کے خلاف چلنے کو پسند کیا۔ چنانچہ خیر الکلام ۳۴ میں لکھتے ہیں: معلوم ہوتا ہے کہ خطاب تو کفار کو ہے (یعنی فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کا) مگر عموم علّت کی وجہ سے نمازی بھی داخل ہیں۔ لاحول ولا قوۃ الا باللہ۔ اس کو گنگا اُلٹی بہنا کہا جائے تو کیا بعید ہے۔ حنفیہؒ کرام کے خلاف کہیں سے گری پڑی چیز مل جائے آنکھیں بند کر کے تھیلے میں ڈال لیتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ کثرتِ رائے کس جانب ہے ید الله علی الجماعة کا فرمان بھی بھول گئے۔ دیکھئے باوجود غیر مقلد ہونے کے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اس بات میں امام رازیؒ کی تقلید کر ہی بیٹھے اور دوسری طرف محدث کبیر امام نسائی اور حضرات مفسرین کرام ابن کثیر، ابن جریر رحمہم اللہ تعالیٰ کی آرار جلیلہ منفقۃ البیان کو چھوڑ گئے۔ اپنے کو اہلِ حدیث کہتے ہیں اور حقیقت میں تمام محدثین مفسرین سے کٹے ہوئے ہیں۔ قوم کو اندھیرے میں ڈال رہے ہیں۔ قوم بھی سوچتی نہیں۔ پس اپنی جماعت والوں کی تقلید کرتے ہیں خواہ کتنی ہی عقل اور نقل سے بعید بات ہو۔ اگر آپ کو حنفیوں سے چڑ ہے اور ان کے خلاف ہی چلنا ہے تو مذکورہ بالا حضرات محدثین مفسرین کے خلاف ایک شخصی رائے کو آپ نے کیوں ترجیح دی؟ یہ حضرات حنفی تو نہیں تھے مگر آپ کی جماعت کا تو اصول ہی یہی ہے کہ اپنی کہے جاؤ اور کسی کی نہ مانو۔ یہ بات میں نے بدگمانی سے نہیں کی بلکہ حقیقتِ حال یوں ہی ہے۔ غیر مقلدین کو یہ سکھایا جاتا ہے کہ امام کے ساتھ جہری نمازوں میں فاتحہ پڑھا کرو کیونکہ لا صلٰوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب۔ حدیث میں آیا ہوا ہے جماعتِ اہلِ حدیث کا یہی معمول ہے۔ فاتحہ خلف الامام کے قائلین کے نام بھی یاد کرا دیتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ جمہور محدثین کرامؒ کے ارشادات اس کے خلاف ہیں۔ وہ جہری نمازوں میں امام کے ساتھ قرأت کے قائل نہیں بلکہ وہ اس کو گناہ اور بے ادبی سمجھتے ہیں۔ امام بخاریؒ اگرچہ فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں لیکن وہ اس کا پڑھنا سکتات میں بتاتے ہیں جزء قرأت للبخاریؒ ص۱۳ پر دیکھئے۔ فرمایا: انا نستعمل قول اللہ فانصتوا۔ نقول یقرأ خلف الامام فی السکتات۔ یعنی امام کے پڑھتے وقت انصات کرے ہاں اس کے بعد سکتے کے وقت پڑھا کرے۔ امام بخاریؒ کے بیان سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ بھی اس آیت کریمہ کا نزول جماعت کے مسئلہ کے بارے ہی میں کہتے ہیں جیسے جمہور محدثینؒ اور مفسرینؒ کا قول ہے اس بیان سے صاف معلوم ہوا کہ امام بخاریؒ جماعت اہلِ حدیث کے رویّہ کے خلاف ہیں۔ امام کے ساتھ ساتھ مقتدی کو پڑھنا نہیں بتاتے۔ حضراتِ شافعیہ بھی عموماً آمین کے سکتہ میں پڑھنا بتلاتے ہیں اور بعض اوّل سکتہ میں پڑھنا تجویز کرتے ہیں۔

حافظ ابنِ حجرؒ امام کے ساتھ ساتھ پڑھنے کو ارتکاب منہی عنہ فرماتے ہیں۔ عنقریب ان کا کلام نقل کیا جائے گا۔ امام ترمذیؒ بھی محدثین شافعیہؒ کا عمل سکتات میں پڑھنا فرماتے ہیں۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ترمذی ص ۴۲ پر ہے : واختار اهل الحديث ان لا يقرأ الرجل اذا جهر الامام بالقرأة وقالوا يتبع سكتات الامام ۔ یعنی جب امام جہر سے قرأت کرے تو اس کے ساتھ مقتدی قرأت نہ کرے ۔ ہاں سکتہ کے وقت پڑھ لیا کرے ۔ سکتہ میں پڑھنے کا مسئلہ عنقریب انشاء اللہ تعالیٰ آئے گا ۔ کہ اس میں کتنے اشکال ہیں کہنا تو آسان ہے لیکن عمل مشکل ہے ۔ امام ترمذیؒ نے امام زہریؒ کا فرمان بھی اسی طرح نقل کیا ہے : قال الزهرى فانتهى الناس عن القرأة خلف الامام فيما جهر به [illegible] حين سمعوا ذلك من رسول الله صلى الله تعالىٰ عليه وسلم ۔ بہر حال اس سے معلوم ہو گیا کہ غیر مقلدین جو اپنے آپ کو اہلِ حدیث کہتے ہیں ۔ ان کا عمل سب محدثین کرامؒ کے خلاف ہے ۔ ان کی غلط چال ہے جو قوم کو سکھائی گئی ہے ۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے تو نہایت سختی سے یہ فرمایا کہ وہ لوگ جو امام کے ساتھ جہری نمازوں میں قرأت کرتے ہیں، وہ كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ اَسْفَارًا کا مصداق ہیں ۔ حوالہ گزر چکا ہے ۔ امام موصوف حنفی نہ تھے ۔ لیکن قرآن وحدیث اور تعامل صحابہ کرامؓ کو دیکھ کر حق گوئی فرما گئے ۔ لیکن علماء اہلِ حدیث قوم کو پڑھا گئے کسی کی نہ سنو یہ عمل کرتے جاؤ اگر کسی نے پوچھا تو کہہ دینا کہ ممانعت جہر سے قرأت کرنے کی ہے ۔

مصنف خیر الکلام فاضل اہلِ حدیث ص ۴۷ میں لکھتے ہیں : اگر یہ آیت نماز کے لیے ہے تو کلام مشوش اور شور وغل کی ممانعت اس کا شانِ نزول ہے ۔ سبحان اللہ تعالیٰ اور ص ۳۴۷ میں لکھا ۔ ہو سکتا ہے کہ مقتدی کو امام کے پیچھے جہر سے روکا گیا ہو یا شور ڈالنے سے یا کلام کرنے سے منع کیا گیا ہو ۔ (نعوذ باللہ تعالیٰ)

جنابِ من ۔ آپ کی یہ باتیں شاید آپ کی جماعت والے قبول کر لیں ۔ باوجود غیر مقلد ہونے کے آپ کی عقیدت کی وجہ سے آپ کی تقلید کریں یا اور کوئی عقل دشمن ان کی تصدیق کرے یہ ممکن ہے مگر ہم تو یہ کہتے ہیں کہ یہ زہر آلود لقمہ ہے جو ناواقف لوگوں کو کھلایا گیا ہے ۔ فریب کاری کے علاوہ بہ "دروغ گو را حافظہ نباشد" والی بات بھی ہے ۔

اے آپ استمعوا لہ وانصتوا کی زد سے بچنے کے لیے یہ حیلہ سازیاں کر رہے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہیں اور خیر الکلام ص۳۶ میں ہے : یہ آیت جس میں انصات کا حکم ہے مکی ہے اور آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ نماز میں کلام کرنا مدینہ میں منع ہوا کیونکہ جس آیت میں کلام کرنے سے ممانعت ہے وہ قُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِیْنَ ہے جو مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی۔ اب فرمائیں کہ جب کلام کرنے ممانعت مدینہ میں کی گئی تو انصات والی آیت جو مکی ہے قبل از ہجرت نازل ہوئی اس میں کلام سے ممانعت کا آپ نے ذکر کیسے کر دیا ؟ جیسے کہ آپ نے ص۳۴۷ پر لکھا ہے۔ یا کلام کرنے سے منع کیا گیا اور خیر الکلام ص۴۰ میں لکھتے ہیں۔ ظاہر ہے کہ زمخشری اور قاضی بیضاویؒ نے نماز میں کلام کی ممانعت کے متعلق اس کا ذکر کیا، علامہ زمخشری کی یہ بات تو آپ کے قول کے خلاف ہے۔ وہ کلام سے ممانعت قبل از ہجرت والی آیت استماع و انصات کے حکم سے بتا رہے ہیں۔ آپ اس سے استدلال کیسے کر رہے ہیں ؟ آپ نے تو مدینہ میں کلام سے ممانعت کا حکم بیان کیا ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ صاحب کشاف اس کو قیل کے عنوان سے ذکر کر رہے ہیں۔ مجہول کا صیغہ تمریض کی طرف اشارہ ہوتا ہے کہ یہ قول ضعیف ہے اس کو علامہ زمخشری نے اختیار نہیں کیا ان کی عبارت خیر الکلام ص۴۰ میں یہ نقل کی گئی ہے۔ قیل کانوا یتکلمون فی الصّلوٰۃ فنزلت۔ ایک ضعیف مردود قول کو آپ نے مطلب سازی کے لیے لے لیا ہے اور اس کا سہارا لے کر آیت میں احتمال پیدا کر دیا ہے اور ص۳۴۷ میں آپ لکھتے ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ جہر سے روکا ہو یا کلام کرنے سے منع کیا ہو ابھی گزر چکا۔ آپ کے ہاں کھرے کھوٹے کی تمیز نہیں جو چیز ملی تھیلے میں ڈال لی۔ آپ کا گواہ آپ کے خلاف بیان دے رہا ہے۔

۲ آپ نے کہا ہو سکتا ہے کہ جہر سے روکا ہو یعنی فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کا حکم جہر سے روکنے کے لیے آیا ہے کہ امام کے پیچھے جہر نہ کیا کرو۔ سبحان اللہ۔ اپنا نام اہلِ حدیث کا رکھتے یا لیتے ہو اور حدیث کی سمجھ نہیں۔ یا سمجھتے ہوئے کج روی اختیار کرتے ہو۔ دیکھئے ترمذی شریف ص۷۲ میں حدیث ہے : عن ابی هریرۃ ان رسول الله صلی الله تعالٰی علیه وسلم انصرف من صلوٰۃ جهر فیها بالقرأۃ فقال هل قرأ معی احد منکم آنفا۔ فقال رجل نعم

یارسول اللہ ۔ قال انی اقول مالی انازع القرآن ۔ قال فانتھی الناس عن القرأۃ مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فیما یجھر فیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ۔ یعنی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی جہری نماز سے فارغ ہوتے ہی فرمایا: کہ کیا کسی شخص نے میرے ساتھ قرأت کی ہے ایک شخص نے کہا جی ہاں میں نے پڑھا تھا۔ آپؐ نے فرمایا کہ میں دل میں کہہ رہا تھا کہ میرے ساتھ کیوں قرأت میں جھگڑا ہو رہا ہے۔ آپؐ کی اس ناراضگی کو سن کر لوگ ساتھ پڑھنے سے رک گئے۔

غور فرمائیں کہ اس شخص نے کیا قرأت جہر سے کی تھی کہ آپؐ ناراض ہوئے۔ اگر جہر سے پڑھا ہوتا تو ھل قرأ معی احد کیوں فرماتے؟ ایسے وقت تو ایحکم جھر بالقرأۃ کہا جاتا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس نے خفیہ اور سراً پڑھا تھا۔ جب کہ وہ بھی ممنوع فعل تھا اور فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا اور وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا کے خلاف تھا اس مکروہ فعل سے ناراضگی ہوئی اسی کو منازعت سے تعبیر فرمایا گیا کہ قرأت کرنا امام کا وظیفہ ہے۔ مقتدی کا کام تو خاموشی سے سننا ہے اس شخص نے غصبِ منصب کیا یہی جھگڑا بنا۔ یہ کہنا غلط ہے کہ جہر سے روکا گیا، شور وغل سے منع کیا گیا۔ کیا یہاں شور وغل ہوا تھا؟ اور سنیے! حضرت جبریل علیہ السلام جب وحی لا کر قرآن کریم پڑھا کرتے تھے تو ساتھ ساتھ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بھی پڑھا کرتے تھے بعد میں اس سے آپؐ کو روک دیا گیا فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ نازل ہوا۔ جس کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ نے استمع وانصت سے کی ہے آپ نے ساتھ ساتھ پڑھنا ترک کر دیا۔ یہی انصات اور استماع کے الفاظ سورۃ الاعراف کی آیت کریمہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا میں وارد ہیں۔ یہاں بھی یہی معنی ہونگے۔ حضرات صحابہ کرامؓ نے یہی معنی سمجھے تھے جس کے بارہ میں فانتھی الناس عن القرأۃ مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آیا ہوا ہے۔ مگر صاحبِ خیر الکلام کہتے ہیں کہ جہر کرنے سے روکا گیا ہے شور وغل سے منع کیا گیا ہے۔ ع

بریں عقل و دانش بباید گریست

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ایک جگہ یہ لکھا کہ حضرات صحابہ کرامؓ ساتھ پڑھنے سے رک گئے۔ لیکن اس میں سکتوں میں پڑھنے کی نفی نہیں نکلتی۔ اوّل تو یہ بات ہی غلط ہے۔ کیونکہ سکتے فاتحہ پڑھنے کے لیے نہیں بلکہ سبحٰنک اللّٰھم اور آمین پڑھنے کے ہیں۔ مان بھی لیں تو پھر آپ بھی قوم کو یہی تعلیم دیں جو آپ نے سمجھی کہ سکتوں میں پڑھا کرو۔ آپ کی قوم سب ساتھ ساتھ پڑھتی ہے۔ کیا صحابیؓ کے پڑھنے سے تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ناراض ہونے اور آپ لوگوں کو رخصت دے گئے؟ روایت لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب تو ان حضرات کے علم میں بھی تھی، پھر وہ کیوں رک گئے؟ مزید تردید سکتوں کے بیان میں انشاء اللہ تعالیٰ آئے گی۔

جب حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو آپ کی خفیہ قرأت سے روکا گیا اور اسی کو اتباعِ قرآن فرمایا گیا تو اور کسی کو کیسے خفیہ قرأت کی اجازت ہو سکتی ہے؟ خصوصاً حضرت مفسر ابن کثیرؒ (تفسیر ص۲۸۰ ج۲ میں) اس کی حکمت ادب اور احترام قرآنِ کریم بیان کر رہے ہیں۔ ممانعتِ قرأت کی تعلیل تعظیمًا واجلالًا للقرآن ۔ الیٰ قولہ۔ ویتأکد ذٰلک فی الصلوٰۃ بیان فرما گئے ہیں اور یہی بات امام رازیؒ کی تفسیر سے مفہوم ہوتی ہے جس کو مصنف خیر الکلام نے نقل نہیں کیا۔ انھوں نے فرمانِ الٰہی فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا کی تفسیر میں نہایت محققانہ انداز میں لکھا کہ قاری قرآن کی قرأت کے وقت اپنی قرأت کرنا استماع مامور میں مخل بنتا ہے اور قرآن کریم سے بے توجہی بنتی ہے۔ لہٰذا اس وقت خالص خاموشی اختیار کی جائے۔ نہ زبان کو حرکت دے نہ اور کوئی عمل کرے جس سے التفات الی القرآن میں کمی آتی ہو۔ خفیہ قرأت کرنا بھی عند سماع القرآن، استماع مامور میں نقصان دہ ہے اسی لیے سرکار دو عالم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو اس سے روکا گیا چنانچہ آپ رک گئے۔ عنقریب امام رازیؒ کا کلام آپ کے سامنے آنے والا ہے، آپ خود فیصلہ فرمالیں۔ چونکہ مصنف خیر الکلام کو یہ بیان کرنا اپنے گلے پر چھری چلانے کے مترادف تھا، اس لیے اس کو انھوں نے ذکر نہ کیا کہ اس کی روشنی میں قوم کہیں ہمیں غلط کار ہی نہ کہنے لگے کہ تمہارا رویّہ تو قرآن کے اس فرمودہ ارشاد فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا کے خلاف ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اس لیے مخالفت چھوڑ دو۔ اس لیے بہتر یہی سمجھا کہ اس کا تذکرہ ہی نہ کیا جائے۔ ہاں ایجاد کردہ اور خود ساختہ دوسرا قول جو مفید مطلب تھا ص ۳۴۵ پر نقل کر دیا ہے کہ خطاب کفار کو ہے لیکن گزشتہ بیان سے آپ کو یہ معلوم ہو چکا ہے کہ ان کا یہ قول جمہور حضرات محدثینؒ اور مفسرینِ کرامؒ کی تحقیق کے خلاف ہے۔

امام رازیؒ کو اس ایجاد کی مجبوری یہ ہو گئی کہ ان کی تحقیق کے مطابق جو انھوں نے فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا میں فرمائی ہے۔ فاتحہ خلف الامام (جہری نمازوں میں) پڑھنے کی جڑ ہی کٹ جاتی ہے گنجائش ہی نہیں رہتی۔ جو شافعیہؒ حضرات کے مسلک کے خلاف ہے تو مجبوراً انھوں نے آیت کریمہ کا ایسا شانِ نزول بیان کیا کہ یہ آیتِ کریمہ تو کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور اپنے لیے دو قرینے اس رُخ کی تبدیلی پر بیان کر دیئے تاکہ بیان میں کچھ جان پڑ جائے۔ لیکن غلط بات کو خواہ کتنا ہی سنوارا جائے وہ غلط ہی رہتی ہے درست نہیں ہو سکتی۔ اگر درست ہوتی تو جمہور مفسرینؒ اور محدثین کرامؒ اس کو کیوں چھوڑتے؟ ان میں سے کسی نے اس کا نزول کفار کے بارے میں ہونا ذکر نہیں کیا۔

ایک قرینہ یہ ذکر کیا کہ پہلے کفار کا تذکرہ ہے: وَاِذَا لَمْ تَاْتِهِمْ بِاٰيَةٍ قَالُوْا لَوْلَا اجْتَبَيْتَهَا۔ یعنی کفار کو جب ان کی مطلوبہ نشانی پیش نہ کی جائے تو کہتے ہیں کہ تم نشانی پیش کیوں نہیں کرتے۔ اس کے بعد آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ ہے لہٰذا اس کا تعلق بھی انھی کفار سے ہے۔

دوسرا قرینہ یہ ذکر کیا کہ اس آیت کے آخر میں لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ کے لفظ ہیں جس میں لعلّ امید پر دال ہے جو کفار کے لیے مناسب ہے، مومنوں کے لیے تو قرآن قطعی رحمت ہے چنانچہ ان کے الفاظ ہیں: لو قلنا الخطاب للمؤمنين لم يحسن ذكر لعل فيه وجزم تعالىٰ قبل هذه الاٰية بكون القراٰن رحمة قطعًا فكيف يقول لعل استماع القراٰن يكون رحمةً۔

پہلی بات کا جواب تو خود قرآن کریم میں ہی موجود ہے۔ غور فرمائیں کہ اس آیتِ کریمہ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کے اوصافِ جمیلہ بیان فرمائے، هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّكُمْ وَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ يُّؤْمِنُوْنَ۔ یعنی قرآن یقینی ہدایت اور رحمت ہے لیکن اس کا رحمت ہونا صرف مومنوں کے لیے ہے کہ وہ اس کو دل سے مانتے ہیں۔ اس کی ہدایات پر چلتے ہیں۔ جب اس آیت کریمہ کے آخر میں مومنوں کا تذکرہ آ گیا تو اس کے بعد آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ۔ انہی کے ساتھ متعلق ہو گی۔ اس قریب کو چھوڑ کر بعید کو کیوں لیا جائے؛ اس صورت میں معنی یہ ہوں گے وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ (ایہا المومنون) کیا عمدہ ارتباط ہے؛ ربط اور تعلق بخوبی واضح ہو گیا۔

دوسری بات کا جواب یہ ہے کہ قرآن کریم کا ہدایت اور رحمتِ کاملہ ہونا اس کی ذاتی صفت ہے جیسے کسی دوائی کے ذاتی فوائد بیان کیے جاتے ہیں لیکن ان فوائد کا خارج میں پایا جانا اس کے صحیح استعمال کے بعد ہوتا ہے جب کہ پرہیز بھی ہو۔ نسخہ کا پورا کورس کیا جائے اس کے بعد صحت کی امید کی جاتی ہے دنیوی زندگی میں تو نیک اعمال اور بد اعمال سب کا ایک معجون بنے گا۔ کیا معلوم کیا نتیجہ بنتا ہے؛ رحمت کی امید ہی کی جا سکتی ہے۔ لعلّ کا لفظ آیت کریمہ میں اس لحاظ سے آیا ہے۔ مومنوں کا حال بھی مظنون الخیر ہی ہے۔ کفار کی تخصیص کی کیا ضرورت ہے؟ جیسے کہ امام رازیؒ فرما رہے ہیں۔ الحاصل: قرآن کریم بے شک خزانۂ رحمتِ الٰہیہ ہے لیکن اس کے فرمودہ احکام کے مطابق چلنا اور عقیدہ کا صحیح ہونا بھی ضروری ہے۔ دوا کتنی ہی اچھی کیوں نہ ہو؛ لیکن صحت اور شفا نسخہ کے صحیح استعمال سے ہی حاصل ہوتی ہے۔ اسی کو مدنظر رکھ کر قرآن کریم میں لَعَلَّكُمْ کا لفظ لایا گیا ہے اور اسی کو دیکھتے ہوئے قرآن کریم میں دوسری جگہ فرمایا: قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ۔ الَّذِيْنَ هُمْ فِيْ صَلٰوتِهِمْ خَاشِعُوْنَ۔ مفسر ابن جریرؒ نے ان سب باتوں کو ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت جامع اور مستحسن الفاظ میں اس آیت کی تفسیر فرمائی جزاہ اللہ تعالیٰ خیر الجزاء۔ اس سے تمام الجھنیں دور ہو جاتی ہیں۔ فرماتے ہیں: یقول اللہ جل ذکرہ للمؤمنین

Telegram : t.me/pasbanehaq1

المصدقین بکتابہ الذین القراٰن لھم ھدی ورحمۃ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ علیکم ایھا المؤمنون فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ یقول اصغوا لہ سمعکم لتفھموا ایاتہ وتعتبروا بمواعظہ وَاَنْصِتُوْا الیہ لتعقلوہ وتتدبروہ ولا تلغوا فیہ فلا تعقلوہ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ۔ یقول لیرحمکم ربکم باتعاظکم بمواعظہ واعتبارکم بعبرہ واستعمالکم ما بینہ لکم من فرائضہ ۔ (تفسیر ابن جریر ص ۱۶۶ ج ۹)

آیت کریمہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ ۔ کا مومنوں کے بارے میں نازل ہونا فرما کر لعلّ کے ذکر کرنے کی کیسی صحیح توجیہ کر دی ۔ جیسے کہ گزشتہ عرض کیا گیا ہے ۔ یہ کیسی واضح اور صحیح باتیں ہیں ۔ لیکن مصنف خیر الکلام امام جماعت اہل حدیث کو ضد اور عناد نے نہ چھوڑا ۔ قوم کو یہی سبق پڑھا گئے کہ آیت کفار کے بارے میں ہے ۔ کیونکہ امام رازیؒ نے فرمایا ہے ۔

آپ نے دیکھا کہ امام رازیؒ کی یہ بات جملہ محدثینؒ اور مفسرین کرامؒ کے فرمودہ تفسیر کے خلاف ہے ۔ بلکہ یہ حضرت امام نسائیؒ کے بیان کے بھی خلاف ہے گزشتہ گزر چکا ہے کہ وہ اس کا شان نزول نماز فریضہ کی جماعت اور مقتدی کا مسئلہ بیان کرتے ہیں ۔ امام رازیؒ نے جو دو قرینے اپنی تجویز کی صحت کے پیش کیے ۔ ان کی تردید بھی گزر چکی ہے ۔ اگر ان کے اس بیان میں کچھ جان ہوتی تو اور محدثین کرامؒ مفسرین عظامؒ اس کو ضرور لیتے ۔ مزید سنیئے کہ امام رازیؒ کے باوجود وسیع النظر ہونے کے ۔ ان کی نظر سے قرآن کریم کی آیات کیسے اوجھل ہو گئیں ؟ یہ کیسے فرما دیا کہ مومنوں کے بارے میں لعلّ کا لفظ کیسے آسکتا ہے ؟ مومنوں کے پاس جب قرآن کریم ہے جو یقیناً رحمت ہے تو مومنوں کو لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ کیسے کہا جا سکتا ہے ؟ ملاحظہ فرمائیں کہ صریحاً قرآن کریم میں ہے ۔ اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَۃٌ فَاَصْلِحُوْا بَیْنَ اَخَوَیْکُمْ وَاتَّقُوا اللّٰہَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ ۔ (حجرات)

امام رازیؒ نے فرمایا : لو قلنا الخطاب للمومنین لم یحسن ذکر

معلل فیہ۔ کیا اس آیت میں لعل کا لفظ مومنوں کے بارے میں استعمال نہیں ہوا؛ قرآن کریم کی ایک شہادت بھی کافی ہے۔ لیکن دوسری بھی دیکھ لیجئے۔ فرمایا: یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْکُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَۃً۔ الیٰ قولہ تعالیٰ وَاَطِیْعُوا اللّٰہَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (آل عمران)

اس کے بعد تیسری آیت کو بھی دیکھ لیں تاکہ جمع اصطلاحی کا عدد پورا ہو جائے۔ فرمانِ الٰہی ہے وَاَقِیْمُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتُوا الزَّکٰوۃَ وَاَطِیْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ۔ (سورۃ نور) ان تمام مقامات میں مومنوں کے لیے لعلکم بولا گیا ہے۔ غرضیکہ اگر غلط چال چلی جائے تو ٹھوکریں لگتی ہی ہیں۔

مصنف خیر الکلام کو کھرے کھوٹے کی تمیز ہی نہیں جو چیز مل گئی جس میں حنفیہ کے خلاف کوئی بات بنتی ہو، دکان میں رکھ لیتے ہیں۔ آپ نے دیکھا کہ امام رازیؒ کی یہ بات جھاگ تھی جو اڑ گئی۔ سراب کو پانی سمجھا گیا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ خیر الکلام کے بورڈ والی دکان کے اکثر سودے اسی طرح کھوٹے ہی ہیں۔ معیاری نہیں۔

اس کے بعد حضرت امام رازیؒ کے دوسرے بیان کو بھی دیکھیں جو انھوں نے آیت کریمہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا کی تفسیر میں ذکر کیا ہے لیکن مصنف خیر الکلام فاضل جماعت اہل حدیث نے اس کو قوم کے سامنے ذکر ہی نہیں کیا کیونکہ اس میں ان کے رویّہ کی جڑ کٹتی ہے یہ لوگ تو فاتحہ امام کے پیچھے ساتھ ساتھ ہی جہری نمازوں میں پڑھا کرتے ہیں اور امام رازیؒ کی تحقیق اس کے بالکل خلاف ہے اس لیے اس کو مصنف خیر الکلام نے مضر سمجھتے ہوئے قوم کے سامنے لانا ہی پسند نہ کیا۔ بائیں جانب کی بات نقل کر دی کہ وہ کہتے ہیں کہ یہ آیت کفار کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور دائیں جانب کی انکی تحقیق جو آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہے اس کو چھوڑ ہی دیا۔ تفسیر کبیر ص ۳۴۱ میں فرمایا: امرہ اللہ تعالیٰ بالاستماع واشتغالہ بالقرأۃ یمنعہ من الاستماع لان السماع غیر والاستماع غیر۔ یعنی قرآن کریم کی قرأت کے وقت سامعین کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ استماع کریں ایسے وقت سامع کا اپنی قرأت

Telegram : t.me/pasbanehaq1

یں مشغول ہونا استماع مأمور کے مخالف اور ممنوع ہے۔ سماع صرف سننے کو کہتے ہیں اور استماع کامل توجہ سے سننے کو کہتے ہیں کہ سننے کے سوا کسی اور چیز سے اشتغال نہ ہو۔ سنتے وقت اپنی قرأت کرنے سے تو توجہ میں ضرور فرق آجاتا ہے۔ پوری توجہ سے سننا نہیں ہوتا۔ اسی لیے فرماتے ہیں فالاستماع عبارۃ عن کونه بحیث یحیط بذلك الکلام المسموع علی الوجه الاکمل۔ قال تعالیٰ فَاسْتَمِعْ لِمَا يُوحىٰ۔ والمراد ما ذکرنا۔ اس کے بعد فرماتے ہیں: اذا ثبت هذا ظهر ان الاشتغال بالقرأۃ یمنع عن الاستماع وعلمنا ان الامر بالاستماع یفید النهی عن القرأۃ۔ یعنی قرآن سنتے وقت اپنی قرأت کے ساتھ مشغول ہو جانا استماع واجب کا مانع بنتا ہے اور صاف فرماتے ہیں کہ اس کا حاصل یہ نکلا کہ استماع کا امر قرأت کی نہی کے معنوں میں ہے اس وقت معنی یہ ہو جائیں گے۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ لا تقرؤا الشی عند ذلك! یہی وجہ ہے کہ عام محدثین کرامؒ کا مسلک امام ترمذیؒ نے ترمذی ص۷۲ پر یہی نقل کیا ہے: واختار اهل الحدیث ان لا یقرأ الرجل اذا جهر الامام بالقرأۃ بل یتبع سکتات الامام اس کے علاوہ بھی قابلِ غور بات ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت جبریل علیہ السلام کے پڑھنے کے ساتھ ابتداء میں خفیہ انداز کی قرأت کرتے تھے اس کی ممانعت کے لیے فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ نازل ہوا۔ جس کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ نے استمع والنصت سے کی ہے۔ اس کے بعد آپؐ خفیہ قرأت سے بھی رک گئے۔ خاموشی سے سنتے تھے۔ آپ کے خیر الکلام ص۳۴۷ کے قول کے مطابق تو انصات کا حکم شور وغل سے منع کے لیے آیا ہے اور یہ جہر سے قرأت کی ممانعت کرتا ہے۔ تو پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے ایسے موقع پر یہ لفظ کیسے آیا؟ کیونکہ نہ تو آپؐ جہر کرتے تھے اور نہ شور وغل مچاتے تھے۔ حضراتِ شافعیہؒ کے محتاط طبقہ کا مختار بھی یہی ہے کہ جہری نمازوں میں مقتدی امام کے ساتھ نہ پڑھے۔ بلکہ وہ فاتحہ سے قبل یا بعد سکتہ میں پڑھنے کا حکم دیتے ہیں ساتھ پڑھنے کو یہ سب مکروہ کہتے ہیں۔ جیسے ابھی حضرت امام رازیؒ سے نقل ہوا۔ الامر بالاستماع

Telegram : t.me/pasbanehaq1

یفید النهی عن القراۃ. اسی وجہ سے حافظ ابن حجرؒ امام کو حکم دیتے ہیں کہ وہ ولا الضالین کے بعد اتنا ٹھہرے کہ مقتدی فاتحہ پڑھ لے ورنہ وہ منہی عنہ کا مرتکب ہوگا، جبکہ وہ امام کی قرأت کے وقت پڑھے گا۔ فتح الباری ص۱۶۴ ج۲ میں ہے فعلی ھذا یتعین علی الامام ان یسکت فی الجھریۃ (رائے بعد الفاتحۃ) لتقرء المأموم لئلا یوقعہ فی ارتکاب المنھی حیث لا ینصت۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سب حضرات محدثین کرامؒ مقتدی کی نفس قرأت کرنے کو خلف الامام مع الامام مکروہ جانتے ہیں۔ غالباً اسی کراہت کی وجہ سے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام پر گراں ہوئی جبکہ کسی نے آپؐ کے پیچھے نماز میں قرأت کی۔ کیونکہ اس طرح قرأت کرنا مخل استماع بنتا ہے۔ فرمانِ نبویؐ ھل قرأ معی احد منکم وغیرہ تعبیرات میں بھی انکار نفس قرأت پر ہی کیا گیا۔ لیکن افسوس صد افسوس جماعت اہل حدیث کے رویے پر کہ وہ خلف الامام مع الامام ہی قرأت کرتے رہتے ہیں۔ افسوس عوام الناس کے طرزِ عمل پر نہیں ہے ان کو تو جیسے پڑھایا گیا وہ صحیح سمجھ کر اس کو قبول کر لیتے ہیں۔ مشکوٰۃ ص۳۵ پر حدیث ہے: عن ابی ھریرۃؓ من افتی بغیر علم کان اثمہ علی من افتاہ۔ (رواہ ابوداؤد) یعنی جس شخص کو غلط فتویٰ دیا گیا اور اس نے اس پر عمل کیا تو اس کا گناہ فتویٰ دینے والے پر ہوگا۔ ہاں افسوس ان کے پیش رو علماء دین حضرات پر ہے کہ وہ جانتے ہوئے بھی قوم کے اس غلط عمل کی اصلاح نہیں کرتے بلکہ اُلٹا ان کو دھوکہ دیتے ہیں کہ ممانعت تو اونچا پڑھنے سے ہے۔ قرأت مشوشہ نہ کی جائے۔ یا کہتے ہیں کہ منع کلام کرنے سے ہے نفسِ قرأت سے منع نہیں کیا گیا۔ آپ نے ابھی امام رازیؒ کے کلام کو دیکھا: اشتغالہ بالقرأۃ یمنعہ من الاستماع وغیر ذٰلک۔

مصنف خیر الکلام ص۳۴۷ میں آیت کریمہ انصات کا جواب تحریر کرتے ہیں اس میں کوئی ذکر نہیں کہ مقتدی کو کس بات کا حکم دیا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ جہر سے روکا گیا ہو یا امام کے پیچھے کلام کرنے سے منع کیا گیا ہو یا شور ڈالنے سے (نعوذ باللہ تعالےٰ

من شر الشیطان وہمزہ) اوّل تو ان کے کلام میں تناقض ہے۔ خیر الکلام ص۳۶۰-۳۶۱ میں لکھتے ہیں۔ جس آیت میں انصات کا حکم ہے وہ مکی ہے اور نماز میں کلام کرنا مدینہ میں منع ہوا۔ کیونکہ جس آیت میں امام کے پیچھے کلام کرنا منع ہوا وہ قُوۡمُوۡا لِلّٰہِ قٰنِتِیۡنَ ہے اور یہ آیت مدینہ میں نازل ہوئی۔ جب کلام کی ممانعت مدینہ طیبہ میں نازل ہوئی تو آیتِ کریمہ انصات والی جو مکی ہے اس میں کلام کی ممانعت کے لیے نازل ہونا کیسے کہہ سکتے ہیں۔ چنانچہ خیر الکلام ص۳۴۷ پر لکھتے ہیں یا امام کے پیچھے کلام کرنے سے منع کیا گیا ہو۔ یہ بات پہلے بھی گزر چکی ہے۔

دوم وجہ یہ ہے: کہ جس موقع میں آپؐ کے پیچھے کسی نے قرأت کی تھی اور آپؐ کو اس کے پڑھنے سے ناگواری اور گرانی محسوس ہوئی تھی۔ کیا اس پڑھنے والے نے شور مچایا تھا؟ آپ کے نزدیک ممنوع تو یہی شور وغل کرنا ہے۔ اگر یہ صحیح ہے تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بصیغہ استفہام هل قرأ معی احد منکم؟ کیوں فرمایا لعلّ کے لفظ سے انکار کیوں فرمایا؟ لعلکم تقرؤن فرمایا ہے۔ یہ تو گمان کے موقع میں بولا جاتا ہے۔ آپ کا قول تو خیر الکلام ص۳۴۷ پر یہ ہے۔ ہوسکتا ہے کہ شور ڈالنے سے منع کیا گیا ہو اور یہ بھی ہوسکتا ہے کہ جہر سے روکا گیا ہو۔ کیا ان لوگوں نے جہر کیا تھا۔ شور وغل کیا تھا؟ ایسے وقت تو لا ترفعوا اصواتکم بالقراۃ یا لا تجھروا بالقراۃ کے لفظوں سے انکار کرنا مناسب تھا۔ هل قرأ معی احد تو مناسب مقام ہی نہیں بنتا۔

اس کے علاوہ ترمذی ص۴۲ میں ہے: فانتھی الناس عن القراۃ مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فیما جھر فیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کہ نفس قرأت کرنے سے لوگ رک گئے آپ کے قول کے مطابق تو لوگوں نے جہر کیا ہوگا۔ فانتھی الناس عن الجھر بالقراۃ مروی ہونا چاہیئے تھا۔

دوسری جگہ خود مصنف خیر الکلام نے بھی لوگوں کا نفس قرأت سے رک جانا ہی سمجھا ہے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

سکتے ہیں ـــــــــ ساتھ قرأت کرنے سے رُک گئے لیکن سکتہ میں پڑھنا اس کی نفی نہیں کی گئی ۔ (جس کی تردید ہم نے دوسری جگہ کر دی ہے) اس سے معلوم ہو گیا کہ ان کا خیر الکلام ص۳۴۷ والا یہ قول کہ ہو سکتا ہے جہر سے روکا گیا ہو ، غلط ہے اور یہ خود ان کے اپنے بیان کے بھی مخالف ہے ۔

اس کے علاوہ یہ بھی قابل غور بات ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام حضرت جبریل علیہ السلام کے پڑھنے کے ساتھ ابتداء میں خفیہ انداز کی قرأت کرتے تھے ۔ اس کی ممانعت کے لیے فَاِذَا قَرَأْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ نازل ہوا جس کی تفسیر حضرت ابن عباس رض نے استمع وانصت سے کی ہے ۔ اس کے بعد آپ خفیہ قرأت سے بھی رُک گئے ۔ خاموشی سے سُنتے تھے ۔ آپ کے خیر الکلام ص۳۴۷ کے قول کے مطابق انصات کا حکم تو شور وغل سے منع کے لیے آیا ہے اور یہ جہر سے قرأت کی ممانعت کرتا ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے لیے اس موقعہ میں یہ لفظ کیسے آیا ؟ اس سے معلوم ہوا کہ اس جگہ انصات کا لفظ نفسِ قرأت (یعنی زبان سے حروف کی ادائیگی) سے ممانعت کے لیے استعمال ہوا ہے ۔ آیتِ کریمہ : وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا میں بھی یہی مراد ہے ۔ یہی فَاِذَا قَرَأْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ میں مُراد ہے ۔ اسی کی حضرت ابنِ عباس رض نے استمع وانصت سے تفسیر فرمائی ہے ۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے بھی یہی مراد سمجھی ۔ اس لیے قرأت مع جبریل علیہ السلام سے رُک گئے ۔ یہی قرآن کریم کی ہدایت تھی لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ لِتَعْجَلَ بِهٖ ۔ اسی کا امام کی نماز میں امام کی قرأت کے وقت مقتدیوں کو حکم دیا گیا کہ وہ قرأت نہ کریں ۔ انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا قرا فانصتوا صحیح مسلم کی رِوایت میں آیا ہُوا ہے بلکہ امام رازیؒ کے کلام میں لفظ استماع کا معنی بھی یہی بتایا گیا ہے ۔ فرمایا : اشتغالہ بالقرأۃ یمنع من الاستماع ۔ کیونکہ استماع پوری توجہ سے سننے کو کہتے ہیں اور اپنے پڑھنے میں جب مقتدی مشغول ہو جائے تو لازمی طور سے توجہ الی القرآن میں رکاوٹ ہو جاتی ہے ۔ یہی نکتہ انھوں نے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

بیان فرمایا کہ امرِ استماع کا نہی عن القرأۃ کے معنوں میں بن جاتا ہے جو گزشتہ گفتگو میں چلا ہے۔ مزید ان کا فرمان سنیے:

تفسیر کبیر ص ۱۵۲ج ۱ میں فرماتے ہیں: تحصلُ قرأۃِ المأموم مع قرأۃ الامام یفضی الیٰ ترک الاستماع المامور والیٰ ترک السکوت عند قرأۃ الامام وذٰلک خلاف النص۔ یعنی مقتدی کا امام کی قرأت کے ساتھ قرأت کرنا استماع مامور (استمعوا) کے خلاف ہے۔ پڑھنے سے استماع نہیں رہتا۔ اسی طرح سکوت واجب عند قرأۃ الامام (انصِتُوا) کے بھی منافی ہے مقتدی کے قرأت کرنے سے سکوت مامور بہ نہیں رہتا بلکہ فوت ہو جاتا ہے۔

الحاصل، مقتدی کا امام کی قرأت کے زمانہ میں پڑھنا نص قرآنی کے خلاف، ممنوع اور مکروہ ہے اور امر شرعی کی خلاف ورزی بظاہر مکروہ تحریمی ہی ہے۔ یہی بات حافظ ابن حجرؒ کے کلام سے معلوم ہوتی ہے۔ فرماتے ہیں کہ امام پر واجب ہے کہ ولا الضالین کے بعد اتنا وقفہ کرے کہ مقتدی اس میں اپنی قرأت کرلے۔ ورنہ امام مقتدی کو منہی عنہ کے ارتکاب میں واقع کرے گا اگر مقتدی نے سکوت نہ کیا۔ ان کے الفاظ پہلے بھی گزر چکے ہیں فعلیٰ ھٰذا یتعین علی الامام ان یسکت فی الجھریۃ ..... الخ۔ یہ دونوں حضرات امام رازیؒ اور حافظ ابن حجرؒ حنفی نہیں ہیں۔ لیکن آج کے زمانے کے اہل حدیث کی طرح اتنے بے لگام بھی نہیں۔ حضرت امام شافعیؒ کے مسلک پر چلنے والے ہیں۔ محتاط حضرات شافعیہؒ امام کی معیت میں پڑھنے کے قائل نہیں ہیں بلکہ سکتوں میں پڑھنا بتاتے ہیں۔ یہی بات ترمذی ص ۷۲ کے حوالے سے گزر چکی ہے۔ واختار اھل الحدیث ان لا یقرأ الرجل مع الامام ... الخ۔

میں اس وقت اہلِ حدیث بننے والوں سے پوچھتا ہوں کہ آپ کے ہم مشرب ائمہ محدثین کرامؒ میں سے کون کون ہیں جو جہری نمازوں میں مع الامام پڑھتے ہوں؟ صرف فاتحہ خلف الامام کہنے والوں کے نام نہ لیں۔ اس جگہ حضرت مکحولؒ کا فتویٰ بھی پیش نہ کیجئے۔ اس کا جواب عنقریب حدیث کے بیان میں آجائے گا۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

خاتمۃ المرام وخلاصۃ الکلام

مصنف خیر الکلام امام اہلِ حدیث نے امام رازیؒ کی ایک بات مفید مطلب نقل کردی کہ وہ فرماتے ہیں: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ کا خطاب کفار کو ہے پھر ضمیمہ ملا دیا کہ ہاں عموم علت سے مقتدی بھی اس میں آ سکتے ہیں۔ گزشتہ گزر چکا کہ یہ الٹی چال ہے جو جمہور محدثینؒ اور مفسرینؒ کے خلاف ہے اور امام رازیؒ کی دوسری مفصل بات قوم کے سامنے پیش نہ کی۔ اگر یہ طریقہ کار خیانت نہیں تو کوتاہ نظری تو ضرور ہے۔ قوم کو اندھیرے میں ڈالا گیا۔ قوم کو اس کا احساس ہو یا نہ ہو بہرحال دیانت کے خلاف ہے۔ اس کے بعد مصنف خیر الکلام کا یہ کہنا ص۳۶۷ میں کہ قرأت مشوشہ منع ہے۔ خفیہ قرأت ہو سکتی ہے، کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ امام رازیؒ کے کلام کو دیکھیں کہ وہ فرماتے ہیں کہ مقتدی کا اشتغال بالقراۃ استماع مامور میں نقصان پیدا کرتا ہے ان کا قول یفضی الی ترک الاستماع المامور اور الی ترک السکوت عند قراۃ الامام وذلک خلاف النص گزر چکا ہے۔ اس کے علاوہ مفسر ابن جریرؒ کے کلام کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔ امام زہریؒ کا فرمان نقل کر کے فرماتے ہیں: لا یصلح لاحد ان یقرأ معہ فیما یجہر فیہ سرا ولا علانیہ۔ فان اللہ یقول وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا۔ پہلے بھی گزر چکا ہے اور غیر مقلدین سب مع الامام ہی پڑھا کرتے ہیں۔ ان کو ان کے علماٗ نے غلط سکھایا ہے کہ قرأت مشوشہ منع ہے یا جہر پر انکار کیا گیا ہے۔ گزشتہ گزر چکا ہے کہ نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خفیہ پڑھنے سے بھی مع قراۃ جبریل علیہ السلام منع کیا گیا۔ اس سابق مفصل اور مدلّل بیان سے معلوم ہو گیا کہ قراۃ فاتحہ خلف الامام کے نام کی دکان جس کا نام خیر الکلام ہے اس کے نسخہ جات معیاری نہیں ہیں۔ کیونکہ ان میں بعض قیمتی اجزاء شامل نہیں کیے گئے۔

خیر الکلام کی دکان کا ایک اور نسخہ بھی دیکھ لیجئے کہ اس میں کیسی فریب کاری کی گئی ہے۔ خیر الکلام ص۲۸۰ میں صحابہ کرامؓ سے بالعموم فاتحہ خوانی کا ثبوت کے ملی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

عنوان سے دعویٰ کیا گیا ہے اور بعد میں اس کی دلیل دیتے ہیں وھو عن جابرؓ بن عبد اللہ قال کان یقرأ فی الرکعتین الاولیین بفاتحۃ الکتاب وسورۃ ویقرأ فی الاخریین بفاتحۃ الکتاب۔ یعنی نماز کی پہلی دو رکعتوں میں وہ فاتحہ اور ساتھ کوئی اور سورۃ دونوں پڑھا کرتے تھے اور پچھلی دو رکعتوں میں صرف سورۃ فاتحہ ہی پڑھا کرتے تھے۔ پھر فرمایا: کنا نتحدث انہ لا تجوز صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب وشئی معہا۔ وفی روایۃ ابن بشر فما فوق ذلک اوقال فما اکثر من ذلک۔ یعنی ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ نماز فاتحہ اور اس کے ساتھ کچھ اور ملانے کے سوا نہیں ہوتی۔ اس کے بعد امام بیہقیؒ کا قول نقل کیا ہے کہ یہ لفظ عام ہے۔ منفرد، امام اور مقتدی سب کو شامل ہے۔ فرماتے ہیں: قال البیہقی لفظ عام یجمع المنفرد والمأموم والامام (کتاب القرأۃ)۔ یہ ڈاکٹری نسخہ اس لیے پیش کیا گیا ہے کہ بالعموم حضرات صحابہ کرامؓ کا یہ عمل (یعنی فاتحہ خلف الامام) بلاشک وشبہ ثابت ہو جائے اور کسی کو تردد کی گنجائش نہ رہے۔

الجواب وباللہ التوفیق:

اوّلًا: فرمانِ خداوندی ہے: عَسٰۤى اَنْ تُحِبُّوْا شَیْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ۔ اسی طرح یہ ایک عربی مشہور مقولہ ہے: عسی الغویر ابؤسا۔ یعنی کبھی غار میں گھسنا جان کا خطرہ بن جاتا ہے۔ (بخاری ج ۱ ص ۳۶۶) آپ کا نقل کردہ حضرت جابرؓ کا یہ فرمان بسر و چشم قبول اور منظور ہے۔ ہمارے حضراتِ حنفیہ کا تو یہی معمول ہے مگر سوچیے کہ یہ حدیث تو بتاتی ہے کہ اوّل دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ سورۃ یا قرآن کا کچھ حصہ ملانا بھی ضروری ہے اس کے سوا نماز نہیں ہوتی۔ لیکن غیر مقلدین اس میں حنفیہ کرامؒ کے خلاف چلتے ہیں۔ سورۃ کا ملانا ضروری نہیں کہتے۔ بلکہ زیادہ سے زیادہ استحباب کے قائل ہیں۔ اور وہ بھی دفع الوقتی کے لیے۔ ملاحظہ ہو توضیح الکلام ص ۵۰۱۔

جنابِ من ہوش سے کام لیجیے۔ حضرت جابرؓ کا یہ اثر تو آپ کے مسلک کی تردید

Telegram : t.me/pasbanehaq1

[illegible]

دوم : جب [illegible]

[illegible]

تھی۔ نعوذ باللہ تعالیٰ، لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ [illegible]

[illegible]

سمجھے جائیں۔ خرابی کی جڑ ان کے راہنماؤں کی کج روی ہے۔ چنانچہ خیر الکلام ص۸۲ پر لکھتے ہیں: اس حدیث کے ظاہر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمام صحابہؓ فاتحہ کو ہر نماز کے لیے لازم قرار دیتے تھے۔ کیا اس اثر میں وشیٔ معھا نہیں ہے۔ یعنی فاتحہ کے ساتھ کچھ اور بھی ملانا ضروری ہے۔ مگر مؤلف خیر الکلام نے ترجمہ یہ کیا۔ فاتحہ یا زیادہ نہ ہو نماز جائز نہیں۔ یا زیادہ کا لفظ ترجمہ میں غلط بیانی ہیں۔ یا کس لفظ کا مدلول ہے؟

مزید سُنئے: حضرت امام بیہقیؒ جب اس کو امام اور مأموم دونوں کے لیے کہتے ہیں تو ان کو چاہیئے کہ مقتدیوں کو سورۃ ملانے کی بھی تعلیم اور تلقین کریں۔ کیونکہ بقول ان کے یہ حضرت جابرؓ کی حدیث میں ہے۔ سبحان اللہ! امام بیہقیؒ نے تو مأموم کو امام سے بھی پہلے ذکر فرمادیا لیکن یہ خیال نہ کیا کہ مأموم کے لیے صرف فاتحہ کا پڑھنا ہی کافی نہیں فرمایا گیا بلکہ وشیٔ معھا بھی ضروری بتایا گیا ہے۔ یعنی کہ فاتحہ کے ساتھ کچھ اور بھی ملانا ہوگا۔ سورت ہو یا آیات، اس کے سوا نماز نہیں ہوتی۔

تیسری بات قابلِ غور یہ بھی ہے کہ حضرت جابرؓ کے اثر سے فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ نکالنا توجیہ القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ کے باب کی چیز ہے کیونکہ وہ تو لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب جس میں سورۃ کے ملانے کا تذکرہ ہی نہیں اس کو بھی وہ منفرد کے بارے میں فرما رہے ہیں۔ مقتدی کو اس حکم میں داخل ہی نہیں کرتے تو وہ اس اثر کو جس میں وسورۃ معھا بھی آیا ہے۔ اس کو مقتدی کے بارے میں کیسے کہہ سکتے ہیں۔ حضرت امام بیہقیؒ نے مأموم کا لفظ صرف مطلب سازی کے لیے لگایا ہے تاکہ حضرت جابرؓ کو بھی فاتحہ خلف الامام کا قائل بنا سکیں: یعم المأموم والامام میں مأموم کا لفظ غلط محض ہے۔ دیکھئے ترمذی ص۴۲ میں ہے: اما احمدؒ بن حنبلؒ فقال معنی قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اذا کان وحدہ۔ واحتج بحدیث جابرؓ بن عبد اللہؓ حیث قال من صلی صلوٰۃ لم یقرأ فیھا بفاتحۃ الکتاب فلم یصل الا ان یکون وراء الامام۔ قال احمدؒ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

فھٰذا رجل من اصحاب النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تاوّل قول النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب ان ھٰذا اذا کان وحدہ ۔ یعنی یہ حکم اس وقت ہے جب شخص اکیلے نماز پڑھے ۔ غور فرمائیں کہ اس روایت میں فاتحۃ الکتاب کے بعد سورۃ کا لفظ نہیں ہے مگر اس کو بھی وہ منفرد پر محمول کرتے ہیں کہ یہ منفرد شخص کا حکم ہے ۔ مقتدی کے لیے اس کو نہیں لیتے ۔ تو جب وسورۃ معھا کا لفظ بھی یہاں اثر میں مذکور ہے اس کو وہ مقتدی کے لیے کیسے کہہ سکتے ہیں ؟

ادھر ہم صاحب توضیح الکلام کی بھی بے لبسی کی طرف توجہ کرتے جائیں کہ توضیح الکلام ص۵۰۱ سے ص۵۰۶ تک حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ کے اثر سے فاتحہ خلف الامام ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگانے کے باوجود بھی مقصد برآری میں ناکام رہے ہیں ۔ اصل اعتراض کے جواب میں پھنس جانے کے بعد لاعلمی کی وجہ سے بڑے مختصر انداز میں دفع الوقتی کی کوشش کرتے ہوئے لکھتے ہیں ۔ (حضرت جابرؓ کا) مؤطا اور ترمذی کا اثر ان مرفوع اور صحیح احادیث کے خلاف ہے جو باب ثانی میں گزر چکی ہیں اور یہ اثر (مفید مطلب) ان کے موافق ہے ۔ اس لیے یہی راجح ہے ۔ جان چھڑانے کی کوشش تو کی لیکن اپنی پریشانی چھپا نہ سکے ۔ صاحب توضیح الکلام کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت جابرؓ کا ترمذی کا اثر مرفوع اور صحیح احادیث کے ذخیرہ کے بالکل موافق ہے اور اسی معنی کو ملحوظ رکھنے سے تمام احادیث اور آثار ایک دوسرے کے موافق اور اپنی جگہ فٹ بیٹھتے ہیں ۔ صرف آپ کے کہنے سے یہ اثر احادیث کے خلاف نہیں ہو جاتا ۔ بلکہ اس کے لیے کوئی وزنی اور معقول دلیل چاہیئے مگر یہ آپ کے بس کی بات نہیں ہے ۔

الانتباہ : گزشتہ حضرت امام احمدؒ کے بیان سے معلوم ہو گیا کہ حضرت جابرؓ بن عبداللہؓ کے اثر میں جو فرمان ہے کہ ہم اوّل دو رکعتوں میں فاتحہ کے ساتھ سورۃ ملاتے ہیں اور پچھلی رکعتوں میں صرف فاتحہ شریف پڑھا کرتے ہیں ۔ یہ منفردانہ نماز کا تذکرہ تھا ۔ فرمایا : ھٰذا اذا کان وحدہٗ ۔ لیکن مصنف خیر الکلام نے عوام کو دھوکہ دینے اور مغالطہ میں

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ڈالنے کے لیے اس کو فاتحہ خلف الامام کا مسئلہ بنا ڈالا کہ امام کے پیچھے بھی ہم فاتحہ پڑھتے تھے کیونکہ اس کے سوا نماز نہیں ہوتی اس کو دیکھتے ہوئے آپ کو تصدیق ہوگئی ہوگی کہ اس خیر الکلام والی دکان کے سودے اکثر کھوٹے ہیں۔ لیبل فاتحہ خوانی خلف الامام کا لگا دیا اور اندر دیکھنے سے پتہ چلا کہ یہ تو انفرادی نماز کا بیان ہے۔ حضرت امام احمدؒ کا مذکورہ فرمان بیان حق ہے حق گوئی اسی کا نام ہے اور اس سے بات یہ بھی معلوم ہوئی کہ حضرت امام بیہقیؒ نے اس میں جو اپنی طرف سے پیوند لگائے۔ ھٰذا عام للمنفرد والمأموم والامام۔ یہ ان کا مذہبی تعصب اور خلاف واقعہ کاروائی ہے آپ کو معلوم ہو چکا کہ صاحب حدیث راوی حضرت جابرؓ اس کو مخصوص بحق منفرد ہونا بتا رہے ہیں اور امام بیہقیؒ اس کو عام بنا کر فاتحہ خلف الامام (جماعت) کا مسئلہ بنا رہے ہیں۔

ببین تفاوت راہ از کجاست تا بکجا!

غالباً اسی تعصب کی وجہ سے مأموم کا لفظ امام پر مقدم کر دیا ہے عام للمأموم والامام۔ ورنہ مأموم تابع ہوتا ہے۔ تابع کا حق پیچھے ہی ہوتا ہے۔ یہ لغزش نہیں بلکہ ناانصافی ہے۔ اللہ تعالیٰ مغفرت فرمائے۔

الغرض مصنف خیر الکلام کو حضرت امام بیہقیؒ کا یہ کرم خوردہ لقمہ مل گیا اور وہ خوش ہو گئے لیکن اس لقمے کا ہضم کرنا بہت مشکل ہے اس کے چبانے کے لیے تو لوہے کے دانت چاہئیں۔ دیکھئے حضرت امام سفیانؒ بن عیینہؒ استاذ امام شافعیؒ راوی حدیث وہ بھی اس جگہ ھٰذا اذا کان وحدہٗ۔ فرما رہے ہیں۔ ابوداؤد ص۱۱۹ کو دیکھیں جیسے کہ حضرت جابرؓ نے اس کو بحق منفرد مخصوص کیا بلکہ یہی حضرت ابن عمرؓ کا فرمان بھی ہے۔ موطا مالک ص۲۹ بلکہ خود راوی حدیث حضرت امام زہریؒ کا فرمان بھی یہی ہے: فانتھی الناس عن القرأۃ مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کا قول ترمذی میں مروی ہے۔ مقتدی کے بارے میں تکفیھم قرأۃ الامام بھی وہ فرما رہے ہیں۔ اس کے علاوہ حضرت زیدؓ بن ثابت کا فتویٰ لا قرأۃ مع الامام فی شیٔ بھی صحیح مسلم ص۲۱۵ میں ذکر کیا گیا ہے۔ ان کا فتویٰ بظاہر سری، جہری دونوں میں ترک

Telegram : t.me/pasbanehaq1

القرأۃ خلف الامام کا ہے۔ فی شیٔ سے مراد بظاہر سری اور جہری کی تعمیم ہے۔
انصاف کیجئے۔ ان حضرات صحابہ کرامؓ کا یہ فتوٰی حضرت مکحول تابعیؒ کے فتوٰی سے یقیناً راجح و مقدم ہے جس کو مصنف خیر الکلام نے کتاب میں جلی عنوان سے لکھا کہ وہ فرماتے ہیں: اقرأ قبلہ وبعدہ ومعہ۔ مزید بیان اپنے موقعہ پر انشاء اللہ تعالٰی آنے والا ہے۔ حضرت مکحولؒ کا یہ فتوٰی ابوداؤد (صفحہ ۱۲۰ ج ۱) میں بروایت ولیدؒ بن مسلمؒ مذکور ہے لیکن ولیدؒ بن مسلمؒ مدلس ہے اور روایت مذکورہ معنعن طریقہ سے نقل کر رہا ہے۔ بقیہ باتیں تو وہیں آئندہ اس اثر کے بیان میں دیکھیں۔ فی الحال آیت کریمہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا کے متعلقات کا بیان مقصد ہے۔ مفسر کبیر حضرت ابن جریرؒ نے ابن جریر صفحہ ۱۶۳ ج ۹ میں ایک واقعہ لکھا ہے کہ کسی موقع میں کوئی واعظ قرآن و حدیث کا وعظ لوگوں کو سنا رہا تھا اور حضرت عطاؒ اور حضرت عبیدؒ بن عمیرؒ کچھ فاصلہ پر اس وقت آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ کسی نے ان کو ٹوکا کہ آپ باتیں کر رہے ہیں، خاموش نہیں ہوتے الانستمعان الی الذکر۔ تو انھوں نے جواب دیا۔ انما ذٰلک فی الصلٰوۃ (خاموشی کا حکم تو نماز میں ہے۔ یہ نہ فرمایا کہ یہ آیت تو کفار کے بارے میں ہے کہ وہ قرآن سننے کے وقت شور وغل مچاتے تھے اور ان کو اس حرکت سے منع کیا گیا ہے۔ معلوم ہوا کہ کفار کے بارے میں نازل ہونا یہ بعد کے زمانے کی ایجاد ہے۔ جیسے مصنف خیر الکلام اس کو اصل شان نزول بتا رہے ہیں۔ حضرت عطاؒ اور حضرت عبیدؒ بن عمیرؒ انما ذٰلک فی الصلٰوۃ فرما کر یہ بتا رہے ہیں کہ ہم تو خارج از نماز باتیں کر رہے ہیں اور یہ ممانعت خارج میں نہیں ہے بلکہ نماز میں امام کے پیچھے خاموشی کا حکم ہے۔ یعنی استماع اور انصات کا حکم مقتدی کو ہے۔ انما ذٰلک فی الصلٰوۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ اصل شانِ نزول آیتِ کریمہ کا جماعت کا مسئلہ ہے۔

مولانا عبد الصمد پشاوریؒ غیر مقلد نقل کرتے ہیں، والاصح کونہا فی الصلٰوۃ لماروی البیہقیؒ عن الامام احمدؒ قال اجمعوا علٰی انہا فی الصلٰوۃ (اعلام الاعلام فی قرأۃ خلف الامام صفحہ ۱۹) اور امام احمدؒ کا یہ فرمان حافظ ابنِ تیمیہؒ نے بھی نقل کیا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہے۔ (فتاویٰ ابنِ تیمیہؒ ص۱۴۳ ج۲)۔ یعنی صحیح ترین بات یہی ہے کہ اس آیت کا شانِ نزول ہی نماز ہے۔ امام بیہقیؒ نے امام احمدؒ سے نقل کیا ہے کہ اس آیت کے نماز کے بارے میں نازل ہونے پر اجماع ہے۔ اور اس میں مقتدیوں کا حکم بیان کرنا مقصود ہے کہ وہ امام کی قرأت کے وقت خاموش ہو کر سنیں اور زبان کو حرکت تک نہ دیں اور قرأت نہ کریں۔

غور فرمائیں اس سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ استماع کا لفظ نفسِ قرأت سے روکنے کے لیے استعمال ہوتا ہے کیونکہ قرأت کرنا استماع میں نقص پیدا کرتا ہے۔ اگر شور و غل کے روکنے کے لیے استعمال ہوتا ہو جیسے مصنف خیر الکلام کہہ رہے ہیں کہ قرأتِ مشوشہ سے منع کیا گیا ہے۔ نفس قرأت سے منع نہیں کرتا۔ اس کو بار بار انھوں نے ص۲۶۸، ص۳۷۳، ص۳۷۶، ص۳۸۸، ص۳۹۶ میں دُہرایا ہے تاکہ قرأت خلف الامام کی تجویز درست بن جائے۔ لیکن معاملہ اگر ایسا ہوتا تو حضرت عطاؒ اور حضرت عبیدؒ بن عمیرؒ جواباً یہ فرماتے کہ ہم شور و غل تو نہیں کر رہے کہ واعظ کو اس سے تشویش ہوتی ہو۔ ہم تو فاصلے پر آہستہ آہستہ باتیں کر رہے ہیں۔ ہماری باتوں کی آواز واعظ کو تو نہیں پہنچتی۔ اس سے معلوم ہوا کہ فاضل اہل حدیث کا یہ کہنا غلط ہے کہ ممنوع شور و غل کرنا اور قرأتِ مشوشہ کرنا ہے۔ حوالے گزر چکے ہیں۔

امام رازیؒ تفسیر کبیر ص۱۰۳ ج۱۵ میں بھی یہی فرما چکے ہیں۔ اذا ثبت ھٰذا ظھر ان الاشتغال بالقراءۃ مما یمنع من الاستماع اور حضرت عطاؒ اور عبیدؒ بن عمیرؒ نے یہ جواب نہیں دیا کہ یہ آیت تو کفار کے بارے میں ہے ہم پر کیسے چسپاں کرتے ہو؟ ہم تو بحمداللہ تعالیٰ مسلمان ہیں۔ جیسے مصنف خیر الکلام نے حیلہ سازی کی ہے ہاں جواب دیا تو یہ دیا، انما ذٰلک فی الصلوٰۃ۔ یہی شانِ نزول کا حوالہ ہے۔

مزید سنئے اور خداوند تعالیٰ سے توفیقِ ہدایت کی دعا بھی کیجئے: اللھم ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ۔ بخاری ص۱۲۶ ج۱ میں ہے کہ جمعہ کے دن کچھ فرشتے مسجد کے دروازے پر بیٹھے ہوتے ہیں۔ آنے والوں کی آمد کے درجات لکھتے ہیں، لیکن جب خطبہ شروع ہو جاتا ہے تو فرشتے لکھنا بند کر دیتے ہیں اور خطبہ سننے لگتے ہیں: اذا جلس الامام علی المنبر طووا الصحف وجاؤا یستمعون الذکر

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ خطبہ کے وقت کتابت میں اشتغال بھی استماع قرآن کے مخالف سمجھا گیا ہے۔ اس حدیث کے پیش نظر وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ کا فرمان یہ چاہتا ہے کہ قرآن کی قرأت کے وقت سننے والے کو لکھنا پڑھنا بھی منع ہے اور یہ استماع کے خلاف ہے۔ الحاصل : یہ کہنا کہ اونچا پڑھنا منع ہے خفیہ پڑھنا منع نہیں، عقلاً و نقلاً غلط ہے۔ یہ قرآن کریم سے بے توجہی کا سبب بنتا ہے۔ جب فرشتوں نے تلاوت کے وقت لکھنا بند کر دیا تو آپ لوگوں کو بھی مناسب ہے کہ قرآن کی تلاوت کے وقت امام کے پیچھے پڑھنا بند کر دیں۔ قرآن کا ادب یہی ہے۔

حضرت عطاؒ اور عبیدؒ بن عمیرؒ کے واقعہ کو جو مفسر ابن جریرؒ نے لکھا پھر غور سے پڑھیں۔ اس سے مصنف خیر الکلام کی ایک اور غلط بیانی بھی معلوم ہو جائے گی۔ ممکن ہے کہ اس غلط بیانی پر قوم نے انھیں خراج تحسین بھی دیا ہو کیونکہ وہ اپنوں کی باتیں بلا تحقیق مان لیتے ہیں اور باوجود غیر مقلد کہلانے کے اپنے مولویوں کے پکے مقلد ہوتے ہیں۔ خواہ وہ کیسی ہی بات کہہ دیں۔

دیکھئے مصنف خیر الکلام نے بیان کیا کہ اگر یہ آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ۔ قرآن کی قرأت کے وقت لوگوں کو خاموشی کا حکم دیتی ہے اور پڑھنے سے روکتی ہے تو لازم ہے کہ قرآن مجید کا درس ہو وہاں ایک ہی شخص پڑھے، باقی سب خاموش رہیں بلکہ مزید یہ بھی لکھا کہ لازم ہے کہ جو شخص امام کی قرأت کے وقت آئے وہ اللہ اکبر کہہ کر نماز میں بھی شریک نہ ہو سکے کیونکہ اس کا اللہ اکبر کہنا استماع مأمور کے خلاف ہے اور نیز لکھا ہے کہ تکبیر تحریمہ کا جواب مشکل ہے۔

الجواب : آپ جانتے ہیں کہ بعض دفعہ بولنا انسان کے مرتبہ کو گھٹا دیتا ہے بولنے سے پتہ لگ جاتا ہے کہ یہ شخص کتنا ذی علم ہے اور ایسی ادنیٰ گفتگو سے فاضل ہونے کا پردہ فاش ہو جاتا ہے۔ دیکھئے جب خارج نماز میں قرآن کی قرأت اور سماعت کے وقت ضروری باتیں کرنا جائز ہیں۔ جیسے کہ روایت میں ہے کہ حضرت عطاؒ اور عبیدؒ بن عمیرؒ کانا یتکلمان اور انھوں نے معترض کا وہ سوال سن کر انما ذلك فی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

الصلوٰۃ فرمادیا تھا۔ تو معلوم ہُوا کہ انھوں نے کلام کرنا بند نہ کیا ہوگا۔ ورنہ کہہ دیتے ہمیں خیال نہیں آیا۔ آپ کے توجہ دلانے سے اب کلام ہم نے بند کر دیا ہے۔ جب آپ نے سمجھا تو غور فرمائیں کہ قرآن مجید کے درسوں میں ہر شخص منفرد طور پر پڑھا کرتا ہے اور یہ خارج نماز کا معاملہ ہے اس میں ہر شخص اپنا اپنا کام کرتا ہے تو ایسے وقت دوسرے کے پڑھنے سے اس پر خاموش رہ کر سننا واجب نہیں ہوگا بلکہ صرف مستحب ہے لیکن مقتدی تو نمازوں میں امام کی متابعت کا عہد کرتا ہے اور اتباعِ قرآن بحکم فرمانِ الٰہی فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ خاموشی کو چاہتا ہے۔ جیسے حضرت ابنِ عباسؓ نے استمع وَانصت سے تفسیر کی ہے۔ تو درس والے لوگ اس حکم کے کیسے پابند ہوں گے؟ جب کہ وہ کسی کی متابعت کا عہد نہیں کرتے۔ اسی طرح تکبیر افتتاح کہنے والا شخص تکبیر کہنے کے زمانہ میں داخلِ نماز نہیں ہوتا تو وہ کس طرح خاموشی کا پابند کیا جاسکتا ہے؟ وَذَكَرَ اسْمَ رَبِّهٖ فَصَلّٰى۔ کو غور سے پڑھیں۔ مزید بیان طول کا باعث بنے گا۔ اسی پر بس کرتا ہوں۔

الغرض معترض کی بیان کردہ دونوں صورتیں خارج نماز کی ہیں اور خارج از نماز استماع واجب نہیں ہوتا۔ ہاں استحسان کے درجہ میں مستحب ہوتا ہے جیسے حضرت علیؓ اور عبیدؓ کے مذکورہ قصّہ سے معلوم ہوتا ہے۔ ضروری گفتگو منع نہیں۔ اس سے معلوم ہُوا کہ مصنف خیر الکلام کے مذکورہ دونوں اعتراض بے محل اور لغو ہیں۔ اصل مسئلہ کو نہ سمجھنے سے یہ اشکال ہُوا ہے۔ واللہ اعلم وعلمہٗ اتم واحکم۔

ایک اور بات بھی مزیدار سُننے جائیے، کہ مصنف خیر الکلام جگہ جگہ کہتے ہیں، کہ مقتدی کو نفسِ قرأت سے منع نہیں کیا ہاں قرأتِ مشوشہ سے منع کیا ہے جس میں امام تشویش میں پڑ جائے انکار قرأت پر نہیں کیا گیا ان کے اونچے پڑھنے پر انکار کیا گیا ہے وغیرہ وغیرہ۔ دیکھئے فرشتوں نے خطبہ کے وقت کتابت چھوڑ دی۔ کیا ان کی یہ کتابت خطیب کے خطبہ میں تشویش پیدا کرتی تھی؟ ہرگز نہیں۔ معلوم ہُوا کہ خطبہ کے وقت لکھنا استماع واجب میں مخل بنتا ہے پوری توجہ الی القرآن سے رکاوٹ بنتا ہے۔ اس لیے انھوں

Telegram : t.me/pasbanehaq1

نے لکھنا بند کر دیا۔ کیا مقتدی کا اپنی قرأت کرنا اس میں یہ بات نہیں پائی جاتی ؛ اسی طرح مناسب ہے کہ آپ بھی قرأت کرنا عند قرأۃ الامام چھوڑ دیں۔ بہانے نہ بنائیں کر ممنوع قرأت مشوشہ ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے اور عمل کی توفیق بھی دے حضرت امام رازیؒ نے نہایت صحیح فرمایا : وظهر ان الامر بالاستماع يفيد النهي عن القرأة۔ آپ اس کے ساتھ وعن الکتابۃ بھی لگا دیں۔ جیسے ملائکہ کے مذکورہ عمل سے معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا پڑھنا اور لکھنا دونوں استماع کے لیے مُخل ہیں۔

فائدہ : حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں ہے : من يرد الله به خيراً يفقهه في الدين۔ فاضل اہل حدیث مصنف خیر الکلام کی تحریر سے یوں معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے قوم کو بے تمیز یا بدتمیز سمجھ رکھا ہے کہ جو کچھ لکھا جائے گا قوم آنکھیں بند کر کے اسے قبول کرے گی۔ بلا شعور اندھی تقلید اسی کو کہتے ہیں۔ جو نام نہاد غیر مقلدین کا خاصہ ہے وہ حضرات ائمہ دین رحمہم اللہ تعالیٰ جن کے فضل و کمال زہد و تقویٰ کو دیکھ کر جو علوم عقلیہ ونقلیہ کے جبال العلم والخزائن تھے بالخصوص علوم قرآن و حدیث کے سمندر تھے ۔ مثلاً امام غزالیؒ ، امام رازیؒ اور حافظ ابن تیمیہؒ وغیرہ اس جلالتِ شان کے باوجود وہ ائمہ دین مشہود لهم بالخیر کی تقلید کو فخر سمجھتے ہیں اور اپنے آپ کو ان کا مقلد کہتے ہیں اور یہ جماعتِ اہلِ حدیث ان سے بیزار ہو کر اپنی جماعت کے ادنیٰ لوگوں کی تقلید کر رہی ہے۔ جن میں سوائے تعصّب کے اور کوئی کمال نہیں پایا جاتا۔

دیکھیے : خیر الکلام صفحہ میں کیسی غلط بیانی کی گئی ہے لکھا ہے کہ اَنۡصِتُوۡا میں خاموشی کا مطلب یہ ہے کہ جہر سے خاموش ہو۔ قرآن کے آداب میں یہ داخل نہیں کہ سنتے وقت تصدیقی کلمات سے بھی خاموش رہے۔ سبحان اللہ۔ شاید ان کی قوم نے آمنّا وصدّقنا کہہ دیا ہوگا۔ کیونکہ آج تک اس کے خلاف آواز نہیں اٹھائی گئی۔ گزارش ہے کہ ہماری باتوں کو تعصب کی نگاہ سے نہ دیکھیں۔ کل قیامت میں بازپُرس ہوگی قوم نے نہیں چھڑانا۔ اَللّٰہُ یَعۡلَمُ خَآئِنَۃَ الۡاَعۡیُنِ وَمَا تُخۡفِی الصُّدُوۡرُ آیا ہوا ہے۔ آنکھیں کھول کر دیکھیں اور دل سے سوچیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم

Telegram : t.me/pasbanehaq1

جب کہ حضرت جبریل علیہ السّلام وحی کلام الٰہی کی تلاوت کرتے تھے۔ کیا آپ اس کو جہر سے دہراتے تھے؟ اونچی آواز سے پڑھا کرتے تھے کہ آپؐ کو اس سے منع کیا گیا۔ آپ تو صرف زبان اور ہونٹ مبارک ہی ہلاتے تھے جس سے صرف حروف کی ادائیگی زبان سے ہو جائے لیکن حکم آیا فَاِذَا قَرَأْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ ۔ لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ۔ یعنی ہمارے بھیجے ہوئے حضرت جبریل علیہ السّلام کے پڑھنے کے وقت آپؐ زبان نہ ہلایا کریں خاموشی سے سُنا کریں۔ اس کی تفسیر حضرت ابنِ عباسؓ کے فرمان میں آئی ہے۔ اتبع قُرْاٰنَهٗ ای استمع وانصت۔ کیا یہ انصات کا حکم جہر سے روکنے کے لیے کہو گے؟ یہ آیتِ کریمہ تو نفسِ قرأت کی بندش کے لیے آئی ہے اسی لیے بعد میں آپ نے ساتھ ساتھ پڑھنا چھوڑ دیا۔ آپ لوگوں کو بھی عند قرأۃ الامام خاموشی کرنی چاہیئے۔ اس کو دیکھتے ہوئے انصاف سے کہیں کہ قرآن پڑھتے ہُوئے تصدیقی کلمات کا جواز کیسے ثابت ہو سکتا ہے؟ امام رازیؒ کا فرمان گزشتہ بارہا گزر چکا ہے۔ فراجع ان شئت۔

مصنف خیر الکلام کو دراصل قرأت فاتحہ خلف الامام کا جواز بیان کرنا مقصد ہے کہ قرآن پڑھتے ہُوئے جب تصدیقی کلمات پڑھنے جائز ہیں تو فاتحہ کا پڑھنا بھی جائز ہوگا۔ یہ سراسر دھوکہ ہے۔ قوم کو مغالطہ میں ڈال رہے ہیں۔ تصدیقی کلمات آیت کے اختتام کے بعد کیے جاتے ہیں عین تلاوت کے وقت نہیں پڑھے جاتے۔ دیکھئے: فَبِاَيِّ اٰلَاۗءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ کے خاتمہ کے بعد ہی لَا بِشَیْءٍ مِّن نِعَمِكَ رَبَّنَا نُکَذِّبُ فَلَكَ الْحَمْدُ سے جواب دیا جائے گا۔ جیسے اَلَيْسَ ذٰلِكَ بِقٰدِرٍ عَلٰۤى اَنْ يُّحْیِۧ الْمَوْتٰى کا جواب بلی اللہ قادر۔ بعد آیت کے تمام ہونے کے دیا جاتا ہے۔ اسی طرح اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ کا جواب بھی بعد کو دیا جاتا ہے۔ وغیر ذٰلک۔ مگر خارج از نماز کیونکہ نماز میں جواب دینے کا کوئی قطعی ثبوت نہیں ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ حنفیہ کرامؒ نے استماع وانصات کا وجوب نماز میں مقتدی کے بارے میں کہا ہے اور آیتِ کریمہ کا شانِ نزول ہی یہی ہے۔ تفصیل گزر چکی ہے۔ اور مصنف خیر الکلام نے قرآن پڑھتے ہوئے تصدیقی کلمات کے جواز کا دعوٰی کیا ہے اور آیات

Telegram : t.me/pasbanehaq1

جتنی بھی پیش کی ہیں وہ سب خارج از نماز کی ہیں یہ جوڑ تو وہ اور ان کی جماعت والے ہی بتائیں گے۔ ہم تو اس کو بے تمیزی کہیں گے۔ اس سے انّ من العلم لجهلا کا منظر نظر آرہا ہے۔ موقع شناسی انسان کا فریضہ ہے۔ بے محل بات کون مانتا ہے۔ خدا جانے یہ کج روی نافہمی سے کی گئی ہے کہ بات تو نماز میں مقتدی کی قرأت بوقتِ قرأتِ امام کی ہو رہی ہے اور دلیل میں خارج از نماز کی جواب دہی پیش کی گئی ہے۔ یا فرق جانتے ہوئے قوم کو بدتمیز بنا رہے ہیں کہ قوم کو کیا خبر۔ میری لکھی ہوئی بات کو بلاسوچے سمجھے ہی قبول کرلیں گے۔ جہاں اہلِ علم کا یہ حال ہو تو وہاں عوام سے کیا گلہ و شکوہ۔

مزید اہلِ علم محققین کثرھم اللہ تعالیٰ کی باتوں کو سنیں اور دین و ایمان کی اصلاح بھی کریں اللّٰھم وفقنا لما تحب وترضیٰ واجعل آخرتنا خیر من الاولیٰ۔ حضرت مفسر ابنِ جریرؒ نے ص ۱۶۴ جز ۹ میں حضرت مجاہدؒ سے نقل کیا: انه كره اذ قرأ الامام آية خوف او آية رحمة ان يقول احدٌ من خلفه شيئاً۔ یعنی حضرت مجاہدؒ نے فرمایا کہ مکروہ ہے کہ کوئی شخص نماز میں امام کے پیچھے خوف کی آیت سن کر یا رحمت کی آیت سن کر کچھ مناسب بات کہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نماز میں تصدیقی کلمات کہنے کی اجازت نہیں ہے۔ ہاں نماز سے خارج ایسے کلمات کہنے کی گنجائش ہے۔ بلکہ مطلوب ہے۔ اس کے بعد حضرت مجاہدؒ کا یہ قول نقل کیا: کہ لا بأس اذا قرأ الرجل في غير الصلوٰة ان يتكلم به۔ یعنی نماز کے علاوہ اگر قرأت کے وقت مناسب مقام پر ایسے کلمات کہے تو کچھ حرج نہیں۔ اس سے بھی معلوم ہوا کہ نماز کے اندر ایسے کلمات نہیں کہے جا سکتے۔

الحمد للہ تعالیٰ بات روشن ہو گئی کہ مصنف خیر الکلام مکروہ عمل کی قوم کو تلقین و تعلیم کر رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ نماز کے اندر امام کی قرأت کے وقت تصدیقی کلمات کی اجازت نکالنا صریح آیتِ کریمہ کے حکم کے خلاف ہے۔ انصات اور استماع حکمِ الٰہی ہے اس کی خلاف ورزی مردود ہے۔ اس سے فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی تجویز نکالنا سعی نامشکور ہے۔ اس سے کسی صورت اور کسی حالت میں فاتحہ خلف الامام کا جواز ثابت نہیں ہو سکتا۔ مفسر ابنِ جریرؒ نے حضرت عطاؒ بن ابی رباحؒ سے نقل کیا: وجب الصمت في اثنين عند

Telegram : t.me/pasbanehaq1

الرجل یقرأ القرآن وھو یصلی وعند الامام وھو یخطب ۔ یعنی دو صورتوں میں خاموش رہنا واجب ہے ۔ اوّلؔ : امام کی قرأت کے وقت مقتدیوں کا خاموش ہو کر سننا واجب ہے ۔ دومؔ : جمعہ یا عیدین کا خطبہ جب پڑھا جا رہا ہو تو اس وقت بھی خاموشی سے سننا واجب ہے ۔

اس سے معلوم ہوا کہ مصنف خیر الکلام کا ص۷۱ پر یہ کہنا بھی غلط ہے کہ انصتوا میں خاموشی کا مطلب یہ ہے کہ جہر سے خاموش ہو ۔ یعنی آہستہ پڑھنا انصات کے منافی نہیں ۔ یہ محض طفل تسلی ہے ۔ خطبہ میں یہ لوگ بھی اجازت نہیں دیتے کہ سننے والے خفیہ طور پر ذکر اذکار پڑھیں ۔ محض خاموشی کا حکم دیتے ہیں ۔ امام ابن تیمیہؒ نے فرمایا کہ مقتدی اور امام کا رابطہ ، سامع خطبہ اور خطیب کے رابطہ سے زیادہ قوی ہے ۔ پھر نماز میں وہ کیسے اجازت دیتے ہیں کہ مقتدی قرأت امام کے سنتے ہوئے قرأت کرے جبکہ خطبہ سنتے ہوئے قرأت کی وہ سامعین کو اجازت نہیں دیتے ؟

ضروری تشریح گزشتہ کلام میں کچھ اجمال سے کام لیا گیا ہے شاید کہ بعض لوگ پوری مراد نہ سمجھے ہوں ۔ اس لیے کچھ مزید عرض کرتا ہوں ۔ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جنّات کی تبلیغ اور تعلیم کے لیے کئی دفعہ رات کے وقت باہر تشریف لے گئے ۔ بعض دفعہ حضرت ابن مسعودؓ کو ساتھ لے گئے اور بعض دفعہ کسی اور صحابی کو اسی تبلیغی سلسلے میں کسی موقع پر جنات پر آپؐ نے سورۃ الرحمٰن کی تلاوت فرمائی اس میں اللہ تعالیٰ جلّ جلالہٗ کی نعمتوں کا تذکرہ ہے مثلاً اَلشَّمْسُ وَالْقَمَرُ بِحُسْبَانٍ ۝ وَّالنَّجْمُ وَالشَّجَرُ یَسْجُدَانِ ۝ اس میں چار نعمتوں کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے سورج اور چاند پیدا کیے جو حساب سے چلتے ہیں اور درخت اور انگوربیل (جو زمین پر پھیلتی ہیں) پیدا کیں ۔ تم خداوند تعالیٰ کی کس کس نعمتِ حقہ کا انکار کر سکتے ہو ؟ جواباً جنّات نے کہا : لا بشیئ من نعمك ربنا نكذب فلك الحمد ۔ ہم آپ کی کسی نعمت کا انکار نہیں کرتے بلکہ آپ کا شکر ادا کرتے ہیں ۔ پھر کسی وقت حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرات صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین پر بھی اسی طرح

Telegram : t.me/pasbanehaq1

سورۃ الرحمٰن کی تلاوت فرمائی تو انھوں نے خاموشی سے سورۃ سنی اور درمیان میں نعمتوں کے تذکرہ کے وقت وہ جواب نہ دیا جو جنّات نے دیا تھا۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تم سے تو جنّات ہی اچھے رہے کہ انھوں نے ہر آیت پر جس میں نعمتِ الٰہیہ کا تذکرہ ہے لا بشیٔ من نعمک ربنا نکذب فلک الحمد کہا تھا۔ اس واقعہ سے ایکٹ تو یہ بات ظاہر ہے کہ جنّات نے آیت کے خاتمہ پر جب کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وقفہ کیا ہوگا، انھوں نے جواب دیا ہوگا۔ درمیان میں جواب دینے کا تو کوئی معنی ہی نہیں۔ اور دوسرےؔ یہ بات ظاہر ہے کہ یہ تلاوت نماز میں نہ تھی یہ خارج از نماز کا قصہ ہے۔

اس سے واضح ہوا کہ مصنف خیر الکلام کا امام کی قرأت کرتے ہوئے مقتدیوں کا قرأت کرنا اور اس کا جواز ثابت کرنا دو وجہ سے بے جا ہے۔ ۱؎ یہ تلاوت کے خاتمہ پر جواب دینا ہوا۔ ۲؎ اور خارج از نماز جواب دینا ہوا۔ اس سے مقتدی کو امام کی قرأت کے زمانے میں اجازت دینا یقیناً بے جا اور بے محل ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھ کی توفیق عطا فرمائیں۔

دنیوی سلسلہ کی باتیں سن کر آخرت کے احوال کی طرف بھی دھیان فرمائیں۔ حدیث میں ہے کہ قیامت کے روز جب کہ جلالِ خداوندی کا ظہور ہوگا تو لوگ حضرات انبیاء علیہم السّلام کے پاس جائیں گے کہ وہ بارگاہِ الٰہی میں ان کے لیے سفارش کریں کہ حساب شروع ہو جائے لیکن سب کے سب عذر داری کریں گے کہ آج ہمارا بس نہیں ہے کہ بارگاہِ الٰہی میں گفتگو کریں۔ اس کے بعد لوگ سردارِ انبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوں گے اور سوال سفارش کا کریں گے۔ آپ تیار ہو جائیں گے۔ روایت میں ہے: انا خطیبھم اذا انصتوا۔ جب سب خاموش ہو جائیں گے تو میں ان کی طرف سے خطاب اور سفارش کروں گا۔ حاشیہ مشکوٰۃ ص۵۱۴ میں ہے: اشارۃ إلیٰ سکوت الانبیاء عن الشفاعۃ وعدم قدرتھم علی التکلم۔ یہ لفظ انصات کا معنی کیا کہ جب جملہ حضرات انبیاء کرام علیہم الصلوٰۃ والسّلام شفاعت کرنے سے عذر اور سکوت فرمائیں گے اور بولنے پر قدرت نہیں پائیں گے تو اس وقت آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ میں سفارش کروں گا۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

فاضل اہلِ حدیث مصنف خیر الکلام فرماتے ہیں کہ انصتوا کا معنی جو وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا ۔ میں آیا ہے " اونچا نہ پڑھیں " ہے ۔ اس تجویز کے مطابق حدیث مذکور کے معنی یہ ہو جائیں گے : انا خطیبھم اذا انصتوا ۔ جب اور حضرات اونچا نہ بولیں گے میں اونچی آواز سے چلاؤں گا ۔ سبحان اللہ ۔ کوئی بیوقوف ہی یہ ترجمہ کرے گا ۔ ایک مرتبہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ارادہ ہوا کہ لوگوں سے کچھ مسائل بیان فرمائیں ۔ آپؐ نے حضرت جریرؓ سے فرمایا کہ لوگوں کو چپ کراؤ کہ وہ خاموش ہو جائیں استنصت الناس یا جریر ! بخاری ص۲۳ ج۱ ۔ کیا اس کا معنی یہ ہے کہ اونچا نہ بولیں آہستہ آہستہ باتیں کرنا منع نہیں ہے اور وہ بے شک کرتے رہیں ؟ جیسے مصنف خیر الکلام نے کہا ہے مقتدی اونچا نہ پڑھے ۔ آہستہ پڑھنے کی ممانعت نہیں ہے ہاں قرأتِ مشوشہ نہ کریں اس کا مزید بیان آگے آنے والا ہے ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ چُپ ہو جاؤ کا یہ لفظ اَنْصِتُوْا جب جمعہ اور عیدین کے خطبہ میں لیتے ہیں تو اس کا یہی مطلب لیتے ہیں کہ خطبہ کے وقت خاموش ہو جاؤ ۔ نہ ورد و وظیفہ پڑھا جائے ۔ نہ قرآن کریم کی تلاوت کی جائے ۔ چنانچہ فتح الباری ص۲۸۱ ج۲ میں ہے کہ امام ابنِ خزیمہؒ جو متأخرین شافعیہؒ میں سے ہیں ۔ انھوں نے فرمایا کہ المراد من الانصات السکوت عن مکالمۃ الناس دون ذکر اللہ تعالیٰ یعنی استمعوا وانصتوا میں انصات سے مراد یہ ہے کہ باتیں نہ کریں ۔ اللہ کے ذکر سے روکنا مقصود نہیں ہے مصنف خیر الکلام فاضل اہلِ حدیث کو جہاں سے کوئی چیز مل جائے نقل کر دیتے ہیں قوم کو سبق دے دیتے ہیں مگر کھری کھوٹی کی تمیز نہیں کرتے ۔ قوم کو اس کی باطنی بیماری کی اطلاع نہیں دیتے ۔ یہاں بھی وہ حسبِ عادت اسی غلط چال پہ چلے ہیں ۔ لیکن حافظ ابن حجرؒ نے اس بیان کو مضر سمجھتے ہوئے رد کر دیا ہے کیونکہ امام ابنِ خزیمہؒ کی یہ بات ایک جگہ تو مفید بنتی ہے لیکن دوسری جگہ مضر بھی ہے ۔ یہی انصات کا لفظ جمعہ اور عیدین میں بھی لیا جاتا ہے اگر مراد یہی سکوت عن مکالمۃ الناس لیا جائے تو خطبہ کے وقت تلاوت قرآن ، ذکر اذکار سب جائز بن جاتے ہیں حالانکہ یہ سب ممنوع ہیں ۔ چنانچہ حافظ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ابنِ حجرؒ لکھتے ہیں: وتعقب بانہ یلزم منہ جواز قرأۃ القراٰن حال الخطبۃ فالظاھر السکوت مطلقاً۔ یعنی امام ابنِ خزیمہؒ کی بات سے لازم آتا ہے کہ قرآنِ کریم کی قرأت خطبہ کے وقت جائز ہو۔ حالانکہ یہ ممنوع ہے۔ پس ظاہر انصات سے مطلقاً سکوت مُراد ہے نہ قرأتِ قرآن خطبہ کے وقت کی جائے اور نہ ذکر اذکار پڑھے جائیں۔ جب خطبہ میں انصات کا لفظ قرأتِ قرآن سے روکتا ہے تو نماز میں بھی یہی حکم ہونا چاہیئے۔ باقی بہانے ہیں کہ جہر سے روکا گیا ہے اور قرأتِ مشوشہ سے روکا گیا ہے اور باتوں سے منع کیا گیا ہے۔ مصنف خیر الکلام کی دکان میں ان کھوٹے سودوں پر خیر الکلام کا لیبل لگایا ہوا ہے۔ ان کو حنفیہ کے خلاف میں مزا آتا ہے۔ خواہ تیر اپنا سینہ ہی چھلنی کر جائے جیسے آپ نے ابھی دیکھا۔ ڈبیہ میں سم الفار بھری ہے لیکن اوپر چیٹ خیر الکلام کی لگائی ہوئی ہے۔

مسئلہ قرأت خلف الامام میں علامہ واحدیؒ کی سرزدی اور امام رازیؒ کی حمایتِ حق میں باطل کی سرکوبی

خالق کائنات جلّ جلالہٗ وعم نوالہٗ نے عالمِ جسمانی میں نور اور ظلمت کا نظام اور اس کے اسباب بنا رکھے ہیں اسی طرح عالم روحانی میں بھی اس نے یہ دونوں تقسیم کیے ہیں۔ قرآن کریم میں اَللّٰہُ وَلِیُّ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا یُخْرِجُھُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَی النُّوْرِ بھی فرمایا اور اس کے مدّمقابل کا اَوْلِیَآءُھُمُ الطَّاغُوْتُ یُخْرِجُوْنَھُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَی الظُّلُمٰتِ سے شکوہ بھی کیا ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ ہدایت براہِ راست اللہ تعالیٰ کا فضل واحسان ہے۔ اور بالمقابل گمراہی خارجی اسباب سے جو قانون ابتلاء کے نتیجہ میں ظہور میں آتے ہیں، پیدا ہوتی ہے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ من ذلک۔ یہ اسباب حائل ہو جاتے ہیں۔ مرضیاتِ خداوندی تک پہنچنے نہیں دیتے۔ یہ اسباب کبھی دنیوی مفادات ہوتے ہیں اور کبھی مذہبی تعصب اور بُغض وعناد ہوتا ہے۔ شیطان اس کو دین کا رنگ دے کر شخص کو بدراہ کر دیتا ہے۔ قرآنِ پاک میں ہے: اَفَمَنْ زُیِّنَ لَہٗ سُوْٓءُ عَمَلِہٖ فَرَاٰہُ حَسَنًا۔

دیکھیے علامہ واحدیؒ امام کے پیچھے قرأت کو جائز قرار دیتے ہیں لیکن لفظ انصات جو قرآن و حدیث میں آچکا ہے ان کے نظریہ کے لیے رکاوٹ بن رہا ہے کیونکہ اس کا معنی تو خاموش رہنا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہے معنی یہ ہوجاتا ہے کہ جب قرآن مجید پڑھا جائے۔ خواہ امام پڑھے، خواہ کوئی خطیب پڑھے۔ سننے والوں کو خالص خاموش رہنا چاہیئے۔ زبان سے کچھ نہ پڑھیں تو اس سے علامہ واحدیؒ کو سردردی ہوگئی سرگردانی محسوس کی اس سے چھٹکارا اور مخلص یہ سوچا کہ انصات کا معنی ہی بدل دیا جائے۔ یہ نہ سوچا کہ لغت کے خلاف معنی کون مانے گا؟ لوگ شاید اس کو تحریف قرآن کا لقب دیں گے۔ مؤلف خیر الکلام کو بھی اس کی ضرورت تھی اور انہی کی تقلید میں صاحب توضیح الکلام کو بھی اشد ضرورت تھی۔ اس کے علاوہ اور بھی بہت سے بہانے انھوں نے بنائے جن کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ اب یہ لوگ علامہ واحدیؒ کی بات کو قبول کر کے قوم کے سامنے پیش کر رہے ہیں۔ خیر الکلام ص۳۹۶ میں لکھتے ہیں:

(انصات کا معنیٰ جو علامہ واحدیؒ نے لکھا ہے) یعنی جہر نہ کرے اگرچہ آہستہ پڑھتا ہو۔

پس معلوم ہوا کہ استماع اور انصات مقتدی کو قرأت سے نہیں روکتا۔ مؤلف خیر الکلام سمجھے کہ اب رکاوٹ ختم ہوگئی اور قلعہ فتح ہوگیا۔ قوم سے شاید مبارک بادبھی مل گئی ہو، لیکن یہ نہیں جانتے کہ اس کی حقیقت كَسَرَابٍ بِقِيعَةٍ يَّحْسَبُهُ الظَّمْاٰنُ مَآءً سے زائد نہیں ہے آدمی جب جنگل میں شکار کے لیے جائے تو دونوں آنکھیں کھول کر جائے جنگل میں شیر، چیتے اور بھیڑیئے بھی ہوتے ہیں صرف خرگوش اور ہرن وغیرہ ہی نہیں ہوتے۔ کہیں خود ان کا شکار نہ ہوجائے۔ مصنف خیر الکلام نے ایک آنکھ سے دیکھا اور دوسری کو بند کر دیا ہے یہ نہ سمجھے کہ لوگ تو دونوں آنکھوں سے دیکھتے ہیں کہیں مجھے غلط کار ہی نہ کہہ دیں۔ ایک آنکھ سے دیکھنے والا ٹھوکریں کھایا کرتا ہے۔ بعض لوگ اسے اندھا نابینا بھی کہہ دیتے ہیں اعاذنا اللہ تعالیٰ من الغوایۃ والضلالۃ والحور بعد الکور۔ انھوں نے یہ نہ دیکھا کہ حضرت امام رازیؒ، علامہ واحدیؒ کے قول کی تردید بھی کر چکے ہیں اور وہ حنفی المذہب بھی نہ تھے کہ مخالف سمجھ کر تردید کر دی، بلکہ کمال دیانت اور علمی روشنی میں حق گوئی کر رہے ہیں۔ وَاَقِيْمُوا الشَّهَادَةَ لِلّٰهِ کی ذمہ داری پوری کر گئے۔ (وللہ درہٗ) جیسے حضرت حافظ ابن حجرؒ نے ابنِ خزیمہؒ کی بات کی تردید کر دی ہے جس کا بیان گزر چکا ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

امام رازیؒ نے فرمایا: قال الواحدی الانصات ھو ترک الجھر والعرب تسمی تارک الجھر منصتاً وان کان یقرأ فی نفسہ اذا لم یسمع احدًا یعنی واحدیؒ نے کہا کہ انصات کا معنی جہر نہ کرنا ہے۔ جہر نہ کرنے والے کو بھی اہل عرب کے محاورہ میں منصت کہا جاتا ہے۔ اگرچہ آہستہ پڑھتا بھی ہو۔ اس کے بعد فرماتے ہیں لقائل ان یقول امرہ اللہ تعالیٰ اولاً بالاستماع واشتغالہ بالقرأۃ یمنعہ من الاستماع۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے بندوں کو قرآن کی قرأت کے وقت استماع کا حکم دیا ہے اور اپنی قرأت کے ساتھ مشغول ہونا استماع سے روکتا ہے۔ والاستماع عبارۃ عن کونہ بحیث یحیط بذلک الکلام المسموع علی الوجہ الاکمل (الی) فظھران الاشتغال بالقرأۃ ما یمنعہ من الاستماع۔ یعنی استماع کامل توجہ سے سننے کو کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ اپنی قرأۃ کرنے کی صورت میں کلام مسموع کی طرف پوری توجہ نہیں رہتی تو مقتدی کا قرأت کرنا خواہ آہستہ ہی ہو استماع کے منافی ہے جب استماع کا لفظ پہلے آیت کریمہ میں آچکا ہے تو اس کے بعد انصات کے لفظ میں قرأت کرنے کی گنجائش کیسے کہی جا سکتی ہے؟ عنقریب بیان آنے والا ہے کہ علامہ واحدیؒ نے اس قول میں ابو سلمہؒ تابعی کے فتویٰ کا سہارا لیا ہے۔ امام رازیؒ نے اس کی بھی تردید کر دی ہے۔

مزید سنئے کہ حافظ ابن حجرؒ نے بعض روایات کے مطابق کہ استماع کا لفظ خطبہ میں بھی آیا ہے تو وہاں یہی معنی انھوں نے بھی کیے اور اس کو تکلم کے منافی سمجھا۔ تکلم کا معنی کچھ پڑھنا خواہ ورد وظیفہ ہو یا قرآن کی تلاوت ہو۔ قرأت کرنا بھی تکلم ہے۔ فتح الباری ص $\frac{58}{2}$ باب الاستماع الی الخطبۃ یوم الجمعۃ کے بیان میں لکھتے ہیں: اشارۃ الی منع الکلام من ابتداء الخطبۃ لان الاستماع لا یتجہ اذا تکلم۔ یعنی تکلم آہستہ ہو یا کچھ اونچی آواز سے ہو۔ استماع مأمور کے مخالف ہے۔ یہی بات امام رازیؒ نے بھی فرمائی ہے تحصل قرأۃ المأموم مع قرأۃ الامام یفضی الی ترک الاستماع والی ترک السکوت عند قرأۃ الامام وذلک خلاف النص۔ پہلے بھی یہ بیان آچکا ہے۔ اس سے بخوبی واضح ہو گیا کہ علامہ واحدیؒ کا انصات

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کے بارے یہ قول یعنی جہر نہ کرے اگرچہ آہستہ پڑھے، بالکل باطل ہے۔ اسی طرح مصنف خیر الکلام کا یہ کہنا بھی غلط اور لغو ہے قابل التفات نہیں۔ دلپس ثابت ہوا کہ استماع اور انصات مقتدی کو قرأت سے نہیں روکتے) اس سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ خیر الکلام نامی دکان کے اکثر سودے خرید کے قابل نہیں ہیں کھوٹے اور ردّی ہیں۔ اپنی جماعت کے لوگ خریدیں تو ان کی مرضی۔ غبن فاحش ضرور پائیں گے۔ خسارہ ضرور ہو گا لیکن اور لوگوں کو خریداری سے بچنا ہی چاہیئے۔ مزید سنیئے اور گزشتہ بات کی طرف پھر دھیان کیجئے کہ حضرت جبریل امین علیہ السّلام کے پڑھنے کے ساتھ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم خفیہ پڑھا کرتے تھے اس سے آپ کو منع کیا گیا اور لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ فرمایا گیا اور نیز فَاِذَا قَرَأْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ بھی حکمِ خداوندی نازل ہوا اس کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ نے استمع وانصت سے کی ہے تو یہ استمع وانصت اسی خفیہ قرأت کی بندش کے لیے ہی فرمایا گیا تھا اگر علامہ واحدیؒ اور مصنف خیر الکلام کی بات کو صحیح کہا جائے کہ یہ لفظ خفیہ قرأت سے منع نہیں کرتا تو حضرت ابن عباسؓ کی تفسیر بے محل بن جائے گی۔ فَاتَّبِعْ تو رکاوٹ کے لیے ہی آیا ہے۔ حضور علیہ السّلام اس کے نزول کے بعد خفیہ قرأت سے بھی رُک گئے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے بھی استمع وانصت کے فرمان کا معنی خفیہ قرأت سے ممانعت ثابت ہونا ہی سمجھا ہے۔ علامہ واحدیؒ اور ان کے تابعدار مصنف خیر الکلام نے یہاں جو کچھ لکھا ہے سراسر خلاف واقع ہے اور ظاہر ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے یہ دونوں لفظ سورۃ الاعراف کی آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ الآیۃ سے ہی لیے ہیں۔ اس طرح اس آیت کریمہ کا مقصد صریح طور پر مقتدی کو امام کے پیچھے قرأت کرنے سے ممانعت کے لیے نازل ہونا ہی کہا جائے گا۔ (خواہ سرّاً اور خفیہ قرأت ہی ہو) وہ استماع اور انصات کے مخالف اور منافی کہی جائے گی۔

مصنف خیر الکلام کا ص۳۹۶ پر یہ کہنا بھی غلط ہو گیا کہ آیت الاعراف میں انصات شور وغل اور کلام اور قرأت مشوشہ سے سکوت کرنے سے عبارت ہے۔ مصنف کتاب یہاں استماع کا لفظ کھا پی گئے ہیں تاکہ امام رازیؒ کے کلام کا چپیٹ منہ پر نہ لگ جائے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صرف انصات کو لے لیا اور مطلب سازی کر دی۔ حالانکہ میں نے گزشتہ عرض کیا ہے کہ انصات کا لفظ بھی مطلق خاموشی کے معنوں میں مستعمل ہوتا ہے اور امام رازیؒ نے بھی بتایا کہ استماع کے بعد انصات کے لفظ میں خفیہ قرأت کا جواز کہنا قطعاً باطل ہے۔ کما مر۔ لہٰذا امام کے ساتھ خفیہ پڑھنے کا قول مذکورہ دلائل کے خلاف اور مردود ہے۔ غور فرمائیں کہ اگر یہ مانع نہ ہوتا تو اکثر محدثین حضرات اس کو چھوڑ کر سکتات میں پڑھنے کا راستہ کیوں لفتیا کرتے؟ ہمارے زمانے کے اہل حدیث تو نام کے اہل حدیث ہیں۔ یہ حضرات جملہ ائمہ دینؒ محدثین کرامؒ کے خلاف چل رہے ہیں۔ حضرت امام ترمذیؒ کا فرمان گزر چکا ہے۔ واختار اهل الحديث ان لا يقرأ الرجل مع الامام اور یہ نام کے اہلِ حدیث اس کو دیکھتے ہوئے سب مع الامام ہی پڑھتے ہیں۔ ان کو ان کے علماء نے دھوکہ دیا ہے۔

مصنف خیر الکلام ص۲۹۷ میں لکھتے ہیں۔ امام سے پہلے پیچھے اس کے ساتھ بھی پڑھنا جائز ہے ان کا یہ ساتھ ساتھ پڑھنے کا فتویٰ قرآن وحدیث اور جمہور محدثین کرامؒ کے خلاف ہے وہ سب اس سے بیزار ہیں۔ یہ بھی ایک طرح کا دھوکہ ہے۔ اسکی مفصل تردید احادیث کے بیان میں آنے والی ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

فائدہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ (الآیۃ) کے بعد والی آیت کریمہ کا تذکرہ اور اس پر فریق ثانی کے بعض حضرات کا شکوہ اور ان کے بیانات پر تبصرہ۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ نماز عبادات میں سب سے اہم فریضہ ہے اور جماعت سے ادائیگی مامور اور مطلوب ہے۔ جماعت کے لیے اذان بھی دی جاتی ہے۔ جماعت میں امام اور ماموم بھی ہوتے ہیں۔ امام ایک اور مقتدی سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں اور لاکھوں تک نوبت پہنچ جاتی ہے قرآن کریم نے اذان کا تذکرہ وَاِذَا نَادَيْتُمْ اِلَى الصَّلٰوةِ اتَّخَذُوْهَا هُزُوًا وَّلَعِبًا الآیۃ میں کر دیا ہے۔ امام اور مقتدی دونوں کے بعض ضروری احکام بھی بیان فرما دیئے ہیں۔ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلٰوتِكَ وَلَا تُخَافِتْ بِهَا۔ الآیۃ میں امام کی قرأت کا تذکرہ فرمایا ہے۔ صلوٰۃ سے مراد قرأت ہے اور وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

لَہٗ وَاَنْصِتُوْا میں مقتدیوں کا وظیفہ بیان فرمایا ہے کہ امام کی قرأت کے وقت وہ نہایت ہی خاموشی اور سکونِ قلبی سے سُنا کریں اور پیغمبرِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز باجماعت کے بعد کچھ اوراد و اذکار کا پڑھنا، تکبیر، تحمید اور تسبیح کا ورد کرنا بھی بتایا ہے۔ درود شریف دعا حاجات کرنے کی بھی تعلیم دی ہے۔ قرآن کریم نے جماعت سے فراغت کے بعد (جو فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا۔ الآیۃ سے منہوم ہوتی ہے)۔ وَاذْکُرْ رَبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَۃً۔ الآیۃ۔ سے مقتدیوں کو مذکورہ وظائف کے پڑھنے کی طرف اشارہ کیا ہے جن کی تعلیم حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ترغیبی انداز میں تفصیلی طور پر دی ہے جس سے اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ کا صحیح منظر سامنے آجاتا ہے۔ حضرت علامہ مفسر ابن کثیرؒ نے یہی بات فرمائی ہے کہ وَاذْکُرْ رَبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ ... الخ۔ کی آیت کریمہ جماعت کی ادائیگی کے بعد والے اوراد و اذکار کے بیان کے لیے لائی گئی ہے اور قرینہ بھی یہی چاہتا ہے کیونکہ گزشتہ آیت کریمہ میں چونکہ جماعت کا منظر تھا۔ ضمیریں اور صیغے سب جمع کے لائے گئے ہیں فَاسْتَمِعُوْا، وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ اور تُرْحَمُوْنَ۔ لیکن اس کی بعد والی آیتِ کریمہ میں صیغے اور ضمیریں سب مفرد کی صورت میں لائی گئی ہیں کیونکہ اوراد، اذکار، ادعیہ سب منفردانہ انداز میں ہی ہر شخص اپنی خواہش اور پسند کے مطابق پڑھا کرتا ہے۔ فرمایا: وَاذْکُرْ رَبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ تَضَرُّعًا وَّخِیْفَۃً وَّدُوْنَ الْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ بِالْغُدُوِّ وَالْاٰصَالِ وَلَا تَکُنْ مِّنَ الْغَافِلِیْنَ۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اوّل آیتِ کریمہ میں داخلِ جماعت لوگوں کو خطاب ہے اور جمع کے صیغے اس پر دال ہیں اور دوسری آیتِ کریمہ میں خارجین از جماعت کا ذکر ہے یعنی بصیغہ مفرد ذاکرین اور حامدین کو خطاب کیا گیا ہے کیونکہ ہر شخص انفرادی طور سے اذکار و اوراد پڑھا کرتا ہے۔ اوّل وَاذْکُرْ رَبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ میں ذکرِ خفی کا بیان ہے جس کو ذکرِ قلبی کہتے ہیں یا وہ لسانی ذکر جس میں آواز پیدا ہو اور دُوْنَ الْجَھْرِ میں ذکر بالجہر کا تذکرہ ہے جیسے کہ بعض صوفیائے کرامؒ کے کلام میں اپنی شرائط کے ساتھ پایا جاتا ہے اور دُوْنَ الْجَھْرِ سے جہرِ لغوی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

سے کم ہونا مراد ہے، جیسے لَا تَجْهَرْ بِصَلٰوتِكَ میں کہا گیا ہے۔ کسی موقع میں جب حضرات صحابہ کرامؓ نے زیادہ اونچے انداز سے جہر کیا تو آپؐ نے فرمایا: اربعوا علی انفسکم انّکم لا تدعون اصمّ ولا غائبا۔ (بخاری صفحہ ۴۲ج۲) یعنی زیادہ چلّا کر نہ پڑھو بہر حال مغرب، عشا اور فجر کی نمازوں میں جو جہر کیا جاتا ہے وہ وَلَا تَجْهَرْ بِصَلٰوتِكَ کے مخالف نہیں بنتا۔ یہ فقہی جہر ہے اسی کو دُوْنَ الْجَهْرِ بھی کہا جا سکتا ہے۔ اس کا تذکرہ اگرچہ گزر چکا لیکن اس وقت ایک مقصد کے لیے اس کو لایا گیا۔ تاکہ یاد دہانی ہو جائے قاضی بیضاویؒ نے بھی آیت کریمہ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ کا مقصد وہی بتایا ہے جو حافظ ابن کثیرؒ نے بیان کیا ہے کہ اس میں نماز کے بعد اوراد واذکار کے وظائف پڑھنے کا تذکرہ ہے۔ لیکن بعد میں مذہبی پاسداری کرتے ہوئے ایک احتمال یہ بیان کر دیا کہ یا مقتدی کو حکم ہے کہ امام کی قرأت سے فارغ ہو جانے کے بعد وہ قرأت کرے۔ او امر للمأموم بالقرأة سرا بعد فراغ الامام من قرأته کما هو مذهب الشافعیؒ اس کو پہلی آیت سے بلا وجہ ملا دیا وَاذْكُرْ رَبَّكَ اَيُّهَا الْمُسْتَمِعُ اور اس میں ان ضمیروں کے مفرد لانے کی توجیہ کی لیکن اس طرح آیت کے ظاہر سیاق کے خلاف کرنا اس کے لیے کوئی معقول نکتہ بیان کرنا ہوگا جیسے وَكَانَتْ مِنَ الْقَانِتِيْنَ میں کہا جاتا ہے ورنہ بظاہر انسب یہی تھا کہ واذکروا ربکم فی نفوسکم ولا تکونوا من الغافلین کہا جاتا تاکہ پہلی آیت کریمہ کی جمع کی ضمیروں سے مطابقت ہو جاتی۔ اس کے علاوہ یہ بھی پیش نظر رہے کہ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ سے صرف فاتحہ کا پڑھنا کیسے مراد لی جائے گی جب کہ آپ حضرات نے القرأة سرًّا سے فاتحہ کا پڑھنا ہی مراد لی ہے نیز یہ بھی بتانا ہوگا کہ بعض روایات میں اسی فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کے بارے منزلت فی الخطبة بھی آیا ہے۔ اس تقدیر پر وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ کا کیا معنی اور مصداق ہوگا؟ کیا اس کا یہ مطلب ہوگا کہ آہستہ آہستہ سورۃ فاتحہ پڑھا کریں؟ یہ باتیں ضمنی طور سے ذکر گئی ہیں۔ اس وقت بات چیت اہل حدیث حضرات سے ہو رہی ہے جو آگے آ رہی ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

پہلی بات تو یہ ہے کہ فاضل اہلِ حدیث مؤلف خیر الکلام کی باتیں میں نے کئی دفعہ نقل کیں کہ وہ یہ کہتے ہیں کہ انصات کا لفظ آہستہ پڑھنے سے منع نہیں کرتا۔ مراد یہ ہے کہ جہر نہ کیا جائے۔ قرأت شوشنہ نہ کی جائے۔ ہو سکتا ہے کہ مراد باتوں سے ممانعت ہو۔ آپ نے قاضی بیضاویؒ کے کلام کو بھی دیکھا اور پڑھا وہ فرماتے ہیں۔ اوامر للمأموم بالقرأة سرًّا بعد فراغ الامام من قرأته۔ اگر امام کے ساتھ ساتھ پڑھنا ہو سکتا تو قاضی بیضاویؒ بعد فراغ الامام من قرأته کیوں فرماتے؟ آپ لوگ تو امام کے ساتھ ہی پڑھا کرتے ہیں۔ آپ بتائیں کہ اس میں آپ کے ساتھ محدثین کرامؒ میں کون کون ہے۔ محدثین کرامؒ کا مذہب بھی ترمذی ص ۷ سے کئی بار نقل ہو چکا ہے کہ وہ بھی مع الامام قرأت منع کرتے ہیں۔ آپ کو امام کے پیچھے صرف فاتحہ کا پڑھنا ثابت کرنا کافی نہیں ہوگا۔ آپ اپنی چال کی درستی کریں۔ فانتهى الناس عن القرأة مع رسول الله صلى الله تعالى عليه وسلم۔ حضرت امام زہریؒ کا قول یا حضرت ابوہریرہؓ کا فرمان بھی ثابت ہو چکا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ چودھویں صدی کے نام نہاد اہلِ حدیث اکثر حضرات محدثین کرامؒ کے ہم کے پیچھے فاتحہ خوانی کے عمل میں مخالف چل رہے ہیں۔

آمدم بر سرِ مطلب

میں نے بعض غیر مقلدین کا رسالہ دیکھا جس کا نام فتاویٰ علمائے کرامؒ رکھا گیا ہے اور اس کے شائع کرنے والے ادکاڑہ کے بعض اہلِ حدیث ہیں۔ اس میں حنفیہ پر الزام لگایا گیا ہے کہ یہ لوگ فاتحہ خلف الامام نہ پڑھنے کے دلائل میں آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا پیش کرتے ہیں اور آگے نہیں دیکھتے کہ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ... الخ بھی آرہا ہے۔ اس میں بتایا گیا ہے کہ امام کے پیچھے خفیہ طور سے قرأت کی جا سکتی ہے ہاں اونچا نہ پڑھیں۔ یہ تو اس طرح ہوا کہ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ پڑھ کر وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى کو چھوڑ دیا جائے۔ اس پر بڑی خوشی منائی گئی۔ شاید قوم نے شاباش بھی کہی ہوگی۔ ان کو کہیں سے کوئی گری پڑی بات حنفیہ کے خلاف مل جائے، لے اڑتے ہیں۔ مالِ غنیمت سمجھ لیتے ہیں، اور رسائل کی شکل میں اسے آپس میں تقسیم کرتے ہیں۔ بات کو سوچتے نہیں۔ تحقیق نہیں

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کرتے کہ کھرا اور کھوٹا ہونا معلوم کریں۔ اس کو جلد بازی کہتے ہیں اس میں کبھی پچھتانے کی نوبت بھی آجاتی ہے لیکن جس کی عادت ہی تخریب کاری ہو وہ اس کو ہنر سمجھتا ہے اور ایسے لوگ ہنر سمجھنے کی وجہ سے یکے بعد دیگرے اپنی کتابوں میں اسی آیت کریمہ سے احناف ؒ کے خلاف استدلال کرتے ہوئے بڑی خوشی محسوس کرتے ہیں اور پھولے نہیں سماتے۔ چنانچہ صاحب توضیح الکلام نے بھی ص۱۱۱ سے ص۱۱۸ تک اسی آیت کریمہ سے احناف ؒ کے خلاف نام نہاد گلہائے تحقیق بکھیرنے کی اپنی بساط سے کہیں بڑھ کر کوشش کی ہے اور بحث و استدلال کا حجم بڑھانے کے لیے دُور از کار باتیں بھی بنائی ہیں لیکن خلافِ واقعہ بات کو ثابت کرنے کے لیے کتنی بھی کوشش کی جائے ثابت نہیں ہوسکتی اور اس سے سلیم الفطرت آدمی کی باوجود بسیار گوئی کے تسلی بھی نہیں ہوتی۔ ہاں البتہ جہلاً پیروکاروں سے دادِ تحقیق ضرور مل جاتی ہے اور شہرت خواہ مصنفین کو مطلوبہ شہرت بھی حاصل ہوجاتی ہے۔ طُرفہ یہ کہ صاحبِ توضیح الکلام اپنی تصنیف میں جابجا اپنے مخصوص انداز میں احناف کے خلاف بحث کرتے ہوئے اپنی محدود علمیت کی بنا پر جب چند سطور لکھ کر مزید بحث کرنے سے عاجز آجاتے ہیں تو اپنے پیروکاروں کو اپنی علمی مزیت باور کرانے کے لیے اور قارئین کا ذہنی رُخ اپنی قابلیت کی طرف موڑنے کے لیے جلدی سے اپنی جان چھڑانے اور محدود علمی قابلیت کے بھرم کھلنے کے خدشہ کی بنا پر جھٹ لکھ دیتے ہیں کہ انشاء اللہ اس کی مزید تفصیل آئندہ کسی موقع پر آئے گی۔ لیکن قارئین دیانت داری سے ساری کتاب اوّل سے آخر تک پڑھ کر دیکھ لیں کہ ان کی کافی ابحاث کے متعلق موعودہ تفصیل شاید ہی کسی جگہ ملے۔ ان کے اس رویّہ پر جتنی بھی دادِ عیاری دی جائے کم ہے لیکن بے چارے ایک حد تک معذور بھی ہیں کیونکہ ان کے اسلاف نے ان کو طریقہ ہی یہی سکھایا ہے اور پوری جماعتِ اہلِ حدیث ہی اس طریقے کی حامل ہے لیکن ان کو یہ بھی معلوم ہونا چاہیئے کہ یہ جعل سازی وبالِ جان بلکہ نقصانِ ایمان بھی بن سکتی ہے کیونکہ اس میں فریب کاری کے علاوہ تحریفِ قرآن بھی ہے۔ جو الزام دوسروں پر لگانا چاہتے تھے اسی میں وہ خود مبتلا ہیں۔ من حفر بئرا لاخیہ فقد وقع فیہ۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ من ذلک۔ تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ رومن

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اللہ التوفیق والھدایۃ) کہ آیتِ کریمہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کا نماز کی جماعت کے بارے میں نازل ہونا تو ایک مسلّم حقیقت ہے۔ جو بالاجماع ثابت ہے۔ ہاں خطبہ جمعہ اور عیدین کو بھی لفظی عموم سے اس میں لیا جا سکتا ہے۔ کما مرّ۔ بہرحال اس میں سامعینِ خطبہ اور حاضرین جماعت دونوں کو حکم دیا گیا ہے کہ تمہارا وظیفہ وقت کامل خاموشی اور سکونِ قلبی سے مسموع ہدایات میں تدبّر و تفکّر کرنا ہے اور سرّی نمازوں میں انصات کرنا ہے یہ حکم مقتدی کو قرأت خلف الامام سے ملع بنتا ہے۔ امام رازیؒ کا فرمان گزر چکا ہے کہ وہ استماع کے حکم کو نہی عن القرأت کے معنوں میں کہتے ہیں۔ مخالفین حضرات نے آیتِ کریمہ کی زد سے بچنے کے لیے مختلف حیلے اور بہلنے بنائے ہیں بعض کا تذکرہ مع مالہٗ و ماعلیہ گزر چکا ہے۔ فی الحال اس کے بعد والی آیتِ کریمہ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً وَّدُوْنَ الْجَهْرِ الآیۃ۔ کی طرف توجہ کرنی کرانی ہے۔ فریق ثانی کا خیال ہے کہ اس آیت میں مقتدی کو حکم دیا گیا ہے کہ امام کے پیچھے خفیہ انداز کی قرأت کی جائے۔ اونچا نہ پڑھا جائے جیسے ابھی مذکور ہو چکا۔

فیصلہ: آیت کے مفہوم اور مصداق متعین کرنے میں سب سے اوّل حضرات صحابہ کرامؓ کے ارشادات کو دیکھنا چاہیئے اس کے بعد وہ قول جو نظم قرآنی کے قریب تر ہو اس کو لیا جائے جو معنی بعید مناسبت اور پیوند کاری سے بنایا جائے اس کو نظر انداز ہی کرنا چاہیئے۔ اصول کے مطابق سب سے مقدم حضرت ابنِ عباسؓ مفسرِ قرآن کا قول دیکھئے۔ جلالین ص۱۴۷ کے حاشیہ میں ہے: عن ابن عباسؓ المراد بالذکر القرأۃ یعنی وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ میں ذکر رب سے مُراد قرآن کریم کی قرأت کرنا ہے پھر فرمایا: اُمِروا بالسّر فی الصّلوۃ السرّیۃ وَدُوْنَ الْجَهْرِ فی الجھریۃ یعنی اس آیتِ کریمہ میں حکم دیا گیا ہے کہ سرّی (یعنی دن کی نمازوں) میں قرأت خفیہ کی جائے اور (رات کی) جہری نمازوں میں قرأت مادُون الجہر کے انداز کی کی جائے۔ اس جگہ حاشیہ میں لکھا ہے:۔

الجھر مایسمعہ البعید۔ ومایسمعہ القریب فھو متوسط یعنی جہر کا لفظ قرآن کریم میں چلانے کے لیے مستعمل ہوا ہے جو دُور تک آواز کے پہنچانے کے لیے کیا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

جاتا ہے۔ یہی لغوی معنی ہیں۔ اسی لحاظ سے فرمانِ الٰہی: وَلَا تَجْهَرْ بِصَلَاتِكَ اسے بِقِرَاءَتِكَ آیا ہے یعنی زیادہ بلند آواز سے نہ پڑھا کریں۔ یہ امام کی قرأت کی مقدار کے بارے میں آیا ہے۔ اس سے مراد مغرب، عشاء، فجر کی نمازوں کی قرأت کی مقدار بتانا ہے اس میں منفی جہر لغوی جہر ہے اور فقہاء کرام جن اوقات کی نمازوں کو جہری کہا کرتے ہیں وہ فقہی، شرعی اصطلاحی جہر ہے۔ اسی کو وما یسمعه القریب فهو متوسط کہا گیا ہے۔ قرآن کریم میں وَابْتَغِ بَيْنَ ذٰلِكَ سَبِيلًا کے فرمان میں یہی معنی بتلائے گئے ہیں۔ دیکھیے اس مذکورہ آیتِ کریمہ میں معطوف یعنی وَدُوْنَ الْجَهْرِ سے بھی یہی معنی ارادہ کیے گئے ہیں۔ یعنی ایسے انداز کی قرأت کی جائے کہ قریب والے لوگ سُن لیں اور دُور تک آواز پہنچانے کی کوشش نہ کی جائے۔ لَا تَجْهَرْ میں اسی کی نفی کی گئی ہے اس کا تذکرہ پہلے بھی گزر چکا ہے۔

الحاصل: آیتِ کریمہ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا میں چونکہ مقتدی کا امام کے پیچھے وظیفۂ وقت بیان کیا گیا ہے اسی لیے اس میں سب صیغے جمع کے لائے گئے ہیں۔ اس لیے کہ امام کے پیچھے مقتدی کثیر تعداد میں ہوتے ہیں۔ ان کا حکم استماع وانصات ہی بیان کیا گیا ہے اور اس کے متصل بعد والی آیت کریمہ یعنی وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ … الخ میں امام کا وظیفہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ دن کی نمازوں میں خفیہ قرأت کیا کرے جس کو سرًّا پڑھنا کہتے ہیں اور قسمِ ثانی یعنی معطوف وَدُوْنَ الْجَهْرِ میں رات کی نمازوں کی قرأت کا حال بیان کیا گیا ہے کہ ان میں قرأت جہر سے کی جائے لیکن اتنا اونچا نہ پڑھا جائے جو چلّانے کی حد ہوتی ہے۔ اس کے بعد غور فرمائیں کہ اس آیتِ کریمہ میں یہ قرأت کرنے والا سری ہو یا جہری امام ہی ہوگا اسی لیے اس کے بیان میں وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِي نَفْسِكَ اور آخر میں فرمایا وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ ہے اس میں دو صیغے مفرد کے اور دو ضمیریں مفرد کی لائی گئی ہیں کہ پڑھنے والا ایک امام ہی ہوتا ہے اور گزشتہ آیتِ کریمہ میں چونکہ مقتدیوں کا حکم تھا وہاں تین صیغے اور ایک ضمیر جمع کی ذکر کیے گئے۔ فَاسْتَمِعُوا لَهُ ، وَأَنْصِتُوا ، لَعَلَّكُمْ ، تُرْحَمُوْنَ۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

یہ حضرت ابنِ عباسؓ کے فرمان کے مطابق باتیں ذکر کی گئی ہیں کہ انھوں نے فرمایا وَاذْكُرْ رَّبَّكَ میں ذکر سے قرأت کرنا مُراد ہے بحوالہ حاشیہ جلالین ص۱۴۱ لوہ اسی فرمان کو صاحب توضیح الکلام نے بھی ص۱۱۵ پر علامہ قرطبیؒ کے الفاظ قدروی سے ذکر کیا ہے اور ذکر کرکے بڑی خوش فہمی سے فتح کے خواب وخیال دیکھے ہیں۔ لیکن وہ بگوش ہوش سن لیں کہ حضرت ابنِ عباسؓ کے فرمان کا یہی مطلب ہے جو اُوپر بیان ہُوا۔ وہ مطلب نہیں جو آپ کشید کرکے خوش ہو رہے ہیں۔ ہو سکتا ہے وہ یہ کہہ دیں۔ ؎

بہار آئی ہے غنچے کھل رہے ہیں مرے دل! تو بھی دو دن مُسکرا لے

لیکن حضرت ابنِ عباسؓ کے فرمان کے برعکس حافظ ابنِ کثیرؒ اور بعض اور مفسرین کرامؒ کے فرمان کے مطابق اس آیت کریمہ کا محل اور اس کے حکم کا مصداق وہ حضرات ہیں جو نماز کے بعد یا مختلف اوقات میں تسبیح، تہلیل، درود شریف، ادعیہ اور اذکار پڑھا کرتے ہیں اذکار و اوراد کے پڑھنے والے ہر ایک اپنے اپنے مناسب حال انفرادی طور سے اوراد و اذکار پڑھا کرتے ہیں اس لیے آیت کریمہ میں مفرد صیغے لائے گئے ہیں اور ضمیریں بھی۔ بہرحال یہ آیت پہلی آیت کا تتمہ نہیں ہے کہ جن لوگوں کو فَاسْتَمِعُوْا وَاَنْصِتُوْا کا خطاب کیا گیا۔ انہی کو اس میں بھی خطاب کیا گیا ہو؟ اگر حضرت ابنِ عباسؓ کی تفسیر کو دیکھا جائے تو اوّل مخاطب مقتدی ہیں اور اس ثانی میں امام کو ہدایت کی گئی ہے کہ دن کی نمازوں میں خفیہ سرّا قرأت کرے اور رات کی نمازوں میں جہر سے قرأت کرے لیکن زیادہ اونچا نہ پڑھے۔ اس تقدیر پر یہ کہنا درست نہیں کہ حنفیہ اوّل آیت کو پڑھتے ہیں اور دوسری کو نہیں دیکھتے کہ حکم دیا گیا ہے کہ استماع کرنے والو خفیہ قرأت کر سکتے ہو اور اگر بقیہ مفسرین حضرات کے فرمان کو دیکھا جائے تو اوّل میں جماعت والے لوگ مخاطب ہیں اور دوسری میں ادعیہ و اذکار پڑھنے والے حضرات مُراد ہیں کہ تم خفیہ پڑھو تو پڑھ سکتے ہو اور جہر متوسط بھی کر سکتے ہو۔ ان کو پہلے لوگوں کا حکم نہیں دیا گیا کہ تم سُنتے ہوئے بھی خفیہ قرأت کر سکتے ہو۔ جیسے کہ صاحب خیر الکلام و صاحب توضیح الکلام اس بات پر مُصر ہیں کہ انصات اور خفیہ قرأت آپس میں منافی نہیں۔ جیسے کہ ان کا قول بار بار گزر چکا ہے۔ ان کا اعتراض بہ حال لغو ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

[illegible] تفسیر ابن کثیر ص۲۶۳ میں ان لوگوں کے قول کی تردید کی جو اس [illegible] آیت [illegible] کا تحریر بناتے ہیں۔ فرماتے ہیں، قد زعم ابن جریر وقبله عبد الرحمن بن زید بن اسلم ان المراد بها امر السامع للقرآن فی حال استماعه بالذکر علی هذه الصفة وهذا بعید مناف للانصات المأمور۔ آخر میں فرمایا: فهذا الذی قالا لا یتابعا علیه یعنی امام ابن جریرؒ اور عبد الرحمٰنؒ بن زید نے اس آیت وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ کی تفسیر میں فرمایا کہ اس خطاب سے وہی لوگ مراد ہیں جو اوّل آیت فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا میں مخاطب تھے۔ یعنی اے قرآن کو سُننے والو استماع کرتے ہُوئے خداوند تعالیٰ کا ذکر آہستہ آہستہ کرتے رہا کرو۔ غافل نہ بننا۔ جب ذکر کر سکتے ہیں تو قرآن بھی مخفی طور سے پڑھ سکتے ہیں۔ اس طرح فاتحہ خلف الامام کی گنجائش انھوں نے بزور نکالی۔ لیکن اس کے بعد مفسّر ابن کثیرؒ فرماتے ہیں کہ یہ کہنا انصات مأمور کے منافی ہے۔ جو گزشتہ آیت میں مذکور ہو چکا ہے۔ اسی وجہ سے اور کسی مفسّر نے ان دونوں کی اس بات میں موافقت نہیں کی اور اس کو نہیں لیا بلکہ یہ کہنا استماع مأمور کے بھی مخالف ہے جیسے امام رازیؒ کے کلام میں مفصل گزر چکا ہے۔ مزید غور فرمائیں تو یہ معنیٰ سیاق وسباق کے بھی مخالف ہے اس کا تعلق اگر ان سابق لوگوں سے ہوتا تو سابق کی طرح اس آیت کریمہ میں بھی صیغے اور ضمیریں جمع کی لانی مناسب تھیں وَاذْكُرُوا رَبَّكُم فی نفوسکم تضرعا وخیفة ودون الجهر (الی) ولا تکونوا من الغافلین۔ جیسے گزشتہ آیت میں مذکور ہے۔ آیت میں سیاق کا بدلنا عاقل و فہیم کے لیے قوی حجّت ہے کہ دوسری آیت کریمہ یعنی وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ میں مخاطب وہ لوگ نہیں ہیں جو اوّل میں ہیں۔ یہی حضرت ابنِ عباسؓ نے سمجھا جیسے ان کا فرمان گزرا۔ یہی مفسّر حافظ ابنِ کثیرؒ اور تمام دیگر مفسّرین کی رائے ہے۔ جیسے ابھی معلوم ہُوا۔ زمانۂ حال کے اہلِ حدیث شیشہ لے کر اپنے منہ کو دیکھ لیں کہ ان کے مروّج عمل فاتحہ خلف الامام کا جہری نمازوں میں ساتھ ساتھ پڑھنے پر کسی مفسّر ومحدّث کا عمل نہیں ہے محض غلط کاری ہے، جو کر رہے ہیں۔ ابھی آپ نے حضرت حافظ ابنِ کثیرؒ کے کلام میں دیکھا پڑھا کہ اس طرح کہنے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

والے صرف ابنِ جریرؒ اور عبدالرحمٰنؒ بن زیدؒ ہی ہیں اور کوئی بھی مفسر اور محدث ان کی موافقت کرنے والا نہیں ہے۔ ھٰذا الذی قالا لا یتابعا علیہ۔ ہم نے پہلے امام بخاریؒ کا فرمان نقل کیا کہ وہ سکتات میں پڑھنا کہتے ہیں۔ حافظ ابنِ حجرؒ امام کے ساتھ ساتھ پڑھنے کو ارتکاب منہی کہتے ہیں۔ حوالہ گزر چکا ہے انہ یوقعہ فی ارتکاب المنہی اور حافظ ابنِ تیمیہؒ کا قول بھی کہ وہ ایسے لوگوں کے بارے میں کَمَثَلِ الْحِمَارِ فرماتے ہیں گزر چکا ہے امام ترمذیؒ کا فرمان بحوالہ ص۷۲ بھی گزر چکا ہے کہ اکثر محدثینؒ سکتات میں پڑھنے کے قائل ہیں یہ بتائیں کہ معیت امام کی پڑھنے میں کس کس نے کہا ہے؟ بے چارے نام نہاد اہلِ حدیث عوام کو دھوکہ میں ڈالے ہوئے ہیں۔ خدا کے لیے ان پر رحم کریں ان کو سچ سچ بتائیں ورنہ اس غلط چال کی ذمہ داری علماء اہلِ حدیث پر ہوگی۔

خیر الکلام والے کہتے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ سب صورتیں جائز ہیں۔ آگے پڑھے، پیچھے پڑھے، ساتھ ساتھ پڑھے مگر سلف صالحینؒ کا عمل معیت میں پڑھنے کا بتائیں جس کے وہ مدعی ہیں۔ قاضی بیضاویؒ نے بھی جمہور مفسرینؒ کرام کے ساتھ موافقت کرتے ہوئے کہ آیتِ کریمہ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ میں تسبیح، تحمید، ادعیہ، اذکار کا بیان کرنا مقصود ہے کہ معمولی جہر اور اخفاء دونوں پڑھے جا سکتے ہیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ ایک احتمال یہ بھی بیان کیا گیا ہے: او امر للمأموم بالقرأۃ سرًا بعد فراغ الامام من قرأۃ الفاتحۃ کما ھو مذھب الشافعیؒ یعنی اس کو پہلی آیت کا تتمہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ مقتدی کو فاتحہ پڑھنے کی اس میں اجازت دی گئی ہے لیکن امام کے فاتحہ پڑھنے سے فارغ ہو جانے کے بعد جیسے کہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے۔ اس میں امام بیضاویؒ نے مذہبی پاسداری کرتے ہوئے خلافِ ظاہر آیتِ کریمہ وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ کو ماقبل والی آیت کا تتمہ بنا کر فاتحہ خلف الامام کی گنجائش نکالی مگر امام کے قرأت سے فارغ ہونے کے بعد جس کا شرعاً کوئی ثبوت نہیں ہے۔ لیکن غیر مقلدوں کی طرح ساتھ ساتھ پڑھنے کی اجازت نہ دی۔ امام کے فاتحہ سے فارغ ہونے کے بعد فاتحہ خوانی کا ارشاد فرمایا۔ وہ جانتے ہیں کہ مقتدی کا امام کے ساتھ فاتحہ خوانی کرنا گناہ ہے،

Telegram : t.me/pasbanehaq1

قبیح ہے۔ اس لیے بعد فراغ الامام من الفاتحۃ پڑھنا کہا اسی لیے ہم نے عرض کیا تھا کہ حضرات محدثینؒ و مفسرینِ عامۃؒ اس کے خلاف ہیں۔ حضراتِ اہلِ حدیث کو فاتحہ خوانی ہی کرنی ہے تو ان حضراتِ شافعیہؒ کے موافق چلیں مقلدین کی ایک جماعت کا سہارا تو حاصل ہو جائے گا اب تو وہ متفرد ہیں۔ میں صرف خلف الامام فاتحہ خوانی میں تفرد نہیں کہتا بلکہ انھوں نے جو جگہ پڑھنے کی تجویز کی ہے اس میں تفرد کہتا ہوں۔ مفسّر حافظ ابن کثیرؒ نے صرف دو کا نام لیا ہے کہ وہ مع الامام پڑھنا کہتے ہیں لیکن ساتھ ہی اس کی تردید بھی انھوں نے کردی ہے اور تردید نہایت صحیح کی ہے، قوانینِ کتاب و سنّت کو ملحوظ رکھتے ہوئے کی ہے اور وہ حنفی بھی نہیں ہیں کہ اس کو ضد پر محمول کیا جائے۔

گزشتہ باتوں کو دیکھ لیا جائے۔ اس کے بعد قاضی بیضاویؒ کے تجویزی احتمال کو بھی دیکھ لیں معلوم ہو جائے گا کہ وہ بھی بے جان ہے آپ جانتے ہیں کہ احتمالات سے دلیل نہیں بنتی۔ خاص کر جب کہ وہ احتمال خلاف ظاہر بھی ہوں دیکھیے قرآنِ کریم نے وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِىْ نَفْسِكَ عام ذکر رب فی النفس فرمایا ہے۔ اقراء فی نفسک نہیں فرمایا کہ آپ خفیہ قرأت خلف الامام اور جہر مع الامام کی اجازت اس سے نکالیں عام ذکر رب فی اىّ وقت کی تفسیر یہ بیان کی گئی ہے ھو عام فی الاذکار من قرأۃ القران والدعاء والتسبیح والتھلیل۔ (تفسیر مدارک)

دوسری بات کو بھی دیکھیں کہ ما قبل کی آیت میں خطاب اور طرح بصیغہ جمع ہے۔ اور اس آیتِ کریمہ میں اور طرح بصیغہ مفرد ہے۔ تفصیل گزر چکی ہے۔ اس لیے ان کا بیان کردہ احتمال او امر للمأموم بالکل خلاف ظاہر ہی ہوا۔ اسی کو ایجادِ بندہ کہتے ہیں۔

قاضی بیضاویؒ نے بھی اوّل میں عام مفسرینؒ کے موافق آیت کا محمل عام ذکر، تسبیح اور تحمید وغیرہ بتا کر پھر فرمایا: او امر للماموم بالقرأۃ سرًا۔ یہ احتمال ہی کے درجے میں فرمایا۔ البتہ قرأت سرًّا کو بعد فراغ الامام من الفاتحۃ سے مقید کر دیا اور کما ھو مذھب الشافعیؒ فرما کر یہ واضح کر دیا کہ حضرت امام شافعیؒ بھی ساتھ ساتھ پڑھنے کے قائل نہیں ہیں تاکہ انصات ماموراور استماع مذکور کے خلاف نہ بنے۔

حضرت عبدالرحمنؒ بن زیدؒ نے اگرچہ حین الاستماع ہی قرأت کرنا کہا تھا جیسے کہ گزر چکا ہے اور اس کی تردید بھی اسی وجہ سے کی گئی ہے کہ یہ انصات مامور کے خلاف ہے لیکن قاضی بیضاویؒ نے اس سے بچاؤ کر لیا اور بعد فراغ الامام من الفاتحۃ فرما دیا۔ لیکن اس میں یہ احتمال ہی کہ مقتدیوں کو حکم ہے کہ سرًا قرأت کریں، نظمِ قرآنی کے خلاف ہے اسی لیے بعض مفسرین حضرات نے اس کا مصداق امام کی قرأت سرًا اور ما دون الجہر ہونا فرمایا۔ جیسے کہ حضرت ابنِ عباسؓ کے کلام میں گزرا ہے اور بعض حضرات نے اس کا مصداق عام اذکار و اوراد جو انفرادی طور سے پڑھے جاتے ہیں قرار دیا کہ اس میں ذکر بالسر و بالجہر کا بیان ہے جیسے کہ بعض حضرات صوفیائے کرامؒ کے کلام میں بشرط اللہ اس کا تذکرہ پایا جاتا ہے۔ اس کے بعد میں اہلِ حدیث حضرات سے دجو دوسری آیت کو مقتدیوں کا مسئلہ بناتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس میں مقتدیوں کو کہا گیا کہ وہ امام کے پیچھے قرأت کریں لیکن سرًا پڑھا کریں۔ یعنی وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ سے یہی مراد ہے ہے۔) کہتا ہوں کہ اس کے بعد آیت میں اس کا معطوف وَدُونَ الْجَهْرِ واؤ عاطفہ سے مذکور ہے اس کو بھی ساتھ ملانا ہوگا کہ امام کے پیچھے خفیہ یعنی سرًا پڑھا کرو۔ اور دُونَ الْجَهْرِ یعنی مغرب، عشاء اور فجر جیسی قرأت بھی کر سکتے ہو کہ جہر تو ہو مگر زیادہ نہ ہو اس میں تو آہستہ اور کم درجے کا جہر دونوں جمع ہو گئے۔ معطوف علیہ کو لے لینا اور معطوف سے نظر ہٹا لینا وہی لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ کو پڑھنا اور وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى سے خاموش رہنا ہی بنتا ہے۔ کیا امام کے پیچھے اس کے پڑھتے ہوئے یا بعد الفراغ من الفاتحۃ اس طرح کی قرأت کرنا جائز ہے؟ یہ سوال قاضی بیضاویؒ کے احتمال او امر للمأموم بالقرأۃ سرًا پر بھی وارد ہوتا ہے کیونکہ بالقرأۃ سرًا کے بعد دُونَ الْجَهْرِ بھی مذکور ہے۔ جس کا معنی یہ ہو جائے گا کہ مقتدیوں کو جہر سے کم درجہ کی قرأت بھی جائز ہے اسی لیے جلالین ص۱۴۵ میں فرمایا وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِي نَفْسِكَ سرًا وفوق السر وَدُونَ الْجَهْرِ یعنی ذکر دونوں طرح جائز اور درست ہے۔ آپ لوگوں نے تو اس کو مقتدی کا حکم بنا دیا۔ فاضل اہلِ حدیث اوکاڑوی نے رسالہ میں جو معنی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کہے ہیں۔ آہستہ قرأت کیا کرو۔ اونچا نہ پڑھا کرو۔ یہ تحریف ہے۔ واؤ عاطفہ کا معنی چھوڑ ہی گئے دو قسموں کی بجائے ان کو ایک ہی بنا دیا ہے یہ سب چالاکی ہے جو مطلب سازی کے لیے کی گئی ہے۔ (اعاذنا اللہ من ذلک) اسی لیے میں عرض کرتا ہوں کہ اے حضرات! معطوف یعنی وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ کو بھی ساتھ ملا کر مسئلہ بیان کیا کیجیے۔ وَلَا تَكُنْ مِّنَ الْغَافِلِيْنَ۔ اسی آیت کے آخر میں آیا ہوا ہے۔ فاضل اوکاڑہ مصنف رسالہ فتاوٰی اولیائے کرام کی طرح فاضل مصنف خیر الکلام بھی اسی راستے پر چلے ہیں۔ شاید آپس میں اُستاد شاگرد ہی ہوں۔ خیر الکلام ص ۶۸ کو دیکھ لیں مصنف فاضل نے آیتِ کریمہ لکھی اور ترجمہ صرف اوّل حصّے معطوف علیہ کا کر دیا اور وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ کا ترجمہ ہی چھوڑ دیا۔ کیونکہ اس میں گلے پر چھری چلتی ہے اوّل حصّہ مطلب سازی کے لیے قوم کے سامنے پیش کر دیا اور دوسرے حصّے کو کھا ہی گئے۔ جو چال یہودی عالم نے آیتِ رجم میں چلی تھی۔ یہ تحریف اسی کی طرح ہے یا نہیں؟ صاحب خیر الکلام نے حیا کے مارے آیت تو پوری لکھ دی۔ ترجمہ آدھی کا اُڑا گئے اور ان کے شاگرد رشید صاحب توضیح الکلام نے تو ذرا قوی چال چلی اور آیتِ کریمہ بھی وَاذْكُرْ رَّبَّكَ فِيْ نَفْسِكَ تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً تک لکھ کر مطلب سازی کی۔ مگر وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ کے الفاظ لکھنے کی ہمّت ہی نہ ہوئی کہ شاید جہلاً پیروکاروں میں سے کوئی بے چارہ معمولی سمجھ کی بنا پر جرأت کر کے اس لفظ کا ترجمہ ہی پوچھ بیٹھے اور راز فاش ہونے پر کہیں شرمندگی ہی نہ اُٹھانی پڑے اس لیے انھوں نے ذرا چالاکی کر کے آدھے لفظ ہی اُڑا دیئے۔ اور پھر اسی پر بس نہیں بلکہ اسی توضیح الکلام ص ۱۱۱ پر اسی آیت کی من مانی اور پسندیدہ تفسیر جن کر امام ابنِ جریرؒ کا حوالے دیتے ہوئے ان کے جو الفاظ نقل کیے ہیں اس کے آخر میں وَدُوْنَ الْجَهْرِ مِنَ الْقَوْلِ کے الفاظ تو نقل کر دیئے ہیں لیکن ان الفاظ کے معنیٰ سے بالکل آنکھیں بند کر گئے ہیں۔ کاش کہ "ایں خانہ ہمہ آفتاب است" کی طرح ایک مقولہ "ایں خانہ ہمہ چالباز است" بھی ہوتا جو ان جیسے استادوں اور شاگردوں پر صادق آتا مگر بایں ہمہ وہ موردِ الزام احنافؒ کو قرار دیتے ہیں جن کا دامن دلائل اور صبر و وفا سے لبریز ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہے سُنّت اربابِ وفا صبر و توکل
چھوٹے نہ کہیں ہاتھ سے دامانِ خدا دیکھ

جو الزام فاضل اوکاڑوی نے ہم پر لگایا تھا کہ حنفیہ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَ پڑھتے ہیں آگے نہیں جاتے حالانکہ وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ بھی آیا ہوا ہے یعنی آہستہ سے قرأت کرلیا کرو۔ یہ لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوۃَ کا پڑھنا اور وَاَنْتُمْ سُکَارٰی سے خاموشی ہے۔ یہی بات آپ حضرات پر چسپاں ہو رہی ہے آپ آیت کریمہ کا صدر حصّہ تو پڑھتے ہیں اور آگے نہیں جاتے۔ وَدُوْنَ الْجَھْرِ مِنَ الْقَوْلِ معطوف کو کھا پی جاتے ہیں۔ مجرم ہم کو کہتے تھے مگر قصور اپنا نکل آیا۔ یہ حضرات من حفر بئرًا لاخیہ فقد وقع فیہ کا کیا صحیح مصداق ہیں؟ کیا یہ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَکُمْ پر عمل نہیں ہو رہا ہے؟

ہم احناف تو بحمد اللہ تعالیٰ سب پر عمل کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ قرأت امام کا کام ہے اور استماع و انصات مقتدی کا کام ہے۔ ہم حضرت ابن عباسؓ کے فرمان (کہ اس آیت میں امام کی قرأت کا بیان ہے) قرأت سرًّا اور ما دون الجھر دونوں امام کرتا ہے، کے بھی قائل ہیں اور بقول عامہ مفسرینؒ (کہ اس آیت میں ذکر و اذکار کا بیان ہے) ذکرِ الٰہی جس طرح بھی ہو سرًّا اور ما دون الجھر لوگ کیا ہی کرتے ہیں ہر شخص اپنی مرضی کے مطابق کیا کرتا ہے اس کو بھی مانتے ہیں لیکن آپ غیر مقلدین امام کے ساتھ ساتھ فاتحہ خوانی کرتے ہیں یہ فَاسْتَمِعُوْا وَاَنْصِتُوْا کے بالکل خلاف ہے۔ اور عام مفسرینؒ و محدثینؒ حضرات کے عمل کے بھی مخالف ہے اور تم امام کے پیچھے سرًّا پڑھتے ہوئے معطوف علیہ پر عمل کرنے کے مدعی تو ہو لیکن معطوف وَدُوْنَ الْجَھْرِ کے منکر ہو تم جب اس کو مقتدی کے ساتھ لگاتے ہو اور اس کو اس کی قرأت کا بیان کہتے ہو تو مقتدی کو امام کے ساتھ ساتھ وَدُوْنَ الْجَھْرِ یعنی فجر، مغرب اور عشاء جیسی قرأت کی اجازت بھی دو یا بقول حضرت علامہ بیضاویؒ، امام شافعیؒ کے مذہب کے موافق امام کے سکتہ آمین میں فاتحہ خوانی کرو اور معطوف وَدُوْنَ الْجَھْرِ کے انداز کی قرأت کیا کرو۔ اس معطوف پر

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کون عمل کرے گا؟ غلط چال پر ہمیشہ ٹھوکریں ہی لگتی ہیں۔ اگر حنفیہؒ کے ساتھ جُڑنا پسند نہیں کرتے تو حضراتِ شافعیہؒ کے ساتھ ہی جڑ جاؤ۔ انفرادی چال اور وہ بھی بارہ سو سال بعد والی قصورِ علم اور نقصان عقل کی دلیل بنتی ہے نام سلفی ہے اور عمل سب کے خلاف خَلفی ہے اسی لیے ہم نے پوچھا کہ امام کی معیت میں قرأت کے عمل میں آپ کے پیش رو کون کون سے اسلاف ہیں۔ فاتحہ خوانی تو کئی کرتے ہیں لیکن وہ سکتات میں کرتے ہیں۔ آپ اپنا ساتھی بتائیں۔ جس راستے کو سب نے خطرناک سمجھ کر چھوڑ دیا ہے اس کو آپ نے اپنا لیا اور اپنا معمول بنا لیا ہے۔ صرف قول سے ان سے ملنے کا دعویٰ کیا کہ ہم سب جائز سمجھتے ہیں لیکن عمل میں سب کے مخالف چلتے ہیں۔ اللّٰھم اھدنا فیمن ھدیت۔

آخر آپ حضرات کو سوچنا چاہیے کہ واختار اھل الحدیث ان لا یقرأ الرجل مع الامام اذا جھر بالقراءۃ کے قاعدہ سے اختلاف کیوں کیا گیا؟ اگر انھوں نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ناراضگی کو دیکھتے اور سُنتے ہوئے اس سے بچاؤ کے لیے ساتھ ساتھ پڑھنے کا عمل ترک کیا تو آپ کیوں دلیری کر کے اسی متروک کو معمول بناتے ہیں؟ آخر یہ حضرات سلف صالحین نہ تو بے دین تھے اور نہ کم علم تھے لہٰذا قوم کو اس متروکِ جمہور عمل کی تعلیم نہ دیں۔ فاتحہ کی بحث دلیل کا نتیجہ میں نے آپ کے سامنے عرض کر دیا ہے۔ وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ یہ جو میں نے لکھا ہے اپنے خیال کے مطابق لکھا اور بعد میں حضرت شیخ علامہ وحید العصر مولانا سید محمد انور شاہ صاحب کاشمیری نور اللہ مرقدہٗ کی کتاب مشکلات القرآن کو دیکھا اس میں یہ سب کچھ پایا جو عرض کیا گیا ہے۔ وللہ الحمد والمنۃ۔ ہاں حضرت کی عبارت نہایت مختصر انداز کی ہوتی ہے۔ آپ فرماتے ہیں۔ کہ آیت وَاذْکُرْ رَّبَّکَ فِیْ نَفْسِکَ میں مراد واللہ تعالیٰ اعلم ذکر قلبی اور تدبر فی آیات اللہ کرنا مقصود نہیں ہے کیونکہ اس کے بعد اس کا معطوف بھی وَدُوْنَ الْجَھْرِ آرہا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں قراۃ کلام الٰہی کی دو قسموں کو بیان کرنا مقصود ہے۔ معطوف علیہ فِیْ نَفْسِکَ میں قرأت سریہ ہے اور معطوف وَدُوْنَ الْجَھْرِ میں قرأت جہریہ ہے جس کو فقہاء کرامؒ جہری قرأت کہا کرتے ہیں۔ قرآن کریم میں اسی کو وَدُوْنَ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

الجھر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ چنانچہ مشکلات القرآن ص۱۸۴ میں ہے: ان الذکر فی النفس لیس ھو التذکر (الی) بل المراد به الاجراء علی اللسان سرا ومخافتة کالصلوٰة السریة وقوله وَدُوْنَ الْجَهْرِ ھو الجھر فی عرف الفقھاء وذٰلك انه لو اکتفیٰ بقوله وَاذْكُرْ رَبَّكَ بدون القید اے فِیْ نَفْسِكَ لاحتمل التذکر فلمّا ذکره علم اِنّ المراد بقوله فِیْ نَفْسِكَ معادلة وَدُوْنَ الْجَهْرِ وان فی نَفْسِكَ طرف ودون الجھر طرفه الاٰخر (الی) وقوله وَدُوْنَ الْجَهْرِ اِذًا عطف علیٰ قوله فی نفسك عطف الظرف علی الظرف لا علیٰ قوله تَضَرُّعًا وَّخِيْفَةً ولیس دون بمعنی سِوٰی و اِلّا لکان الاظھر حذف واو العطف انتھٰی ۔ اور مشکلات ص۱۸۵ میں ہے: ثم انه ذکر بصیغة المفرد لانه لم یراع فیه الجماعة بخلاف وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فھو للمقتدین فی الصّلوٰة ولیس فی توبیخ الکافرین کاٰخر سورة الانشقاق ونحوہ انتھیٰ کلامه لشریف رحمه الله تعالیٰ۔

ترجمہ: یعنی فرمانِ الٰہی وَاذْكُرْ رَبَّكَ فِیْ نَفْسِكَ سے مراد دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ کو یاد کرنا مُراد نہیں۔ بلکہ اس کے کلام کو زبان سے پڑھنا مُراد ہے۔ پڑھنا دو طرح کا ہوتا ہے۔ سرّا یعنی مخفی ہو۔ جیسے دن کی نمازوں میں قرأت کی جاتی ہے یا جہر سے پڑھنا جیسے رات کی نمازوں میں پڑھا جاتا ہے۔ اس کو فقہاءؒ کی اصطلاح میں جہری قرأت بھی کہتے ہیں اور یہی وَدُوْنَ الْجَهْرِ میں مُراد ہے۔ یہ وَدُوْنَ الْجَهْرِ قسم ثانی ہے اور معطوف ہے۔ قسم اوّل پر (یعنی فِیْ نَفْسِكَ پر) جیسے ظرف کو ظرف پر معطوف کرتے ہیں اور یہ اس لیے کہ اگر اس سے صرف قلبی ذکر ہی مراد ہوتی تو وَاذْكُرْ رَبَّكَ کافی ہو جاتا۔ جب اس کے بعد فِیْ نَفْسِكَ اور اس کا معطوف وَدُوْنَ الْجَهْرِ کو بھی لایا گیا تو اس سے معلوم ہوا کہ دو قسمیں بیان کرنا مقصود ہیں۔ صرف ذکر قلبی ہی مراد نہیں۔ اور وَدُوْنَ الْجَهْرِ میں دُوْنَ سِوٰی کے معنی میں نہیں ہے کہ ذکر خفیہ کیا جائے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اونچا نہ کیجئے۔ کیونکہ اس صورت میں مخافت خفیہ کا معنی ہی نہیں پایا جاتا۔ حالانکہ وہ موجود ہے۔ اسی طرح فاضل دکاتروی نے خفیہ کیا جس کو ہم نے تحریف کہا، بلکہ دُوْنَ کا معنی ذرا سے اونچے کے ہے۔ وہ مراد ان دونوں قسموں سے قرأت کرنا ہے یعنی خفیہ قرأت بھی کرسکتے ہو جیسے دن کی نمازوں میں اور جہری قرأت بھی کرسکتے ہو جیسے رات کی نمازوں میں۔ قرآن وَلَا تُخَافِتْ سے تعبیر کیا اور دوسری قسم کو وَدُوْنَ الْجَهْرِ کا معنی اونچے چلانے کے درجے سے کم درجے کا پڑھنا کرسکتے ہیں۔ یہاں اونچی منع کیا گیا ہے اور انکہ لاتجہروا صلٰوتکم ولا تخافت سے اس کی تردید کی گئی ہے پھر یہ بھی فرمایا کہ پہلی آیت میں صیغے جمع کے لائے گئے اور یہ خطاب نماز کے مقتدیوں کو ہے اور دوسری آیت میں مفرد کا صیغہ لایا گیا اس سے مراد خارج از نماز قرأت کا پڑھنا یا امام کا پڑھنا ہے تو دونوں طرح سے بیان کیا گیا ہے لہٰذا دونوں درست ہیں۔

الدلیل الثانی للانصات عند قرأتہ

اگرچہ انصات کا تذکرہ پہلی دلیل میں گزر چکا ہے لیکن وہاں ضمنی طور پر کچھ مزید معروضات پیش کی گئی تھیں اس مقصود اس جگہ استماع و انصات کو موضوع بحث کیا گیا ہے۔ استماع کان کا کام ہے اور انصات زبان سے تعلق رکھتا ہے۔ سمع اور استماع میں بھی فرق ہے۔ سمع سننے کو کہتے ہیں اور استماع کان لگا کر توجہ سے سننے اور گوش داشت کو کہتے ہیں۔ یہ پہلے امام رازی کے کلام میں گزر چکا ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ زیادتی حروف معنی کی زیادتی پر دلالت کرتی ہے جیسے لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ میں ہے۔ کہ معمولی سا خیال نیکی کا کیا جائے جس کو عمل میں نہ لایا جائے تو اس پر ثواب مل جاتا ہے اور گناہ اس درجہ میں ماخوذ نہیں ہوتا جب تک عزم مصمم نہ پایا جائے۔ مختصر اشارہ کر دیا ہے تفصیل کا موقع نہیں۔ استماع میں حروف زیادہ ہیں اس لیے اس میں کامل توجہ سے سننے کا معنی کیا جاتا ہے کہ جس میں دوسری کسی چیز کی طرف دھیان نہ کیا جائے۔ اسی لیے کہا گیا کہ استماع کرنا قرأت کے منافی ہے اور انصات زبان کا سکوت اور سکون ہے اسی لیے قرآن کریم میں جب لَا تُحَرِّكْ بِهٖ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

لِسَانَكَ فرمایا گیا ونیز فَاِذَا قَرَأْنٰهُ ... الخ فرمایا گیا تو حضرت ابن عباسؓ نے اس موقع پر استمع اور انصت فرمایا تاکہ ... وہ ان دونوں کا پابند ہو جائیں۔ ایک حدیث میں ہے کہ آپ نے شاگرد عکرمہ کو حضرت ... بطور نصیحت فرمایا مشکوٰۃ ص ۳۰

وقال رواه البخاري لا ألفينك تأتي القوم وهم في حديث من حديثهم فتقص عليهم فتقطع عليهم حديثهم فتملهم ولكن أنصت فإذا أمروك فحدثهم وهم يشتهونه۔ حاصل

یعنی میں تمہیں ایسا نہ پاؤں کہ تم کسی قوم کے پاس جاؤ اور وہ اپنی کسی بات میں لگے ہوئے ہوں اور تم بات چیت ان کو اپنی حدیثیں سنانے لگو کیونکہ اس سے وہ دل برداشتہ ہو کر تمہاری باتیں پوری نہ ہونے دیں اور اکتا جائیں۔ بس جاؤ تو خاموش بیٹھ جاؤ۔ جب وہ تمہیں فرمائش کریں تب ان کو حدیث سناؤ۔

دیکھئے کہ انصات کا لفظ اس حدیث میں محض خاموشی کے لئے استعمال کیا گیا ہے۔ اور قرآن کی آیت فَانْصِتُوْا کا معنی بھی لوگ اسے ہی سمجھا کرتے ہیں۔ یہ تو صرف غرض پوری کرنے کی بات ہے ورنہ لغوی حقیقت کے خلاف ہے۔ گذشتہ بحث میں لغت کے چند مواقع استعمال بیان کئے گئے ہیں کہ یہ لفظ صرف خاموشی میں استعمال کیا جاتا ہے۔ وَاِذَا قُرِئَ فَانْصِتُوْا حدیث ہونے کی وجہ سے ... نہیں ہے۔ یہ مقتدی کو قرأت کرنے سے منع کرتی ہے۔ خواہ سر ہی قرأت کرے ورنہ حدیث ... آیت کریمہ سے لگتی ہے۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ جس کا بیان گزر چکا ہے۔

حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کے تساہل کا شکوہ

اس مقام میں حافظ ابن حجرؒ نے لفظ انصات اور سکوت میں فرق نہ کیا دونوں کو ایک ہی بنا دیا اور ایک حدیث بخاری شریف کی نقل کی جس میں ہے کہ کسی نے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے پوچھا کہ آپ تکبیر افتتاح اور قرأت اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کے جو سکوت فرمایا کرتے ہیں اس میں آپ کیا پڑھا کرتے ہیں؟ آپ نے فرمایا میں اس میں

Telegram : t.me/pasbanehaq1

دُعا و ثنا پڑھا کرتا ہوں۔ الفاظ یہ ہیں : یارسول اسکاتك بین التکبیر والقرأۃ ماتقول فیہ قال اللّٰھم باعد بینی و بین خطایای .... الخ فرماتے ہیں کہ سکوت اور پڑھنا اس میں دونوں جمع ہو رہے ہیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی انصات کرتے ہوئے خفیہ قرأت بھی کرسکتا ہے۔ یہی بات مصنف خیر الکلام کو مل گئی اور خوشی کی کہ مقتدی کو امام کے ساتھ ساتھ پڑھنے کی گنجائش نکل آئی۔ لیکن یہ خیال نہ کیا کہ قرآنِ کریم و حدیث میں اَنْصِتُوْا کا لفظ ہے۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ واسکتوا نہیں فرمایا اور حدیث میں بھی اذا قرأ فاسکتوا نہیں فرمایا۔ بات جب صحیح ہوگی کہ حکمِ انصات کے موقع میں کلام کرنا اور قرأت کرنا ثابت کیا جائے۔ اس کے علاوہ یہ بھی سوچیں کہ اگر انصات سکوت کے معنوں میں ہے اور اس میں خفیہ پڑھنے کی گنجائش ہے، اور ممانعت نہیں اور اس لیے امام کی قرأت کے وقت خفیہ طور سے مقتدی کا پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ جیسے کہ اہلِ حدیث حضرات پڑھا کرتے ہیں تو حضرت امام شافعیؒ نے یہ راستہ کیوں چھوڑا ہے؟ وہ تو فاتحہ کے بعد وَلَا الضَّآلِّیْنَ والے سکتے ہیں فاتحہ خوانی کا حکم دیتے ہیں اور حافظ ابن حجرؒ نے خود ان کی تقلید کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ امام پر لازم ہے کہ وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے بعد اتنا سکتہ کرے کہ ان کے مقتدی اس میں فاتحہ پڑھ لیں ورنہ وہ قرأت کے وقت فاتحہ پڑھیں گے تو اس میں وہ مجرم اور گنہگار ہوں گے۔ کہ یہ منھی عنہ کا ارتکاب بن جاتا ہے۔ فتح الباری صـ۲۶۴ج۲ میں ہے: فعلی ھذا یتعین علی الامام ان یسکت فی الجھریۃ لیقرأ المأموم لئلا یوقعہ فی ارتکاب المنھی حیث لاینصت اذا قرأ الامام۔ اس جگہ تو امام کی قرأت کے زمانے میں مقتدی کا پڑھنا ارتکاب منہی اور جرم فرمائے ہیں اور صحیح بھی یہی ہے اور اسی لیے حضرت امام شافعیؒ نے مقتدی کو امام کے سکتے میں پڑھنے کا حکم دیا ہے کما مرّ مگر اس جگہ فرما رہے ہیں کہ اسکات پڑھنے سے مانع نہیں بنتا۔ دیکھیے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اسکات بین التکبیر و بین القرأۃ کے زمانے میں دعا پڑھا کرتے تھے: اللّٰھم باعد بینی و بین خطایای .... الخ اسی طرح انصات

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کے زمانہ میں بھی مقتدی آہستہ قرأت کرسکتا ہے۔ میں کہتا ہوں اگر انصات کے زمانے میں پڑھنا درست ہے تو پھر تو یہ صاف طور پر ارتکاب منہی عنہ ہے۔ حالانکہ وہ خود فرمارہے ہیں: لئلا یوقعہ فی ارتکاب المنھی.... الخ تو ان کے کلام میں تضاد ہے۔

حافظ ابن حجرؒ کے کلام میں ایک اور تساہل بھی ہے کہ ممنوع تو قرآن کریم کی قرأت کے وقت مقتدی کا قرأت کرنا ہے اور یہی وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا سے معلوم ہوتا ہے اور وجہ بھی گزر چکی ہے کہ اس سے قرآن کریم سے بے التفاتی بنتی ہے اور یہ احترام قرآن کے خلاف ہے جیسے کہ مفسر ابن کثیرؒ نے فرمایا اور حافظ ابن حجرؒ نے جو دُعائیہ کلمات بین التکبیر و بین القرأۃ پڑھنے کا ذکر کیا ہے کہ سکوت کے زمانہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پڑھے تو وہ زمانۂ قرأت قرآن میں نہیں پڑھے گئے۔ بلکہ وہ فاتحہ کی قرأت سے پہلے پڑھے گئے ہیں اور یہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کے نیچے نہیں آتے اور یہ پڑھنا ممنوع نہیں بنتا۔ اور اگر صرف سکتے میں پڑھنا کہیں کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سکتے میں پڑھا جا سکتا ہے تو ہم مطلق سکتے میں پڑھنے کا انکار نہیں کرتے۔ نماز میں تلاوت قرآن کریم کے وقت سکتہ میں پڑھنے کو ممنوع کہتے ہیں۔ اس لیے کہ ایسے سکتہ کا شرعًا کوئی ثبوت نہیں ہے۔ فرق کو سمجھیں اور اندھے کی طرح لاٹھی نہ چلائیں۔

علامہ بیہقیؒ کے رویہ کی شکایت ان کا مذہبی تعصّب اور بیجا حمایت

حضرات حنفیہ کرام کثرھم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ قرآن اور حدیث میں مقتدی کو امام کی قرأت کے وقت انصات کا حکم کیا گیا ہے۔ انصتوا اور انصات خالص خاموشی کو کہتے ہیں۔ نہ زبان ہلے نہ آواز پیدا ہو۔ اس لیے مقتدی کو اس وقت قرأت نہیں کرنی چاہیئے۔ امام کی قرأت اس کے لیے کافی ہے۔ اس کا خود پڑھنا قرآن کریم کے سننے میں نقصان دہ اور خلل انداز بنتا ہے اور بے توجہی بنتی ہے اور یہ ادب قرآن کے خلاف ہے اس لیے حضرت شارع علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے اس وقت خاموشی کا حکم دیا ہے اور

Telegram : t.me/pasbanehaq1

فرمایا ہے، اذا قرأ فانصتوا۔ اس کا بیان کئی دفعہ گزر چکا ہے لیکن بعض لوگوں کو اختلاف میں مزہ آتا ہے معمولی سہارا لے کر مخالف آواز بلند کر دیتے ہیں۔ دامنِ انصاف کو چھوڑ جاتے ہیں۔

علامہ بیہقیؒ کا ردیہ اس مقام میں اسی انداز کا ہے۔ فرمایا کہ انصات کا معنی یہ ہے کہ اونچا نہ پڑھا جائے۔ لوگ امام کے پیچھے اونچا پڑھتے تھے۔ اس سے ممانعت کی گئی ہے خفیہ قرأت کی جاسکتی ہے۔ اس پر عبداللہ بن عامر کی روایت بھی نقل کر دی۔ کانوا یرفعون اصواتھم خلف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فنزلت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا۔

حضرت مولانا عبدالحیؒ صاحب نے بھی یہ روایت حاشیہ شرح وقایہ ص۱۷۳ میں نقل کی ہے اور متعدد کتابوں کا حوالہ بھی دیا ہے کہ دارقطنیؒ، بیہقیؒ، ابن جریرؒ سب نے یہ روایت نقل کی ہے لیکن علامہ جمال الدین زیلعیؒ نے فرمایا کہ اس روایت کا راوی عبداللہ بن عامر ضعیف ہے۔ نصب الرایہ ص ۱۴ ج ۲۔ ایسی روایت متعدد کتابوں میں آجانے سے صحیح نہیں بن جاتی صحت بیماری کے علاج کو چاہتی ہے کسی بیمار کے نام کا بڑے ڈاکٹروں کے رجسٹروں میں آجانا اس کی صحت کا مثبت نہیں۔ استدلال رجال کے احوال کو دیکھ کر جرح سے سلامتی کے بعد ہوا کرتا ہے۔ فریق ثانی صحت کا ثبوت پیش کرے۔ مولانا عبدالحیؒ نے بھی رجال پر نظر نہیں ڈالی اور اس کو ذکر کر دیا ہے۔

صاحب خیر الکلام کو بھی موقع مل گیا ہے۔ ان کتابوں کا یہ حوالہ دے کر لوگوں کو منواتے ہیں اور کہتے ہیں اونچا پڑھنا منع ہے۔ قرأتِ مشوشہ منع ہے۔ کیا نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام حضرت جبرئیلؑ کی قرأت کے وقت اونچا پڑھا کرتے تھے کہ منع کیے گئے اور لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ فرمایا گیا؟ کیا حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پیچھے لوگوں نے اونچا پڑھا تھا جب کہ آپ نے انکاری لہجہ میں فرمایا: ھل قرأ معی احد منکم الی اراکم تقرءون۔ لعلکم تقرءون خلف امامکم وغیرہ یرفعون اصواتھم خلف رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کیا معنی؟

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ظہر کی نماز میں کسی نے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی پڑھا تھا۔ کیا اس نے جہر کیا تھا؟ ظہر کی نماز میں کون جہر کرتا ہے؟ ہاں معمولی انداز کی آواز میں پڑھا ہوگا۔ جس کو ھمس کہا جاتا ہے ایسی آواز سے کبھی قریب والا شخص سن لیتا ہے۔ قرآن کریم میں ہے وَخَشَعَتِ الْاَصْوَاتُ لِلرَّحْمٰنِ فَلَا تَسْمَعُ اِلَّا هَمْسًا۔ کہ سب آوازیں اللہ تعالےٰ کے سامنے حاضری کے وقت پست ہو جائیں گی۔ پس تو نہیں سنے گا مگر ھمس معلوم ہوا کہ ھمس سنائی دیتی ہے۔ آج کل جہالت کے زمانے میں بھی ظہر کی نماز میں کسی کو نہیں دیکھا سنا ہوگا کہ امام کے پیچھے جہر کیا ہو تو پھر حضرات صحابہ کرامؓ جیسے اذکیاء اُمت سے یہ توقع کیسے ہو سکتی ہے؟ صاحب خیر الکلام کے رویّہ پر افسوس ہے وہ لکھتے ہیں ص ۲۱۵ (کہ یہ انکار ان کی بے جا حرکت پر تھا امام کے ساتھ ساتھ جہر سے پڑھتے تھے) صرف مطلب سازی کے لیے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کی توہین کر رہے ہیں دیکھئے اگر وہ جہر کرتے تھے تو آپؐ نے ھل قرأ معی احد منکم بصیغہ استفہام کیسے فرمایا؟ لعلکم تقرؤون تردّد کے صیغے سے کیسے انکار کیا؟ اراکم تقرءون خلف امامکم گمان کے احتمالی عنوان میں یہ کیسے فرمایا؟ شاید مصنف خیر الکلام نے یہ الفاظ عبد اللہ بن عامر کی روایت کو دیکھ کر (کانوا یرفعون اصواتھم خلف رسول اللہ) کہہ دیئے ہیں اور بناء الفاسد علی الفاسد کے انداز میں یہ دونوں غلط ہیں۔ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مسئلہ کو کچھ مزید تفصیل سے بیان کر دوں تاکہ حق اور باطل واضح ہو کر سچ اور جھوٹ کی کامل تمیز ہو جائے اور اشتباہ رفع ہو جائے۔

حقیقتِ حال یہ ہے کہ ابو داؤد شریف ج۱ ص۱۲۰ کی روایت ہے کہ آپ صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے ایک صحابیؓ آئے اور انھوں نے امام کے پیچھے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی پڑھا۔ ظہر کی نماز میں قرأت خفیہ کی جاتی ہے۔ لیکن اس نے ایسے انداز سے پڑھا کہ پاس والوں نے سن لیا۔ الفاظ یہ ہیں: جَآءَ رجل فقرأ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کو بھی اس کے پڑھنے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کا احساس ہوا لیکن بہت خفیف انداز کا۔ فرمایا: ایکم قرأ؟ تم میں سے کس شخص نے قرأت کی ہے؟ یہ انکار صرف قرأت کرنے پر ہے۔ پہلی دونوں روایتوں میں سورۃ کا نام حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام میں نہیں ہے۔ آپ نے تو صرف ایکم قرأ؟ فرمایا۔ جواباً عرض کیا گیا: قالوا رجل۔ (یعنی ایک شخص نے قرأت کی ہے)۔ ہاں تیسری روایت میں سورۃ کا نام نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے کلام میں ہے۔ کہ سبح اسم ربک الاعلیٰ کس نے پڑھا ہے؟ (ایکم قرأ سبح اسم ربک الاعلیٰ؟) اس روایت کو دیکھتے ہوئے حضرت امام بیہقی نے مطلب سازی کے طور پر فرمایا کہ اس شخص نے جہر سے پڑھا تھا۔ ورنہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سورۃ کا نام کیسے لیتے؟ حالانکہ اوّل کی دو روایتیں نصاب شہادت بتا رہی ہیں کہ سورۃ کا نام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں نہیں ہے۔ نفس قرأت آپ کے سننے میں آئی ہے اور انکاری لہجے اور انداز میں آپ نے فرمایا: ایکم قرأ؟ قالوا رجل تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ ابوداؤد شریف میں حضرت شعبہ سے (جن کو امیر المؤمنین فی الحدیث کہتے ہیں) دو راوی ابوالولید اور محمد بن کثیر اس طرح روایت نقل کرتے ہیں۔ جاء رجل فقرأ۔ ان کی روایت میں سورۃ کا نام حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں نہیں ہے۔ صرف ایکم قرأ؟ آپ نے فرمایا ہے یعنی کس نے پڑھا ہے؟ اور بذل المجہود شرح ابی داؤد ص۹۸ ج۲ میں تیسرا راوی بھی ذکر کیا۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں: روی شبابة وابو الولید و محمد بن کثیر عن قتادة (الی) ایکم قرأ۔ ان تینوں کی روایت میں بلا تسمیہ سورۃ ہی مروی ہے۔ بلکہ فرمایا: حجاج بن ارطاۃ بھی عن قتادۃ اسی طرح ایکم قرأ ہی نقل کرتا ہے۔ اس طرح چار طریق سے یہ روایت بلا تسمیہ سورۃ ہی مروی ہے۔ صرف ابن ابی عدی عن سعید بن ابی عروبة کی روایت میں ہے۔ فلما انفتل قال ایکم قرأ سبح اسم ربک الاعلیٰ۔ لیکن انما العزة للتکاثر۔ آپ نے سنا ہی ہوگا۔ خصوصاً جبکہ اکثریت عادل، ضابط، حفاظ حدیث کی ہو اور پھر واقعہ بھی ظہر کی نماز کا ہو۔ جس میں

Telegram : t.me/pasbanehaq1

جہر سے قرأت کوئی نہیں کرتا حضرت امام بیہقیؒ کے استدلال کی بنیاد اسی روایت پر ہے فرمایا: لولا انہ جھر لم یقل.... الخ یعنی اس شخص نے قرأت جہر سے کی تھی اسی لیے آپ نے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَىٰ فرماکر نام سورۃ کالیا ہے اس کے جہر کرنے پرانکار کیا گیا ہے لیکن یہ بات طفل تسلّی سے زائد وقعت نہیں رکھتی۔ آپ نے دیکھا کہ اچھا راوی متقن بلا تسمیہ سورۃ نقل کرتے ہیں۔ امام بیہقیؒ نے ان کی طرف دھیان ہی نہیں کیا۔ مطلب کی بات لے لی ہے۔ اگر یہ مخالف مذہب ہوتی تو فرما دیتے کہ یہ نام لینا ایک راوی کا تفرد ہے۔ شاذ ہے اس کو نہیں لیا جاسکتا۔ لیکن چونکہ موافق مذہب روایت ہے اس لیے خاموشی سے گزر گئے ہیں سبحان اللہ کیا ہی انصاف ہے۔ یہ چار اور ایک کا تقابل ہے۔ حالانکہ واقعہ بنظر انصاف دیکھتے تو اس طرح جزمی فرمان لولا انہ جھر لم یقل.... الخ نہ فرماتے۔ اوّل تو آپ نے ابھی دیکھ لیا کہ ھمس کی قرأت جس کو جہر نہیں کہتے۔ اس میں بھی قریب والا آدمی سن لیتا ہے اس کے علاوہ یہ ہے کہ حضرت سعیدؒ بن ابی عروبہؒ راوی تسمیہ سورۃ اگرچہ ثقہ او ثبت ہے مگر آخری عمر میں اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ امام ازدیؒ فرماتے ہیں: اختلط اختلاطًا قبیحًا۔ بُری طرح کے اختلاط کا شکار ہو گئے تھے۔ تہذیب ص۶۴ ج۴۔

امام عقیلیؒ فرماتے ہیں: سمع منہ محمد بن ابی عدی بعد ما اختلط (ایضا ص۶۵)۔ اور یہ روایت بھی ابن ابی عدی عن سعید.... الخ کے طریق سے ہے اور امام نسائیؒ فرماتے ہیں: من سمع منہ بعد الاختلاط فلیس بشئی۔ جس نے اس سے بعد اختلاط کے سُنا تو اس کا کچھ اعتبار نہیں ہے۔ اور ایسا ہی امام ابن معینؒ نے فرمایا اور امام ابن عدیؒ فرماتے ہیں۔ ومن سمع منہ بعد الاختلاط لَا يُعْتَمد علیہ (تہذیب ص۶۵ ج۴) مسلم ص۱۷۲ ج۱ میں ابوعوانہؒ سعیدؒ سے روایت کرتے ہیں مگر اس میں قتادہ عن سے روایت کرتے ہیں اور امام نوویؒ نے اسی مقام پر ص۱۷۲ میں تصریح کی ہے کہ قتادہؒ مدلس ہیں اور اس کے بعد امام مسلمؒ نے قتادہؒ کی سمعتُ سے تحدیث کی جو روایت بیان کی ہے اس کا متن جُدا ہے۔ پہلی روایت میں سورت کا نام آنحضرت

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ارشاد میں ہے۔ اور دوسری کے الفاظ یہ ہیں؛ فجعل رجل یقرأ خلفہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى۔ الحدیث۔ جب متن جُدا جُدا ہیں تو دوسری رِوایت میں تحدیث بھی پہلی کے لیے مُفید نہ ہوگی۔ کما لا یخفیٰ۔

ایسے مشکوک طریقہ پر اعتماد کرنا اور بالمقابل چار عادل، ضابط، حفاظ حدیث کی رِوایت کو چھوڑ دینا کیا یہ علمی ذمہ داری کے خلاف نہیں ہے؟ مصنف خیر الکلام فاضل اہلِ حدیث کو یہ کھوٹا سامان مل گیا اور موافقِ مطلب جان کر جھٹ تھیلے میں ڈال لیا اور اس کو اس طرح ذکر کر دیا کہ گویا اس باب میں صرف یہی ایک رِوایت ہے مگر اس میں قوم کو دھوکہ دیا گیا ہے کہ پرواہ نہ کرو فاتحہ امام کے پیچھے پڑھتے جاؤ۔ حدیث میں جہر کرنے پر انکار ہے نفس پڑھنے پر نہیں۔ حالانکہ چار روایتوں میں صرف پڑھنے پر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کا انکار مروی ہے: ایکم قرأ، ایکم القارئ۔ اسی لیے ہم نے کہا تھا کہ خیر الکلام کے اکثر سودے کھوٹے ہیں۔ ہاں بورڈ خیر الکلام کا لگا ہوا ہے۔

تعجب کی بات تو یہ ہے کہ اگر پڑھنے والے نے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى جہر سے پڑھا تھا۔ جیسے کہ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں تو یہ یقیناً مکروہ فعل ہے۔ ظہر کی نماز کا واقعہ ہے۔ اس میں جہر سے پڑھنا امام کے پیچھے یقیناً مکروہ ہے حالانکہ راوی حدیث حضرت قتادہؒ اس کو مکروہ نہیں کہتے۔ ابوداؤد میں ہے۔ انھوں نے فرمایا: لو کرھہ لنھیٰ عنہ۔ یعنی اگر یہ فعل مکروہ ہوتا تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام اس کی نہی فرماتے اور اس سے منع فرماتے۔ معلوم ہُوا کہ ان کے نزدیک جہر سے پڑھنا نہیں ہُوا۔ سرّاً اور خفیہ پڑھا گیا اور ھمس کی وجہ سے آواز سُنائی گئی۔ جیسے کہ ہم نے عرض کیا تھا۔ اگر اس کو جہر پر محمول کیا جائے تو لو کرھہ لنھیٰ عنہ کے کیا معنی ہوں گے۔ کیا ظہر کی نماز میں وہ جہر بھی مکروہ نہیں کہتے۔ امام بیہقیؒ کا یہ بیان راوی حدیث کے فہم کے بھی خلاف ہے۔ اس بیان سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت قتادہؒ راوی حدیث سرّی نمازوں میں امام کے پیچھے فاتحہ خوانی کو جائز سمجھتے ہیں، مکروہ نہیں سمجھتے۔ اس جگہ چند باتیں قابلِ غور ہیں:۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

۱: اس پڑھنے والے نے آتے ہی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی کی سورۃ امام کے پیچھے پڑھی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس نے فاتحہ نہیں پڑھی۔ قرینہ یہ ہے کہ حدیث میں جاء فقرأ آیا ہے۔ حرف ف تعقیب مع الوصل کے لیے آیا کرتا ہے۔ معلوم ہوا کہ آنے کے ساتھ ہی اس نے پڑھا۔ اگر فاتحہ پڑھ کر اس نے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی پڑھی ہے تو روایت میں فا کی بجائے ثم کا لفظ ہوتا۔ الفاظ اس طرح ہوتے۔ جاء ثم قرأ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی۔ کیونکہ فصل کے موقع میں ثمّ کا لفظ آتا ہے اور فریقِ ثانی بلا فاتحہ نماز کو باطل کہتا ہے لہٰذا اس شخص کے فاتحہ پڑھنے کا ثبوت پیش کیجیے۔

۲: دوسری بات اس حدیث سے یہ معلوم ہوئی کہ امام کے پیچھے قرأت کرنے والا صرف ایک ہی شخص تھا۔ فریقِ ثانی کے نزدیک فاتحہ کی قرأت سب مقتدیوں پر لازم رہتی ہے۔ حالانکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ایکم قرأ فرمایا۔ جواباً بھی رجل ہی کہا گیا۔ یعنی ایک ہی شخص نے پڑھا ہے۔

۳: یہ قرأت ھمس کے درجہ کی تھی جیسے بعض لوگ تصحیح حروف کرتے ہوئے معمولی صوت سے پڑھا کرتے ہیں جو کانوں تک آواز پہنچ جاتی ہے۔ ایسی آواز کو پاس والا شخص بھی سُن لیتا ہے۔ جیسے حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی بیماری کے زمانے میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ ظہر کی نماز پڑھا رہے تھے کہ نبی علیہ السّلام جا پہنچے۔ روایت میں ہے: فقرأ من حیث انتھی الیہ ابوبکرؓ۔ یعنی نبی علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے وہاں سے قرأت شروع کی۔ جہاں تک حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ قرأت پہنچا چکے تھے۔ ایسے ھمس کی آواز کو جھر نہیں کہا جاتا۔ حضرت حافظ ابنِ حجرؒ اس کو ظہر کا واقعہ فرما رہے ہیں۔ (جبکہ امام طحاویؒ وغیرہ حضرات اس کو جہری نماز کا واقعہ بتاتے ہیں۔) اور ظہر کی نماز میں قرأت خفیہ ہی کی جاتی ہے۔ پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو کیسے پتہ چلا؟ اس کا حل حافظ ابنِ حجرؒ نے فرمایا کہ شاید حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے قرأت ھمس سے کی ہو گی جس سے قریب شخص سُن لیتا ہے۔ اس لیے آپؐ نے وہاں سے سن کر قرأت

Telegram : t.me/pasbanehaq1

شروع کی جہاں تک قرأت ہو چکی تھی۔ اسی طرح موجودہ واقعہ میں آنے والے صحابیؓ نے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى ذرا دھیمی آواز میں پڑھی تھی۔ پاس والوں نے سن لی اسی لیے انھوں نے فرمایا جاء رجل فقرأ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے شاید آواز پڑھنے کی سُنی۔ لیکن ذرا بُعد کی وجہ سے آپؐ کو قرأت کے الفاظ کی تمیز نہیں ہوئی۔ اس لیے پہلے مجمل انداز میں ایکم قرأ، فرمایا۔ سورۃ کا نام نہیں لیا۔ اوّل دو روایتوں میں اسی طرح بیان کیا گیا ہے۔ اس کی ایک اور نظیر دیکھیے: حضرت ابن جریرؒ نے روایت نقل فرمائی کہ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھا رہے تھے: صلّی ابن مسعود فسمع اناسا یقرؤن مع الامام فلما انصرف قال اما آن لکم ان تفقھوا اما آن لکم ان تعقلوا وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا کما امرہ اللہ تعالیٰ۔ اس کی سند کی تحقیق احسن الکلام ۹۵،۹۴ میں ملاحظہ فرمائیں۔ یعنی حضرت ابن مسعودؓ نماز پڑھا رہے تھے۔ سنا کہ پیچھے کچھ لوگ امام کے ساتھ قرأت کر رہے ہیں ان کو فرمایا تمہیں سمجھ نصیب نہیں ہوئی۔ تمہاری عقل نے کام نہ کیا کہ فرمان خداوندی وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا۔ کو سوچیں اور سمجھیں اور اس پر عمل کریں۔ اس میں ہے فسمع اناسا یقرؤن۔ کہ امام کے پیچھے چند لوگوں کو قرأت کرتے سُنا۔ اس پر انکار کیا کہ قرآن کریم کی آیت کریمہ وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ۔ خلف الامام قرأت سے منع کر رہی ہے۔ تم کیوں قرأت کرتے ہو۔ ان لوگوں کی قرأت جہر سے نہ تھی۔ امام کے پیچھے تو نادان بھی جہر سے قرأت نہیں کرتے۔ ہاں یہ ھمس کے درجے کی قرأت ہوگی۔ اس کو حضرت ابن مسعودؓ نے سُنا اور اس پر انکار کیا۔ اسی طرح حضرت زیدؓ بن ثابت سے بھی ممانعت مروی ہے: لاقرأۃ مع الامام فی شئ۔ رواہ مسلم ص۲۱۵ ج۱ یعنی جماعت کے ساتھ نماز پڑھی جائے تو مقتدیوں کو قرأت نہیں کرنی چاہیئے۔ ای لا قرأۃ حین تصلی مع الامام فی شئ من الصلوات یا لا قرأۃ وانت تصلی مع الامام کیسے واضح اور صحیح معنی ہیں لیکن افسوس کہ مصنف خیر الکلام نے اس میں بھی تحریف کر دی ہے۔ کہتے ہیں

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کہ مراد یہ ہے: امام کے ساتھ ساتھ مت پڑھو۔ اس میں سکتے میں پڑھنے کی ممانعت نہیں نکلتی۔ یہ توجیہ القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ کے باب سے ہے۔ بلکہ اس میں غیر مقلدین کے رائج عمل کی تردید بھی ہے۔ کیونکہ وہ ساتھ ہی پڑھا کرتے ہیں۔

الحاصل: اس شخص نے نماز میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى معمولی انداز کی آواز سے پڑھا تھا جس کو ھمس کہا جاتا ہے اس پر ایکم قرأ سے انکار کیا گیا اس کو جہر نہیں کہتے۔ ظہر کی نماز میں جہر کون کرتا ہے؟ اس واقعہ میں مقتدی کا ھمس کی آواز سے پڑھنا اور امام کا سن لینا ہوا۔ اس کی ایک اور نظیر عرض کرتا ہوں جس میں امام کا ھمس کی آواز سے پڑھنا اور مقتدی کا سن لینا ہوا۔ ھمس محل انکار نہیں ہوتا۔

ترمذی شریف ص۱۶۷ میں ہے: عن عوف بن مالك قال سمعت رسول الله صلی الله تعالیٰ علیه وسلم یصلی علی میت ففهمت من صلوته علیه اللهم اغفرله وارحمه واغسله بالبرد کما یغسل الثوب۔ اور مسلم ص۳۱۱ میں ہے اللهم اغفرله وارحمه واعف عنه وعافه۔ سب جانتے ہیں کہ جنازہ، ثنا، درود اور دعا پڑھنے کا نام ہے اور یہ سب خفیہ پڑھے جاتے ہیں۔ کیا یہ دعا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جہراً پڑھی تھی کہ حضرت عوف بن مالک نے سنی تھی؟ امام نوویؒ شرح مسلم ص۳۱۱ میں فرماتے ہیں: اما الدعاء فیسّر به بلا خلاف۔ یعنی دعا بلا خلاف خفیہ ہی پڑھی جاتی ہے۔ اسی طرح علامہ سندھی ابوالحسنؒ نے فرمایا: المعروف عند العلماء فی الدعاء هو الاسرار۔ جب یہ دعا سرّاً پڑھی گئی تو مقتدی نے کیسے سن لی؟ اس کی توجیہ میں علامہ نوویؒ نے فرمایا: فلعل هذا اللفظ سمعه منه لقربه من النبی صلی الله تعالیٰ علیه وسلم ربما یسرّ فیسمع القریب بعض ذلك۔ یعنی کبھی پڑھنے والا مخفی انداز سے پڑھتا ہے لیکن قریب والا شخص سن لیتا ہے۔ جیسے یہاں امام کی مخفی پڑھی ہوئی دعا مقتدی نے سن لی۔ اسی طرح بالعکس مقتدی کی مخفی پڑھی ہوئی سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سن لی ہوگی۔ اس پر ایکم قرأ سے انکار فرمادیا۔ اس سے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اس صحابیؓ کا جہر سے پڑھنا جیسے کہ حضرت امام بیہقیؒ اور ان کے تابع مصنف خیر الکلام یہ سبق پڑھ رہے ہیں۔ کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ امام بیہقیؒ نے فرمایا: لولا انہ جھر لا منکر علیہ۔ یہ مذہبی رعایت سے صرف من مانی کارروائی ہے۔ صحابیؓ کا عمل حتی المقدور صحیح محمل پر اتارنا چاہیئے۔ کیا جنازہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے یہ دعا جہر سے پڑھی تھی کہ حضرت عوفؓ بن مالک نے سن لی؟ آپ نے علامہ نوویؒ کی توجیہہ دیکھ لی ہے وہی اس جگہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى میں جاری کرلیں۔ خذ ما صفا ودع ما کدر۔

مجھے امام مسلمؒ کے رویّہ سے ایک اور بات معلوم ہوئی جو ذکر کرتا ہوں شاید کام دے صحیح مسلم ص۱۷۲ میں امام مسلمؒ نے پہلے تو قتادة عن زرارة بن اوفی کے طریق سے ایکم قرأ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى والی روایت نقل کی ہے جس میں تسمیۂ سورت حضور علیہ الصّلوٰة والسّلام کے کلام میں ہے۔ اس کے بعد دو روایتیں قتادة قال سمعت زرارة بن اوفی کے طریقے سے ذکر کیں جن میں جاء رجل فقرأ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ مروی ہے اور آخر میں ایکم قرأ یا ایکم القاری ہے۔ قتادہؒ مدلّس ہیں۔ نوویؒ نے اس جگہ لکھا ہے: لہٰذا اس کی سماع والی پچھلی دو روایتیں ہی معتبر ہوں گی اور پہلی قابلِ اعتماد نہ ہوگی۔ کیونکہ ممکن ہے کہ درمیان میں متروک اور ضعیف راوی کی یہ کارروائی ہو۔ اور امام مسلمؒ کی عادت ہے کہ وہ روایات میں جو راجح جملہ اور حصّہ ہوتا ہے اس کو آخر میں ذکر کرتے ہیں اس سے معلوم ہوا کہ امام مسلمؒ اپنے صنیع سے تسمیۂ سورت والی روایت کو مرجوح بتا رہے ہیں۔

علامہ بیہقیؒ پر تعجب ہے کہ وہ یہ جانتے ہوئے بھی کہ قتادة مدلّس ہے اور عن سے روایت کرتا ہے اس کو استدلال میں لے کر اپنا مطلب نکال گئے ہیں اور بعد کی دو روایتیں جن میں سماع کی تصریح ہے اور ان میں سورت کا تسمیہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے فرمان میں نہیں جس سے معلوم ہوتا ہے کہ انکار نفسِ قرأت پر تھا، نظر انداز کر گئے ہیں۔

تنبیہہ: ممکن ہے کہ بعض لوگ دانستہ ضد اور جہالت سے یا نادانستہ یہ کہہ دیں کہ یہ انکار ایکم قرأ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى کا صرف اس کے ما زاد علی الفاتحہ کے پڑھنے پر ہے۔ فاتحہ پر نہیں۔ جواب اوّل تو دے دیا گیا ہے کہ اس صحابی کے سورۂ فاتحہ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کے پڑھنے کا ثبوت پیش کریں کہ اس نے فاتحہ پڑھ کر پھر سورۃ پڑھی تھی۔ جاء فقرأ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى کا ظاہر تو یہی ہے کہ اس نے فاتحہ نہیں پڑھی تھی تو اس کی نماز کیسے ہوگئی؟ اس کے علاوہ اس کو ما زاد پر محمول کرنا اور اس میں منحصر کرنا قطعاً باطل ہے۔ نصِ قرآنی وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ اور حدیثِ نبوی اِذَا قرأ فانصتوا کا فرمان جملہ قرآن کو شامل ہے۔ فاتحہ ہو یا مازاد یعنی جب قرآن شریف پڑھا جائے اور امام اس کو پڑھتا ہو تو تم نہایت ہی خاموشی سے اسے سنو اور ظاہر بات ہے کہ قرآن شریف کی قرأت سورت فاتحہ ہی سے شروع ہوتی ہے۔

دوسری بات یہ ہے کہ صحیح حدیث کے مطابق قرآنِ عظیم کا اوّلین مصداق ہی سورۂ فاتحہ ہے۔ بخاری ص ۶۴۲ ج ۲ وغیرہ۔ تو اس کو خارج کرنا از حکم انصات بلا کسی قطعی دلیل اور صریح حجت کے کہاں کا انصاف ہے؟ خاص کر جب کہ اس خاموشی کے حکم کی علت ادب و احترام اور تکریم قرآنِ کریم ہے۔ کیا سورۃ فاتحہ قابلِ احترام نہیں؟ یہ بات مفسر ابن کثیرؒ کے حوالہ سے پہلے نقل ہو چکی ہے۔ جب سورۂ فاتحہ قرآن عظیم ہے تو یہ زیادہ قابلِ احترام و تعظیم بن جاتی ہے۔

تیسری وجہ یہ کہ مسلم شریف ص ۱۷۴ ج ۱ اور صحیح ابو عوانہ ص ۱۳۲ ج ۲ واللفظ لہ کی صحیح حدیث میں ہے: اذا قرأ الامام فانصتوا واذا قال غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ۔ فقولوا آمین۔ اس وقت قابلِ غور یہ ہے کہ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ ... الخ۔ سے پہلے سورۂ فاتحہ کے بغیر اور کونسی قرأت ہے کہ جس کو امام پڑھتا ہے اور مقتدیوں کا وظیفہ اس میں انصات اور خاموشی ہے۔ مذہب کی آڑ کو چھوڑ کر سوچیں آپ کو صاف معلوم ہو جائے گا کہ منہی عنہ قرأت کو ما زاد علی الفاتحہ پر محمول کرنا سراسر غلط اور مردود ہے معلوم ہوا کہ امام کے فاتحہ پڑھنے کے وقت فاتحہ پڑھنا قرآن کریم اور حدیث کے مخالف ہے اور اس بے کار توجیہہ اور جواب کا مچھر کے پر کے برابر بھی وزن نہیں۔ اللہ تعالیٰ صحیح سمجھ نصیب فرمائے اور علم پر عمل کرنے کی توفیق مرحمت فرمائے۔

مصنف خیر الکلام امام اہلِ حدیث کا بیان ہے کہ انکار اس پر ہے کہ انھوں نے اونچا پڑھا تھا۔ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت جبریلؑ علیہ السلام کی قرأت کے وقت اونچا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

پڑھا تھا کہ آپ رو کے گئے؟ بات صرف یہی ہے کہ کلام الٰہی کا حق واجب یہی ہے کہ جب وہ پڑھا جائے تو خاموشی اور محض خاموشی سے سُنا جائے تاکہ آدمی حق تعالیٰ کی رحمت کا مستحق ہو۔

الانتباہ: گزشتہ ایک جاہل غیر مقلد کا بیان گزر چکا ہے کہ اس نے مذہبی تعصب میں آکر سُورۂ فاتحہ کے قرآن ہونے کا کھلے الفاظ میں انکار کر دیا ہے تاکہ آیت کریمہ کی زد سے بچاؤ ہو جائے۔ اس نے کہا کہ آیت میں تو یہ ہے کہ قرآن پڑھا جائے تو خاموش ہو کر سُنا کرو۔ سورۂ فاتحہ تو قرآن ہی نہیں ہے تو پھر خاموشی کا حکم کیسے لازم ہو سکتا ہے اور وجہ یہ بیان کی کہ قرآن کریم کے سب لوگوں کے ہاں تیس پارے ہیں۔ اوّل پارہ الٓمٓ کا کہا جاتا ہے۔ لہٰذا فاتحہ تیس پاروں میں داخل نہ ہوئی۔ (لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللہِ) خدا جانے یہ دلیل اس کے نفسِ امارہ کی تعلیم ہے یا شیاطین الانس والجن کی تلقین ہے۔ بہرحال اس کا نفس اسی پر مطمئن تھا۔ خواہ اس میں ایمان کا خطرہ بھی ہو اور وہ مذہبی مسلک قرأتِ فاتحہ خلف الامام کے لیے اس کو سدِّ سکندری سمجھے ہوئے تھا۔ اس کو سمجھایا گیا کہ یہ راستہ خطرناک ہے سورۂ فاتحہ کا قرآن نہ ہونا، اس عقیدہ سے کفر لازم آجانے کا خطرہ بنتا ہے لیکن اس کا خیال تھا کہ میں کسی حنفی کی بات نہیں مانوں گا ورنہ اپنی بات کو نہیں چھوڑوں گا۔ اس کو کہا گیا کہ:

اوّل اگر سورۃ الفاتحہ قرآن نہیں تو فاتحہ سے پہلے اَعُوْذُ بِاللہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ کیوں پڑھا کرتے ہو۔ یہ تعوّذ کا پڑھنا تو قرآن شریف پڑھنے کے وقت مامور ہے: وَاِذَا قَرَأْتَ الْقُرْاٰنَ فَاسْتَعِذْ بِاللہِ۔ الخ قرآنِ کریم میں آیا ہوا ہے۔

دوم یہ کہ قرآنِ کریم کا تیس پارے ہونا کس صحیح اور مرفوع حدیث میں ہے تم تو اہلِ حدیث بنتے ہو۔ صحیح حدیث بتاؤ کہ قرآن کے تیس پارے ہیں اور اوّل پارہ الٓمٓ کا ہے۔ اگر یہ نہیں تو کسی صحابی کا قول ہی تو پیش کرو۔ ہم تسلیم کرلیں گے۔ تم تو حضرات صحابہ کرامؓ کا اجماع بیس تراویح کا بھی نہیں مانتے۔ میں صرف ایک صحابی کا قول بھی مان لوں گا کہ قرآن کے تیس پارے ہیں اور اوّل پارہ الٓمٓ ہے۔

سوم قطع نظر ان باتوں کے بخاری صفحہ ۶۴۲ ج ۲ میں ابوسعید بن المعلیٰؓ کی روایت میں ہے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا لَاُعَلِّمَنَّكَ سورة هي اعظم السُّوَر في القرآن إلى قوله لاعلمنك سورة هي اعظم سورة من القرآن ۔الحدیث
اس صحیح اور صریح حدیث میں تو سورۃ الفاتحہ کو فی القرآن اور من القرآن فرمایا گیا ہے ــــ کہ یہ قرآن میں ہے اور قرآن سے ہے پھر اس کو قرآن سے خارج کرنا کونسا ایمان ہے :

ممکن ہے کہ کوئی جاہل بقول مشہور نیم حکیم خطرۂ جان اور نیم ملّاں خطرۂ ایمان یہ کہہ دے کہ سورۂ فاتحہ کو ترمذی ص۱۱۴ میں امّ القرآن کہا گیا ہے : اقرأ امّ القران ۔ مضاف اور مضاف الیہ کا غیر ہونا مسلّم مسئلہ ہے ۔ اس لحاظ سے سورۂ فاتحہ قرآن نہ ہوئی ۔ ہاں امّ القرآن ہے۔

جواب یہ ہے کہ غیریت اعتباری کافی ہے ۔ سورۂ فاتحہ قرآن بھی ہے اور امّ القرآن بھی ہے ۔ منزّل من اللہ ہونا ، معجز ہونا قرآن کریم کی ذاتی صفات میں سے ہے ۔ اس عالی شان میں فاتحۃ الکتاب اور تا آخر کل سورتیں شریک اور مساوی ہیں اور سورۂ فاتحہ کل قرآن کا ماخذ اور اصل الاصول بھی ہے ۔ سارا قرآن کریم اس کی شرح اور تفصیل ہے ۔ اس اعتبار سے اس کو امّ القرآن بھی کہا جاتا ہے ۔ جیسے کہ مکّہ شرفہا اللہ تعالیٰ کو امّ القریٰ بھی کہا جاتا ہے : وَلِتُنْذِرَ اُمَّ الْقُرٰى وَمَنْ حَوْلَهَا ۔ (پ، الانعام ع۱۱) اور اس کو قریۃ بھی کہا جاتا ہے : لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ بھی آیا ہے ۔ اور قریتین سے مراد مکہ شریف اور طائف ہے جس طرح مکّہ مکرّمہ کو قریۃ بھی کہا گیا اور امّ القریٰ بھی کہا جاتا ہے ۔ چنانچہ مقاماتِ حریری میں ہے : وحرمة الشيخ الذي سن القرى واسس المحجوج في ام القرى ۔ اسی طرح سورۂ فاتحہ قرآن بھی ہے اور امّ القرآن بھی ہے ۔ اس کو قرآن نہ کہنا جہالت ہے بلکہ کفر کا اندیشہ بھی ہے ۔

تفصیل بقدرِ ضرورت یہ ہے : کہ سورۃ الفاتحہ کی شان باقی تمام قرآن کریم سے نرالی ہے ۔ باوجود مختصر ہونے کے کل قرآن کریم کے مضامین حقّہ کی یہ جامع ہے ۔ گویا یہ سورت الفاتحہ کل قرآن بن گئی ۔ جس نے اس کو پڑھا گویا اس نے کل قرآن کریم کو دل و دماغ میں جمع کر لیا بعض سورتوں کو ربع القرآن اور بعض کو ثلث القرآن حدیثِ نبوی میں فرمایا ہے ۔ اس طرح اس کو

Telegram : t.me/pasbanehaq1

پورا قرآن کہا جاسکتا ہے۔ قرآنِ کریم میں تمام کلامِ خداوندی کو قرآن فرمایا گیا۔ لیکن جمیع معانی القرآن کے جامع ہونے کے لحاظ سے اس کو قرآنِ عظیم کا لقب دیا گیا ہے: وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ۔ جیسے پورے قرآن میں مضامین دُہرائے گئے ہیں کہ دُنیا کے ذکر کے ساتھ آخرت کا ذکر، جنت کے ذکر کے ساتھ دوزخ کا ذکر کیا گیا اور مومنوں کے ذکر کے ساتھ کافروں کا ذکر وغیرہ وغیرہ تو اسی طرح اس سورۃ الفاتحہ میں بھی کیا گیا ہے گویا الٓمٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ سے لے کر مِنَ الْجِنَّةِ وَالنَّاسِ تک کل کتابِ الٰہی شرح اور تفصیل ہے اس سورۃ الفاتحہ کی۔ اس تفصیل میں لمبی لمبی سورتیں پہلے ذکر کی گئی ہیں اور چھوٹی بعد میں لائی گئی ہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ تفصیلی قرآن کی ابتدا، الٓمٓ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ سے شروع ہوئی اور یوں کہہ لیجئے کہ سورۃ الفاتحہ متن ہے اور باقی اس کی شرح ہے۔ سہولت کے لیے حضرات سلف صالحینؒ نے اس کو تیس پارے بنا دیا۔ جیسے کہ پڑھنے کے لیے اس کی سات منزلیں مقرر کی گئیں۔ اس سے آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ اس لحاظ سے اور اس اعتبار سے سورۃ الفاتحہ کو اوّل پارہ کا جزو نہیں کہا گیا کیونکہ اس کی نسبت کل قرآنِ کریم کے ساتھ ایک ہی طرح کی ہے اس لیے اس کو ابتدا میں مستقل رکھا گیا ہے جیسے متن الگ ہوتا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

میں نے سُنا کہ کسی جاہل اہلِ حدیث نے یہ بھی کہا (جو فاتحہ خلف الامام پڑھنے کو فرض کہتے ہیں اور مقتدی کی نماز کو سورۃ الفاتحہ پڑھنے کے بغیر باطل کہتے ہیں) وہ یہ دلیل بھی دیتے ہیں کہ قرآن اور حدیث میں فاتحہ کو قرآنِ عظیم کہا گیا ہے لیکن سورۃ الاعراف والی آیت جو حنفیہ استدلال میں پڑھتے ہیں: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا اس میں تو قرآنِ عظیم کا لفظ نہیں ہے صرف قُرِئَ الْقُرْاٰنُ ہے اس لیے اس سے مراد باقی قرآن ہے۔ یعنی باقی قرآن کریم فاتحہ کے بغیر پڑھا جائے تو تم خاموش ہو کر سُنا کرو۔ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ الْعَلِيِّ الْعَظِيْمِ ۔

افسوس صد افسوس امراضِ قلبیہ حسد اور ضد و عناد انسان کے دل و دماغ پر پردہ ڈال دیتے ہیں، نورانیت جاتی رہتی ہے۔ اس جاہل نے یہ نہ سوچا کہ قرآن کو کبھی عزت

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کے طور قرآن مجید اور کبھی قرآن کریم اور کبھی قرآنِ حکیم و قرآنِ شریف بھی کہہ دیتے ہیں صفت کے ذکر کرنے سے شئ بدل نہیں جاتی اور اس کا نام الفرقان، الذکر، موعظ اور ھُدًی وغیرہ بھی ہے۔ کیا اس طرح کہنے سے وہ قرآن ہونے سے نکل گیا ہے۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے۔ دیکھیے اس سورۃ الفاتحہ کے عظمتِ شان اور جامعیت کو ملحوظ رکھتے ہوئے نمازیں اس کے پڑھنے کو لازم کر دیا گیا ہے اور باقی قرآن جو تفصیل ہے اس میں سے کچھ قدر کا ملانا بھی ضروری قرار دیا گیا ہے تاکہ اس کی برکات سے بھی مسلمان محظوظ ہو جائیں لیکن جب جماعت سے نماز ادا کی جائے اور قرأت جہر سے کی جائے تو اس وقت مقتدی کو اپنے پڑھنے کی بجائے امام صاحب کی قرأت کا خاموشی سے سننا واجب کیا گیا ہے۔ اِذَا قَرَأَ فَانْصِتُوْا۔ تاکہ ادب اور احترام قرأت قرآن کریم کا محفوظ رہے۔ اس وقت اپنے پڑھنے میں امام کی قرأت سے بے التفاتی بن جاتی ہے۔ دیکھیے قاری صاحب جب دیکھتا ہے کہ میری قرأت کی طرف دھیان نہیں کیا جاتا، بے التفاتی کا برتاؤ ہو رہا ہے تو دل میں وہ رنجیدہ ہوتا ہے۔ اس لیے ایسی صورت کو حدیث میں قانونی جرم قرار دیا گیا اور واذا قرأ فانصتوا کا حکم دیا گیا ہے اور قرآن کریم نے بھی یہی ادب سکھایا ہے اور فرمایا ہے: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ عظمتِ شانِ فاتحہ اس کو نہیں چاہتی کہ ہر ایک اس کو پڑھے بلکہ اس کا تقاضا یہ ہے کہ امام جو اشرف القوم ہے اس کو پڑھے اور قوم کو فرمانِ خداوندی سنائے تو اس وقت قوم ہمہ تن گوش ہو کر نہایت خاموشی سے اس کو سنے اور اس میں تدبّر و تفکّر کرے۔ امام صاحب کے فاتحہ پڑھنے کے بعد آمین کہہ کر دعا میں شرکت کرے اور قرأت کے وقت صرف خاموش رہے۔

فائدہ: اس بیان سے آپ کو معلوم ہو گیا ہو گا کہ جہری نمازوں میں فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی ممانعت کا اصل سبب یہی ہے کہ مقتدی کا پڑھنا جب کہ امام پڑھ رہا ہو امام کی قرأت کے سننے میں خلل انداز بنتا ہے۔ خواہ خفیہ طور سے ہی مقتدی کی قرأت کیوں نہ ہو؟ کیوں کہ اس میں مقتدی کی کامل توجہ سنی ہوئی قرأت کی طرف نہیں رہتی۔ اپنے کام میں لگ جانے سے دوسری طرف دھیان پورا نہیں رہتا۔ یہ معنی نہیں کہ اونچا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

نہ پڑھے کہ امام کو قرآت میں التباس پڑے گا۔ جیسے مصنف خیر الکلام بار بار یہ سبق دہراتے ہیں۔ غور فرمائیں کہ اونچا پڑھنا، جہر کرنا اور شور وغل کرنا اگر یہی ممنوع اور بے جا حرکت ہے اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ایسے پڑھنے نے خلجان میں ڈالا اور اس پر آپ ناراض ہوئے تو یہ اونچا پڑھنا اس پڑھنے والے شخص کے دائیں اور بائیں طرف کے لوگوں کے لیے بھی ان کی قرأت میں خلل انداز بنتا۔ پیغمبر صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تو امام تھے تھوڑے فاصلہ پر تھے اگرچہ ناراضگی یہ ہے تو پڑھنے والے مقتدی کے آس پاس والے لوگ بھی ضرور اس سے متاثر ہوتے۔ حالانکہ کسی پاس والے شخص نے یہ شکوہ نہیں کیا، ناراضگی کا اظہار نہیں کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بھی بصیغہ مفرد متکلم مالی انازع القراٰن فرمایا ہے۔ کسی غیر کو اس میں شریک نہیں کیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ جماعت میں قرأت کرنے والا صرف امام ہی تھا۔ اگر مقتدی بھی قرأت کرتے تو لازمی طور پر سب کی قرأت میں اس اونچے پڑھنے سے جہر کرنے سے اختلال پیش آتا حالانکہ اور کسی نے یہ شکایت نہیں کی اور نہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے شکایت کے فرمان میں ان کو شریک کیا اور یہ نہیں فرمایا: مالنا ننازع القراٰن۔ بلکہ فرمایا تو یہ فرمایا کہ انی اقول مالی انازع القراٰن۔ بصیغہ مفرد حکایت فرمائی اس سے معلوم ہوا کہ اس شخص کا سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی پڑھنا مخفی انداز کا تھا لیکن یہ مخفی انداز کا پڑھنا بھی چونکہ ممنوع فعل تھا اور وانصتوا کے حکم کے خلاف مکروہ اور ممنوع تھا اس لیے اس کے پڑھنے سے آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو گرانی محسوس ہوئی اور لوگوں کو پتہ نہ چلا یہ قلبی ایذا اور کوفت جو ان کے پڑھنے سے ہوئی۔ ایسا فعل واجب الترک ہے۔ فتح الملہم صفحہ ۲۳ ج ۲ میں ہے: اما قولہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی حدیث عمرانؓ بن حصینؓ وھو فی السریۃ قد ظننت ان بعضکم خالجنیھا۔ ابلغ عندی فی النھی عن قولہ لا تفعلوا خلفی لو کان ورد۔ یعنی صریح نہی عن القرأۃ خلف الامام سے یہ تعبیر قد ظننت ان بعضکم خالجنیھا۔ زیادہ اس فعل کے قبیح ہونے پر دلالت کرتی ہے۔ کیونکہ خلجان یعنی آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو قلبی ایذا رسانی اسی سے ہوئی اور مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُؤْذُوْا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

رَسُوْلَ اللّٰہِ قرآن کریم میں آہی چکا ہے اور ایذا دہی کے اسباب سے رُکنا بچنا ہر مسلمان کا فریضہ ہے۔ اسی نکتہ کو فتح الملہم ص۲۳ ج۲ میں اس سے قبل بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں: فعدم الانصات والاستماع فی الصلوٰۃ اولیٰ واحق بان یکون سببًا للتلبیس والتخلیط والمنازعۃ والمخالجۃ وھٰذہ الامور لا شُبْھَۃَ فی انہ ینبغی ان ینھٰی عنھا وعما یوجبھا او یفضی الیھا فی الاغلب یعنی امام کی قرأت کے زمانہ میں مقتدی کا انصات واجب نہ کرنا اور استماعِ مأمور کو ترک کرنا اور اس کی بجائے اپنی قرأت میں مشغول ہوجانا یقیناً مکروہ اور قبیح فعل ہے بمقتدی کا ایسا عمل ضرور بالضرور امام کی قرأت میں اشتباہ ڈالے گا۔ التباس اور اختلاط پیدا کرے گا اور اس سے اس کو قرأت میں خلجان اور قلبی کوفت ضرور پیدا ہوگی۔ نماز میں ایسا اختلال اور پریشانی ڈالنے والی چیز ضرور ممنوع قرار دی جائے گی۔ اس کا نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ ان مختلف عنوانات سے شارع علیہ الصلوٰۃ والسّلام نے نہی عن القرأۃ خلف الامام فرمادی۔ بجائے صریح نہی کے ان عنوانات سے ان اسباب پریشانی کا ذکر کرنا زیادہ مؤثر ہوجاتا ہے۔ جیسے دعوٰی مع الدلیل کو کلام کی خوبی کہا جاتا ہے۔ دیکھیے! کسی سے آپ کہیں کہ تیری اس بات نے دل میں کوفت پیدا کی خلجان قلبی ہوا۔ اس کا یہی معنی ہے کہ تو بات نہ کرتا تو اچھا ہوتا اور یہ قلبی پریشانی نہ ہوتی اس کے بعد حضرت قتادہؒ کا یہ فرمانا کیا معنی رکھتا ہے: لوکرھہ لمنعہ کیا خالجنیھا وغیرہ الفاظ سے کراہت معلوم نہیں ہوتی؟ اس سے معلوم ہوا کہ قرأت خلف الامام خواہ خفیہ ہی ہو یقیناً مکروہ فعل ہے اور مُفوِّت واجب مأمور ہے۔ وَاَنْصِتُوْا کا حکم صریح قرآنِ کریم اور حدیثِ نبویؐ دونوں میں آچکا ہے۔ تعجب ہے ان بعض شافعیہ حضرات محدثین کرامؒ کے رویّہ پر کہ اس حدیث میں وانصتوا کے ذکر کو تفرد کا بہانہ بنا کر اس کو ٹالتے ہیں کہ فلاں راوی اس کے روایت کرنے میں متفرد ہیں اوروں نے یہ ذکر نہیں کیا۔ حالانکہ اس کے ثقہ متابع بھی موجود ہیں۔ قطع نظر اس سے کیا قرآنِ کریم میں یہ لفظ نہیں آیا؟ فَاسْتَمِعُوْا، وَاَنْصِتُوْا۔ کیا قرآن کریم میں یہ بھی کسی حنفی نے لکھ دیا ہے؟

Telegram : t.me/pasbanehaq1

یا تفرد اور شذوذ کا بہانہ یہاں بھی ہوسکتا ہے ؟ کیا یہ آیت کریمہ جلیل القدر محدثینؒ اور مفسرینؒ کے بیان کے مطابق بلکہ بالاجماع مقتدی کے بارے میں نازل نہیں ہوئی ؟ کیا قرآن و حدیث دونوں کے ملانے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا: اِذا قرأ الاِمَام فانصتوا پہلے پوری تفصیل گزر چکی ہے۔ فتح الملہم صفحہ ۲۳ ج ۲ میں ہے: فعدم الانصات والاستماع فی الصلوٰۃ اولی واحق بان یکون سببًا للتخلیط والتلبیس۔ یہ اولیٰ واحق اس لیے فرمایا کہ نماز سے خارج مقتدی کا وضوء میں نقصان کرنا اور موافق سنّت نہ کرنا اس کو بھی حدیث شریف میں موجب تلبیس فی القراۃ فرمایا گیا ہے۔

نسائی شریف صفحہ ج ۱ کی روایت میں ہے ما بال رجال یصلون معنا لا یحسنون الطهور انما یلبس علینا القرآن اولٰئك۔ لوگوں کا کیا حال ہے کہ نماز کے لیے وضوء موافق سنّت نہیں کرتے، ناقص طہارت کرتے ہیں اور ہمارے ساتھ نماز میں آملتے ہیں، انہی کی وجہ سے ہمیں قرأت میں التباس واقع ہوتا ہے۔ خیال فرمائیں کہ جب خارجِ نماز ایک ناقص عمل سببِ تلبیس اور تخلیط کا بن سکتا ہے بلکہ بنا تو داخلِ نماز جب مقتدی ایک ممنوع فعل کرتا ہے تو اس کا یہ فعل امام کی قرأت میں کیوں مزاحمت پیدا نہیں کرسکتا؟ امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ اس نے جہر کیا تھا۔ اس لیے التباس ہوا۔ نہیں، نہیں، ہرگز نہیں۔ ظہر میں کون جہر کرتا ہے۔ بلکہ اس شخص نے قرأتِ ممنوعہ کی تھی۔ اس سے خلل واقع ہوا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان بھی اس جگہ: ایکم قرأ، ایکم القاری ہے ایکم جهر نہیں ہے اور نماز بھی ظہر کی تھی اس میں جہر کون کرتا ہے؟

الفائدۃ الاولیٰ: حضرت شیخ استاذ حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی نور اللہ مرقدہٗ صاحب فتح الملہم سے میں نے ڈابھیل ضلع سورت میں سنا کہ حضرات محدثین کرام شافعیہؒ اکثر کو دیکھا گیا ہے کہ وہ حدیث فاتحہ خلف الامام کی بحث میں جملہ واذا قرأ فانصتوا۔ فرمانِ نبویؐ کو ساقط کرنے کے درپے ہوجاتے ہیں کہ اس میں راوی کا تفرد ہے اور یہ عامہ رواۃ کے مخالف ہے۔ صحیح نہیں۔ وغیر ذٰلك۔ ہم کہتے ہیں کہ اس کو آپ چھوڑ دیں لیکن حدیث کا اوّل حصہ انما جعل الامام لیؤتم به تو صحیح ہے اور صحیحین میں مروی ہے اس

کا فرمانِ نبوی ہونا تو مسلّم ہے کسی نے اس میں اختلاف نہیں کیا۔ ہمارے احنافؒ کے لیے یہی جملہ متفق علیہا کافی وشافی دلیل ہے۔ آگے کو نہ جائیں۔ بشرطِ انصاف یہی جملہ دلیل منع قرأت خلف الامام بن جاتا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ائتمام اتباع کو کہتے ہیں یہی تفسیر حافظ ابن حجرؒ نے قاضی بیضاویؒ سے فتح الباری میں نقل کی ہے۔ قال البیضاوی الائتمام الاتباع۔ عنقریب سکتوں کے بیان میں یہ پوری عبارت باحوالہ نقل کر دوں گا۔ انشاء اللہ تعالیٰ اور قرآن میں اتبع کا لفظ آچکا ہے۔ فَإِذَا قَرَأْنَاهُ فَاتَّبِعْ قُرْآنَهُ۔ اس اتباع کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے بخاری ص۳ میں یہ نقل کی گئی ہے: استمع وانصت اس وقت اسمه جمعہ الامام لیؤتم به حدیث متفق علیہ کا معنی یہ ہو جاتا ہے انما جعل الامام لیستمع له وینصت لقرأته۔ وہ انصات جس کو آپ لوگ گرا رہے ہیں وہ تو صدر حدیث ائتمام کے لفظ کا مدلول بن رہا ہے اور امام کی قرأت کے وقت مقتدی کا انصت (خاموش رہنا) متفق علیہ صحیح حدیث سے ثابت ہو رہا ہے۔

الفائدة الثانية: گزشتہ روایت میں گزرا کہ کسی نے بحالتِ اقتدا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پیچھے ظہر کی نماز میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى کی سورۃ پڑھی۔ آپ نے فرمایا: کس نے قرأت کی ہے؟ مجھے اس سے خلجان پیدا ہوا ہے خالجنیھا۔ اس سے امام کے پیچھے سری نمازوں میں قرأت کرنے کی ممانعت معلوم ہوئی۔ اس انکار کا معنی کراہت ہی سمجھا جاتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہو چکا ہے کہ حضرت قتادہؒ کا فرمان لو کرھه لمنعه اس مقام میں کچھ معنی نہیں رکھتا۔ کیونکہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا کسی چیز کو ناپسند کرنا اور اس پر نکیر فرمانا ہی کراہت ہے۔ اس سے صاف معلوم ہو گیا کہ دن کی سری نمازوں میں مقتدی کی امام کے پیچھے فاتحہ خوانی مکروہ فعل ہے اور لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحة الکتاب کی حدیث سے مقتدی کو مستثنیٰ کرنا ہوگا۔ من کا عموم وضع کے لحاظ سے نہیں بلکہ خارجی حالات کو دیکھ کر لیا جاتا ہے۔ اسی لیے عموم کو ظنی کہتے ہیں۔ دیکھیے قرآن کریم میں فرمایا: أَمَّا مَنِ اسْتَغْنَىٰ فَأَنتَ لَهُ تَصَدَّىٰ۔ اسی طرح وَأَمَّا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مَنْ جَاءَكَ يَسْعٰى وَهُوَ يَخْشٰى فَاَنْتَ عَنْهُ تَلَهّٰى۔ کیا دونوں جگہ مَنْ کے عموم کی رٹ لگانا ایمان کا ضائع کرنا نہیں بنتا۔ حضرت سفیانؒ بن عیینہ راوی حدیث لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ اس حدیث کو مخصوص کر رہے ہیں۔ اذا کان وحدہ۔ (ابوداؤد) اور حضرت امام زہریؒ راوی حدیث کے حوالہ سے ہم جہری نمازوں میں حضرات صحابہ کرامؓ کا قرأت خلف الامام سے رُک جانا بیان کر چکے ہیں۔ یکفیھم قرأۃ الامام۔ کہ مقتدیوں کو امام کی قرأت ہی کافی ہو جاتی ہے۔ امام کے پیچھے قرأت نہ کریں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے امام کے پیچھے قرأت کرنے والوں پر انکار فرمایا۔ جہری نمازوں میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت اور سری میں حضرت عمرانؓ بن حصینؓ کی روایت ثابت ہو چکی ہے۔ جس کا تذکرہ ابھی عنقریب گزرا۔ الحمد للہ تعالیٰ حنفیہ کرامؒ کا یہی مذہب ہے بعض لوگوں نے سری نمازوں میں حضرت امام محمدؒ کا قول جواز قرأت خلف الامام کا نقل کیا ہے اور صاحب توضیح الکلام نے بھی ص ۵۹ سے ص ۶۴ تک اسی پر بحث کی ہے۔ لیکن محققین حضرات حنفیہ کرام کثرھم اللہ اس کو صحیح نہیں کہتے۔

مولانا مبارک پوری صاحبؒ لکھتے ہیں کہ امام محمدؒ موطا میں فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت نہ کرنی چاہیئے خواہ امام جہر سے قرأت کرتا ہو یا آہستہ اسی پر عام آثار دلالت کرتے ہیں اور امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا مسلک اور مذہب بھی یہی ہے۔ (تحفۃ الاحوذی ص ۲۵۸ ج ۱، یہ عبارت مؤطا امام محمدؒ ص ۹۴، جامع المسانید ص ۳۳۶ ج ۱، فتح القدیر ص ۲۴۱ ج ۲ اور روح المعانی ص ۱۳۵ ج ۹ وغیرہ میں بھی نقل کی گئی ہے) اور یہی مضمون ان کی کتاب الآثار ص ۲۱ میں ہے۔ جن لوگوں نے امام محمدؒ کا مذہب امام کے پیچھے سورۃ فاتحہ پڑھنے کے جواز اور استحسان کا نقل کیا ہے وہ قطعاً غلط ہے۔ (ملاحظہ ہو فتح القدیر ص ۲۴۱ ج ۲، شامی ص ۳۶۶ ج ۱ اور فتح الملہم ص ۲ ج ۲ وغیرہ) افسوس ہے کہ غیر مقلدین مردود اقوال کا سہارا لے کر اپنے عوام کو دھوکہ دے رہے ہیں جیسا کہ صاحب توضیح الکلام وغیرہ نے کیا ہے۔ سری نمازوں میں بھی مقتدی کا فاتحہ پڑھنا مکروہ ہی ہے ابھی حضرت عمرانؓ بن حصینؓ کی روایت میں گزرا۔ حضرات شوافعؒ بھی جمعہ کے خطبہ میں یہی حکم دیتے ہیں کہ جن لوگوں کو خطیب کی آواز نہیں پہنچتی ان کو بھی خطبہ کے دوران میں وظائف

Telegram : t.me/pasbanehaq1

پڑھنے کی اجازت نہیں دیتے اور ان کے لیے خاموش رہنے کا ہی حکم دیتے ہیں۔ حافظ ابنِ حجرؒ کی عبارت میں تصریح ہے: کہ اکثر شافعیہؒ اسی کے قائل ہیں صحیح بھی یہی ہے۔ قرآنِ کریم نے فرمایا: وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا۔ اور یہ نہیں فرمایا: إِذَا سمع۔

نتیجۃ الکلام بیان میں کچھ طول ہوگیا ہے۔ لیکن یہ طول انشاء اللہ تعالیٰ فائدہ سے خالی نہ ہوگا۔ بڑے لوگ جب بے اعتدالی کرجاتے ہیں تو شکوہ کرنا پڑتا ہے

مصنف خیر الکلام فاضل جماعت اہلِ حدیث نے حضرت امام بیہقیؒ کے کلام کا سہارا لیا کہ لوگ ان کے عقیدت مند ہیں۔ بلا سوچے سمجھے تصدیق کرلیں گے اور اپنا کام چل جائے گا۔ کہ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى پڑھنے والے صحابی پر آپؐ کا انکار اس کے اُونچے پڑھنے پر تھا۔ نفس قرأت خلف الامام پر انکار نہیں تھا۔ ان کی عبارت نقل کی کہ فرماتے ہیں: لولا انہ جھر۔ اگر اس نے جہر سے نہیں پڑھا تھا تو حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام سورۃ کا نام کیسے لیتے؟ یعنی انکار اس کے جہر پر ہے۔ امام کے پیچھے خفیہ قرأت کی جا سکتی ہے۔ ہم نے اوّلاً یہ جواب دیا کہ یہ جہر نہیں تھا۔ ظہر کی نماز میں جہر کون کرتا ہے؟ یہ ھمس تھا جو مخفی قرأت ہی کی جاتی ہے۔ لیکن اس میں کچھ آواز پیدا ہو جاتی ہے اور اس کے نظائر بیان کیے تھے۔ وثانیاً یہ کہ تسمیہ سورۃ کا حضرت قتادہؒ کی اس روایت میں ہے جو قتادۃ عن زرارۃ بن اوفی کے طریقے سے مروی ہے اور قتادہؒ مدلّس ہے۔ اور ایسی روایت مشکوک ہوتی ہے لیکن یہ سب کچھ جانتے ہوئے بھی حضرت امام بیہقیؒ استدلال اس سے کرگئے اور خاموش چلے گئے۔ اگر ایسی روایت حنفیہ کی ہوتی۔ تو یقیناً وہ کیا کچھ کہتے۔ بعض بڑے بڑے حضرات ایسا کر جاتے ہیں۔ دیکھئے حضرات امام بخاریؒ نے جزء القرأت میں حنفیہؒ کی دلیل جو مسلم شریف میں عن جریرؒ عن سلیمان التیمیؒ عن قتادۃ عن یونسؒ بن غلابؒ عن ابی موسیٰ الاشعریؓ کے طریقے سے ہے نقل کی اور اس کے آخر میں ہے۔ زاد سلیمان التیمی فی ھذا الحدیث واذا قرأ فانصتوا۔ ان کے شاگرد نے پوچھا کہ کیا یہ زیادۃ صحیح ہے۔ تو امام مسلمؒ نے فرمایا: ھل ترید احفظ من سلیمان۔ الغرض امام مسلمؒ نے اس زیادۃ کو صحیح قرار دیا کہ زیادہ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ثقہ حافظ کی ہے اور صحیح ہے لیکن امام بخاریؒ نے جزء القرأت میں فرمایا کہ اس میں سلیمان تیمیؒ اور قتادہؒ مدلس ہیں۔ اور یہ روایت عَنْ سے کر رہے ہیں اور اس کو مشکوک بنا گئے۔ کیا یہی قتادہؒ اس روایت سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الأعْلٰى والی میں عَنْ کے صیغے سے روایت نہیں کرتے؟ کیا امام بیہقیؒ اس کو نہیں جانتے۔ صرف بات یہ ہے کہ چونکہ یہ اپنے مسلک کے لیے مفید ہے۔ خاموش ہو گئے ہیں۔ امام بخاریؒ نے بھی ایسا ہی کیا ہے۔ جزء القرأت میں محمدؒ بن اسحٰقؒ عن مکحولؒ عن محمودؓ بن الربیع والی روایت لائے جس میں اِلّا بفاتحة الْكِتٰب فانه لَا صلٰوة اِلّا بِهَا۔ مذکور ہے۔ اس میں محمّد بن اسحٰقؒ اور مکحولؒ دونوں مدلس ہیں اور عَنْ سے روایت کرتے ہیں اور امام بخاریؒ بھی یہ جانتے ہیں۔ لیکن فاتحہ کی دلیل میں اس کو ذکر کر گئے اور ان کی تدلیس کا نام تک نہیں کیونکہ یہ اپنی دلیل ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی ایسی لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ وثالثاً یہ کہ امام مسلمؒ مسلم شریف ص۱۷۲ میں سابقہ روایت کے بعد حضرت قتادہؒ کی وہ روایت لائے جس میں قتادة سمعت زُرارة بن اوفٰی ہے اس میں سماع کی تصریح ہے یہ مشکوک نہیں لیکن اس کو بیہقیؒ نظر انداز فرما گئے کیونکہ یہ ان کے مفید مطلب نہیں تھی۔ سورت کا نام حضور علیہ الصّلٰوۃ والسّلام کے فرمان میں نہیں ہے۔ آپؐ نے ایّکم قرأ فرمایا۔ ہاں یہ سورة کا نام پڑھنے والے کے پاس والے شخص کے کلام میں ہے: جاء رجل فقرأ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى۔ اگر وہ اس کو لیتے تو مقتدی کا جہر سے پڑھنا نہیں معلوم ہوتا۔ پاس والا شخص کبھی سرّی قرأت بھی سُن لیتا ہے۔ اس میں انکار نفس قرأت پر بنتا ہے اس لیے اس کو حضرت امام بیہقیؒ نے چھوڑ دیا اور بیمار کو میدانِ استدلال میں لا کر کھڑا کر دیا یہ کہنا بھی صحیح نہیں کہ جب سماع ثابت ہو گیا تو اوّل روایت عَنْ زُرارة بن اوفٰی والی بھی مقبول بن جائے گی۔ یہ کاروائی بالکل نامناسب ہے۔ کیونکہ اوّل روایت کا مضمون اور ہے اور دوسری کا اور ہے جیسے ابھی ہم نے عرض کر دیا ہے اس کو متابعت نہیں کہہ سکتے۔ متابعت موافقت کا نام ہے اور یہاں مخالفت ہے۔ اس لیے امام بیہقیؒ نے مطلب سازی کے لیے بیمار روایت کو لیا اور اپنا کام چلایا۔ اگر صحیح سلامت روایت کو لیتے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

توان کا مقصد فوت ہوتا ہے اس لیے ان دونوں روایتوں میں ترجیح کا راستہ لیا جائے گا۔ ہم تو اس بیمار کے علاج کا مشورہ دیں گے۔ آپ کے نزدیک اگر وہ بیمار پہلوان کشتی کے میدان میں جیتنے والا ہے تو آپ جانیں۔ ہمارا پہلوان تو تندرست ہے۔ ورابعاً یہ کہ ایک راوی اگر تسمیہ سورت کا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کلام میں نقل کرتا ہے جیسے کہ مذکور ہوا، تو بالمقابل تین چار ثقہ حضرات تسمیہ سورۃ کا پاس والے شخص کے کلام میں بیان کرتے ہیں پھر آپ کیسے جزماً فرماتے ہیں ؟ کہ اگر اونچا نہ پڑھا ہوتا تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سورۃ کا نام کیسے لیتے ؟ منصف مزاج اور حقیقت شناس اس کا فیصلہ کر سکتا ہے۔ اس مفصل بیان سے معلوم ہوا کہ خیر الکلام کے بورڈ والی دکان کا یہ سودا بھی کھوٹا ہے اور ہم نے بتا دیا ہے پھر بھی اگر کوئی لینا چاہتا ہے تو اس کی مرضی، ہم نے رہنمائی کر دی ہے۔

؎ اندھیری شب ہے رستہ گم ہے لیکن
نظر آتے ہیں منزل کے اُجالے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

الهدیۃ السّنیۃ فی المکالمۃ
بین قتادۃؒ وشعبۃؒ
فی الفاتحۃ خلف الامام فی الصّلوٰۃ السّریۃ

ابوداؤد شریف صـ۱۲۰ ج۱ میں ہے کہ ایک شخص نے ظہر کی نماز میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلّم کے پیچھے سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی پڑھا۔ اس کے بارے امیر المؤمنین فی الحدیث امام شعبہؒ نے حضرت قتادہؒ سے کہا کہ یہ پڑھنا تو حضرت شیخ سعیدؒ بن المسیّبؓ کے فرمان اور معمول کے خلاف ہے: الیس قول سعید انصت للقراٰن۔ (جب قرآن مجید پڑھا جائے تو تم خاموش رہو) انھوں نے جواباً فرمایا: ذالك اذا جهر یعنی خاموشی کا حکم امام کی قرأت جہری کے وقت ہے اور ظہر کی نماز تو سری ہے۔ یہ سری اور جہری کا فرق حضرت قتادہؒ اپنی طرف سے فرما گئے ہیں۔ یہ نہیں کہا کہ حضرت سعیدؒ بن المسیّبؓ سرّی اور جہری کا فرق کیا کرتے تھے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ یہ ان کی ذاتی رائے تھی کہ سرّی نماز میں امام کے پیچھے قرأت جائز ہے لیکن خود اسی حدیث میں ہے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے انکاری لہجہ میں فرمایا: ایکم قرأ۔ کس نے قرأت کی ہے؟ مجھے اس نے خلجان میں ڈال دیا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کلام کراہت پر ہی دلالت کرتا ہے لیکن حضرت قتادہؒ نے اپنی طرف سے یہ فرمایا: لو کرھه لنھٰی عنه۔ اس سے معلوم ہُوا کہ وہ سری نماز میں قرأت خلف الامام کو مکروہ نہیں سمجھتے تھے۔ ہاں جہری میں وہ بھی مکروہ جانتے ہیں۔ ذالك اذا جهر به گزر چکا ہے۔ لیکن حضرت امام شعبہؒ اور سعیدؒ بن المسیّبؓ دونوں سری نمازوں میں بھی قرأت خلف الامام کو مکروہ کہتے ہیں۔

بذل المجہود صـ۵۹ ج۲ میں ہے: الانصات للقراٰن علٰی قول سعیدؒ بن المسیبؓ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

یشمل الصّلوٰۃ الجہریۃ والسریۃ۔ اسی لیے حضرت امام شعبہؒ نے حضرت قتادہؒ کے قول کی تردید کی۔ ہاں جہری نمازوں میں یہ تینوں حضرات متفق ہیں کہ قرأت خلف الامام مکروہ ہے۔ یہی بات امام ترمذیؒ نے فرمائی۔ واختار اھل الحدیث ان لایقرأ الرجل اذا جھر الامام بالقرأۃ۔ یہ لفظ جملہ محدثین کرامؒ کو شامل ہے جن میں یہ تینوں حضرات بھی شامل ہیں۔

ہمارے ملک کے اہلِ حدیث کہلانے والے اپنا چہرہ شیشہ میں دیکھ لیں کہ وہ ان اہل الحدیث میں ہیں یہ تو امام کے ساتھ ہی پڑھا کرتے ہیں اور فعل مکروہ کرتے ہیں، ابھی معلوم ہُوا کہ یہ حضرت شعبہؒ، قتادہؒ اور سعیدؒ بن المسیبؓ بلکہ جملہ محدثین کرامؒ کے خلاف چل رہے ہیں۔ اگرچہ نام اہل حدیث کا لیتے ہیں۔ لیکن یہ اہلِ ہوای ہی ہیں۔ اس سے یہ بھی معلوم ہُوا کہ ابوداؤد کا راجح نسخہ اس جگہ بجائے من رأی القرأۃ اذا لم یجھر کے باب من لم یری القرأۃ اذا لم یجھر ہی ہے۔ جیسے کہ بذل المجھود ص۵۸ ج۲ میں ہے اور یہی مقام کے مناسب بھی ہے کیونکہ ظاہر حدیث کراہت پر ہی دلالت کرتی ہے۔ خلجان ڈالنے والی چیز مکروہ ہی ہوتی ہے اور اس سے حضرت امام شعبہؒ اور سعیدؒ بن المسیبؓ بھی یہی سمجھ رہے ہیں اور اگر ترجمۃ الباب پہلا عنوان ہی ہو تو بھی مسئلہ پر کوئی زد نہیں پڑتی۔ کما لا یخفی۔ امام شعبہؒ اور سعیدؒ بن المسیبؓ کا تمسک فرمانِ نبویؐ واذا قرأ فانصتوا سے ہے۔ اس میں جہری اور سری کا کوئی فرق نہیں کیا گیا۔ اسی لیے حضرت امام شعبہؒ نے فرمایا: الیس قول سعید انصت للقران۔ حالانکہ یہ سری نماز کا قصہ ہے۔ اس سے معلوم ہُوا کہ انصات کا لفظ سری قرأت سے بھی منع کرتا ہے۔ یہی بات گزشتہ عرض کی تھی کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام حضرت جبریل علیہ السّلام کی قرأت کے وقت خفیہ پڑھا کرتے تھے۔ اس سے روکنے کے لیے فَاتَّبِعۡ قُرۡاٰنَہٗ نازل ہوا جس کی تفسیر حضرت ابنِ عباسؓ نے استمع وانصت سے کی تھی۔ لفظ انصات ان دونوں جگہوں میں خفیہ قرأت سے منع کے لیے استعمال ہوا ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ حضرت امام بیہقیؒ کا فرمان کہ لوگ جہر کرتے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

تھے۔ اس سے روکنے کے لیے فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا نازل ہوا۔ یہ سب باتیں محض سرسری طور سے بے محل مذہبی چارہ جوئی کے لیے کہی گئی ہیں۔ اگر انصات جہر کے روکنے کے لیے آتا ہے تو حضرت شعبہؒ نے حضرت قتادہؓ کو کیوں فرمایا اَلَیْسَ قول سعید انصت للقرآن۔ کیا پڑھنے والے سرّی نماز میں امام کے پیچھے جہر سے پڑھا تھا۔ فریقِ ثانی کی ضد و تعصب کا یہ رونا کئی بار رد کیا گیا ہے۔ غلط چال پر جگہ جگہ ٹھوکریں لگتی ہی رہتی ہیں۔ مزید ذرا اپنے گھر کا حال بھی ملاحظہ فرمائیں:

مصنف خیر الکلام فاضل جماعت اہلِ حدیث بار بار لکھتے ہیں کہ: انصات کا معنی یہ ہے کہ جہر سے نہ کیا جائے، شور و غل نہ کیا جائے۔ قرأتِ مشوشہ نہ کی جائے۔ حوالے کئی جگہ پہلے نقل ہو چکے ہیں۔ کیا پڑھنے والے نے ظہر یا عصر کی نماز میں امام کے پیچھے شور و غل کیا تھا اور جہر سے پڑھا تھا کہ حضرت شعبہؒ نے اس کی تردید کی اور اَلَیْسَ قول سعید انصت للقرآن فرمایا مگر آپ حضرات کے نصیب میں تو سب کھوٹی باتیں ہی آئی ہیں اس میں ہمارا کیا قصور ہے؟ اگر امام بیہقیؒ کی تقلید آپ کرتے ہیں کہ انصات صرف جہر سے روکنے کے لیے آتا ہے اور خفیہ قرآت ہو سکتی ہے تو بتائیے کہ ان دونوں جگہ انصات کا لفظ کیوں لایا گیا ہے؟ یعنی استمع وانصت حضرت ابنِ عباسؓ کے کلام میں اور اَلَیْسَ قول سعید انصت للقرآن حضرت شعبہؒ کے کلام میں۔

فائدہ: حضرت امام محمدؒ کی طرف منسوب کیا گیا ہے کہ وہ سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کو مستحب کہتے ہیں لیکن یہ نسبت غلط کی گئی ہے۔ فتح الملہم ص۲ ج۲ میں ہے ماانسب الی محمد من اصحابنا من استحباب قرأۃ الفاتحۃ فی السریۃ احتیاطا فهو ضعیف۔ قال الشیخ ابن الهمام والحق ان قول محمد كقولهما فان عبارته فی كتبه مصرحة بذلك قال محمد لانرى القرأة خلف الامام فی شئ من الصلوة يجهر اولا يجهر۔ بعض علماء احناف نے امام محمدؒ کی طرف جو یہ منسوب کیا ہے کہ وہ سرّی نمازمیں امام کے پیچھے قرأتِ فاتحہ کے قائل تھے، یہ نسبت غلط اور قول ضعیف ہے۔ حافظ ابن الہمامؒ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

فرماتے ہیں کہ حق بات صرف یہی ہے کہ حضرت امام محمدؒ کا قول بھی حضرت امام ابوحنیفہؒ اور حضرت امام ابویوسفؒ کی طرح ہے جیسا کہ خود ان کی اپنی کتابوں میں اس کی تصریح موجود ہے کہ ہم کسی نماز میں سرّی ہو یا جہری امام کے پیچھے قرأت کے قائل نہیں ہیں۔

امام محمدؒ تو بانگِ دُھل فرماتے ہیں کہ امام کے پیچھے قرأت نہیں کرنی چاہیئے۔ امام جہر سے قرأت کرے یا خفیۃً۔ مزید فتح الملہم میں ج۲ ص۲ میں فرمایا: قال الشعرانیؒ قال ابوحنیفۃ بعدم وجوب القرأۃ علی المأموم سواء جهرا واسر بل لا تسن القرأۃ خلف الامام عند الامام بحال وكذلك قال مالكؒ واحمدؒ انه لا تجب القرأۃ على المأموم بحال بل كره مالكؒ للمأموم ان يقرأ فيما يجهر فيه الامام سواء سمع قرأۃ الامام او لم يسمع۔

امام شعرانیؒ فرماتے ہیں کہ امام ابوحنیفہؒ کسی حالت میں جہری نماز ہو یا سرّی امام کے پیچھے قرأت کے وجوب کے قائل نہیں ہیں بلکہ اس کو غیر مسنون کہتے ہیں اور حضرت امام مالکؒ اور امام احمدؒ فرماتے ہیں کہ مقتدی پر قرأت واجب نہیں کسی حال میں بھی۔ بلکہ امام مالکؒ تو امام کی قرأتِ جہری کے وقت مقتدی کی قرأت کو مکروہ کہتے ہیں اور مطلق کراہت کا لفظ کراہتِ تحریمی پر بولا جاتا ہے۔ خواہ مقتدی امام کی قرأت سُنے یا دُوری کی وجہ سے نہ سنے۔ بہرحال حضرت امام مالکؒ مقتدی کا قرأت کرنا مکروہ کہتے ہیں۔ دلیل واضح ہے کہ مقتدی کا قرأت کرنا فَاسْتَمِعُوا لَهٗ وَاَنْصِتُوا کے حکم کے خلاف ہے ضرور مکروہ ہوگا۔ حضرت امام شعبہؒ اور حضرت سعیدؒ بن المسیبؒ سرّی نمازوں میں بھی مکروہ کہتے ہیں۔ اسی لیے حضرت امام شعبہؒ نے حضرت قتادہؒ کے قول کی تردید کی۔ اگر ظہر کی نماز میں امام کے پیچھے قرأت مباح ہوتی تو تردید نہ کرتے۔ حضرات اہلِ حدیث تو جہری نمازوں میں بھی قرأت خلف الامام کرتے ہیں۔

حضرات ائمہ دینؒ اور محدثین کرامؒ کے اقوال آپ کے سامنے ہیں۔ حضرات غیر مقلدین صرف عمومات کو سامنے رکھتے ہیں، لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب مگر آپ جانتے ہیں کہ حضرات ائمہ دینؒ بھی ان عمومات کو جانتے تھے لیکن دوسری طرف بھی نگاہ کرتے تھے کہ ممانعت کے نصوص بھی صحیح اور صریح ثابت ہو چکے ہیں اور عمومات

Telegram : t.me/pasbanehaq1

میں تخصیصات بھی کی جاتی ہیں۔ کیا انصات کا حکم قرآن اور حدیث میں آ نہیں چکا؟ مزید سنئے:
فائدہ: اساتذہ کرامؒ سے سنا کہ اس مقام میں اللہ جل جلالہٗ وعم نوالہٗ نے حنفیہ کرامؒ کی غیبی مدد فرمائی ہے۔ شکر الحمد للہ! مسلم شریف ص ۱۷۴/۱ میں امام مسلمؒ نے بروایت سلیمان التیمیؒ عن قتادہؒ سابقہ روایت سے زیادت نقل فرمائی۔ زاد سلیمان فی ھٰذہ الروایۃ واذا قرأ فانصتوا ... الخ یہ زیادت صحیح مسلم میں آچکی ہے۔ لیکن ان کے تلمیذ خاص نے امام خداوندی سے ایک سوال کیا کہ کیا یہ زیادت صحیح ہے۔ امام مسلمؒ نے فرمایا ھل ترید احفظ من سلیمان؟ کیا تو سلیمانؒ سے زیادہ حفظ والا چاہتا ہے؟ ان کا عادل، ضابط ہونا تو پہلے ہی معلوم تھا کہ رجال صحیحین کے ایسے ہی شان والے ہوتے ہیں لیکن امام مسلمؒ نے ان کو بجائے حافظ ہونے کے احفظ بصیغہ اسم تفضیل فرما کر اور بھی اونچی شان والا ہونا بتا دیا کہ اس کی زیادت میں کیسے شک کیا جا سکتا ہے؟ یہ صرف حافظ ہی نہیں بلکہ احفظ ہے اس میں امام مسلمؒ نے ایک ضابطہ کی طرف اشارہ فرما دیا کہ ثقہ حافظ راوی کی زیادۃ جب کہ اوروں کی روایت سے معارض نہ ہو وہ مقبول ہوتی ہے۔ اس کو بمنزلہ حدیث مستقل سمجھا جاتا ہے۔ یہ مسلمہ اصول ہے۔ امام بخاریؒ ص ۲۰۱/۱ بھی اس کو اپنی صحیح میں ذکر چکے ہیں۔ فرماتے ہیں: الزیادۃ متبولۃ والمفسر یقضی علی المبھم اذا رواہ اھل الثبت.... الخ موجودہ صورت میں دیگر روایات اس جملہ واذا قرأ فانصتوا۔ کے بیان سے ساکت ہیں۔ لیکن ساکت اور ناطق کا تعارض نہیں ہوتا۔ لہٰذا یہ زیادت صحیح ہوئی۔ یہی امام مسلمؒ کی مراد ہے کہ فرمایا: ھل ترید احفظ من سلیمانؒ۔ صرف یہی روایت نہیں بلکہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت میں بھی یہ زیادت مروی ہے جس کا عنقریب ذکر آ رہا ہے۔ یہ زیادت صحیحۃ واذا قرأ فانصتوا بتاتی ہے کہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کے عموم سے مقتدی خارج ہے۔ بلکہ امام سفیانؒ بن عیینہؒ راوی حدیث بھی ھٰذا لمن یصلی وحدہٗ فرما رہے ہیں کہ یہ حدیث اکیلے نماز پڑھنے والے کا حکم ہے۔ (ابوداؤد ص ۱۱۹/۱) حضرت سفیانؒ کے اس فرمان کی وجہ اور ہے کہ اس حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ... الخ کے آخر میں

Telegram : t.me/pasbanehaq1

فصاعداً کا لفظ بھی مروی ہے اور بعض روایات میں فما زاد، وما تیسر وغیرہ کے الفاظ بھی مروی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاتحہ کے ساتھ کچھ اور حصہ قرآن کا ملانا بھی ضروری ہے۔ ان میں واوٴ عاطفہ اور فا چاہتے ہیں کہ ماقبل اور مابعد ایک ہی طرح ضروری ہیں۔ یعنی فاتحہ کے ساتھ سورت یا کچھ اور آیات کا ملانا بھی ضروری ہے اس لیے یہ حکم امام یا منفرد کے لیے ہی کہا جاسکتا ہے۔ مقتدی کا سورت ملانا تو کوئی بھی نہیں کہتا۔ اسی لیے فرمایا: ھٰذا لمن یصلی وحدہ۔ بہرحال مقتدی اس حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب سے خارج ہے۔ خواہ اس زیادت فما زاد، وما زاد وغیرہ کی وجہ سے کہا جائے یا واذا قرأ فانصتوا کے حکم کی وجہ سے کہ مقتدی کا مطلق حکم امام کے پیچھے خاموش رہنا ہی ہے اور قرآن کریم اور حدیث نبوی کی شہادت یہی ہے۔ حقیقت میں یہ حدیث قرآن کریم کی آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کی تفسیر ہی ہے۔ گزر چکا کہ بالاجماع یہ آیت کریمہ امامت کے مسئلہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ لہٰذا اس زیادت واذا قرأ فانصتوا کی صحت میں کلام کرنا بے سود ہی ہے کیونکہ اوّل جملہ یعنی انما جعل الامام لیؤتم بہ تو متفق علیہ مروی ہے، اور گزر چکا کہ أیتمام کا معنی اتباع ہی ہے اور فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ۔ کی تفسیر حضرت ابن عباسؓ سے استمع وانصت مروی ہے۔ اس وقت معنیٰ مذکور روایت کا یہ بن جاتا ہے کہ انما جعل الامام لیستمع لقراءتہ وینصت لھا یہی واذا قرأ فانصتوا کا معنی ہے۔ الحاصل: حدیث حضرت ابوموسیٰؓ اشعری کی بروایت سلیمانؒ التیمی عن قتادہؒ مسلم شریف میں ہے پہلے تو یہی اس کی دلیل صحت ہے پھر اس کے ساتھ امام مسلمؒ نے اس کی مزید توثیق بھی فرمادی ہے جو نور علیٰ نور ہوگیا ہے سلیمان تیمیؒ اور قتادہؒ کے کئی متابع بھی موجود ہیں۔ تفصیل فیض الباری ص۲ج میں دیکھیں متابعت سے تدلیس کا شبہ رفع ہوگیا اور یہ حدیث قطعی حجت، صحیح اور صریح برہان قاطع بن گئی۔ اس کے بعد بے بنیاد شکوک پیدا کرنا انصاف کے خلاف ہے۔ امام مسلمؒ کے اسی شاگرد نے ایک اور سوال بھی اس مقام میں کیا ہے۔ وہ پہلے سوال سے بھی زیادہ مفید

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اور بفضلہ تعالیٰ حنفیہ کرامؒ کی تائید مزید بنا اس نے پوچھا کہ یہ فرمان یعنی وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا کا جملہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں بھی مروی ہے۔ اس کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟ انہوں نے فرمایا: ھو عندی صحیح۔ وہ بھی میرے نزدیک صحیح ہے۔ پھر پوچھا کہ اگر صحیح ہے تو آپ اپنی کتاب (صحیح مسلم) میں اس کو کیوں نہیں لائے؟ لِمَ لَمْ تضعه ھٰھنا؟ تو امام مسلمؒ نے جواب دیا کہ کتاب میں (اس کتاب میں) وہ احادیث لاتا ہوں جو بالاتفاق صحیح ہوں۔ حضرت ابوہریرہؓ والی روایت میں بعض حضرات محدثین کرامؒ تردّد کرتے ہیں اس لیے اس کو میں کتاب میں نہیں لایا۔ ہاں میرے نزدیک وہ بھی صحیح ہے امام مسلمؒ نے اس کی صحت پر بھی مہر تصدیق لگا دی۔ بے شک امام ابوداؤدؒ نے اس میں کلام کیا ہے والوھم عندنا من ابی خالد۔ سند یوں ہے: ابوخالد الاحمر عن محمد بن عجلان عن ابی ھریرۃؓ انما جعل الامام ... الخ۔ لیکن اس کا جواب یہ دیا گیا کہ ابوخالد الاحمر بخاری اور مسلم شریف کا ثقہ حافظ اور ضابط راوی ہے اور فتح الملہم ص۲۲ ج۲ میں ہے: تابع اباخالد الاحمر فیه عن محمد بن عجلان محمد بن سعد الانصاری عند عند النسائی ایضاً وحسان بن ابراھیم الکرمانی ذکرہ فی کتاب القرأۃ ص۹ وھو من رجال الصحیحین ومحمد عجلان ثقة مأمون صدوق من علماء مدینة واجلائھم ومفتیھم ولیس ھٰذا من حدیثه عن سعید المقبری الذی قیل انھا اختلطت علیه .... الخ۔ امام ترمذیؒ نے کتاب العلل ص۵۶۱ میں فرمایا: قال سفیانؒ بن عیینةؒ کان محمدؒ بن عجلان ثقة مأمونا فی الحدیث وانما تکلم یحییٰ بن سعید القطان فی روایة محمد بن عجلان عن سعید المقبریؒ۔ لیکن یہاں محمدؒ بن عجلانؒ کی یہ روایت سعید المقبری سے نہیں ہے یہی بات فتح الملہم ص۲۲ ج۲ میں فرمائی گئی ہے۔ اس بیان سے واضح ہوگیا کہ مصنف خیر الکلام فاضل اہلِ حدیث کی وہ بات محض تعصب اور سینہ زوری ہے جو لکھتے ہیں: اگر وہم ابوخالد الاحمرؒ سے نہیں تو محمدؒ بن عجلانؒ سے ہوگا۔ یہ امام ترمذیؒ اور دیگر ائمہؒ جرح وتعدیل کے قول کے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مخالف اور مردود ہے۔ علاوہ ازیں ابو خالد الاحمرؒ کی روایت کے متابعات بھی موجود ہیں۔ ابھی گزر چکا ہے۔ پھر وہم کہنے کا کیا معنی؟ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی مذکورہ روایت جو سلیمان التیمیؒ عن قتادہؒ کے طریق سے ہے۔ اس ابو خالد الاحمرؒ کی روایت کا شاہد صحیح اور قوی موجود ہے الحاصل حضرت ابوہریرہؓ بھی اس واذا قرأ فانصتوا کے راوی ہیں۔ روایت بھی بفرمان امام مسلم صحیح اور قوی ہے۔ یہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی روایت کے ساتھ مل کر جمہور کے دو شاہد عادل ہو گئے کہ امام کے پیچھے مقتدی کو قرأت نہیں کرنی چاہیئے اس کا وظیفہ وقت انصات ہے۔ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی حدیث جو سلیمان التیمیؒ عن قتادہؒ کے طریق سے مسلم شریف میں آچکی ہے اس کی محتاج نہیں کہ اور محدثین کرامؒ سے اس کی صحت نقل کریں مسلم شریف میں آجانا ہی صحت کی ضمانت ہے بشرطیکہ راوی کی تدلیس اور عدم متابعت سے خالی ہو۔ اسی لیے بخاری مسلم کو صحیحین کے نام سے پکارا جاتا ہے کہ ان کی جملہ روایات غیر مشکوک اور صحیح ہیں۔ لیکن بہتر معلوم ہوتا ہے کہ بعض اور اجلہ محدثین کرامؒ کے اسماء گرامی بھی آپ دیکھ اور سن لیں برکت ہی ہوگی۔ فتح الملہم شرح مسلم ج۲ ص۲۲ میں فرمایا: حدیث ابی موسیٰ اشعریؓ صححه احمد بن حنبلؒ کما فی التمهید لابن عبد البر وصححه ابوبکر بن الاشرمؒ ثم مسلمؒ ثم النسائیؒ من حیث اخراجه فی مجتبٰہ ثم ابن جریرؒ فی تفسیرہ، ثم ابو محمدؒ بن حزم الاندلسی ثم ذکی الدین المنذریؒ ثم ابن تیمیہؒ وابن کثیرؒ فی تفسیرہ ثم الحافظ ابن حجرؒ فی الفتح۔ تلك عشرة كاملة۔ ہمارے خیال میں امام ابو زرعہ رازیؒ کو بھی ملا لینا چاہیئے تاکہ عدد طاق بن کر احد عشر کوکباً کا منظر بن جائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امام نوویؒ نے مقدمہ میں لکھا ہے کہ امام مسلمؒ فرماتے ہیں کہ میں نے کتاب لکھتے وقت یہ طریقہ رکھا کہ جس قدر کتاب لکھتا حضرت شیخ ابو زرعہ رازیؒ کی خدمت میں پیش کرتا جس کو وہ صحیح قرار دیتے وہ باقی رکھتا اور جس حدیث کے متعلق وہ تردد ظاہر کرتے اس کو میں ترک کر دیتا تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ کی یہ روایت ان کی نظر میں بھی صحیح ہے۔ اسی لیے امام مسلمؒ نے اس کو کتاب

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صحیح مسلم میں درج کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

فائدہ: امام مسلمؒ صحیح مسلم ص۱۷۴ ج۱ میں حضرت ابوموسیٰ الاشعریؓ کی روایت انصات والی فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا لائے اور ان کے شاگرد کے پوچھنے کے بعد کہ کیا یہ زیادت صحیح ہے۔ مزید توثیق بھی فرمادی۔ کسی قسم کی جرح وتنقید نہیں کی، اور حضرت ابوہریرہؓ کی روایت مسلم شریف میں اگرچہ مستقل طور پر پیش نہیں کی۔ لیکن پوچھنے پر اس کی بھی تصحیح فرمادی اس سے ایک بات تو یہ معلوم ہوئی کہ ان کا مسلک اور مختار یہی ترک القراءۃ خلف الامام تھا۔ اگر فاتحہ خلف الامام کے وہ قائل ہوتے تو کچھ نہ کچھ اس میں کلام تنقیدی انداز میں فرمادیتے۔ شارح امام نوویؒ چونکہ شافعی المذہب ہیں اس لیے وہ ایسی باتوں کا اظہار نہیں فرماتے۔ بلکہ خاموش گزرجاتے ہیں اور دوسری بات یہ بھی ہے کہ بعض محققین نے لکھا ہے کہ امام مسلمؒ کا مختار باب کے آخر کا حصہ ہوتا ہے۔ اوّل باب میں مطلق ذکر کرجاتے ہیں۔ بعد میں قیودات لاکر تخصیص کرجاتے ہیں۔ اوّل باب میں عن سے روایت لاتے ہیں۔ بعد میں سماع اور تحدیث والی روایات لاتے ہیں۔ وغیر ذٰلک۔

باب فاتحہ خلف الامام کے آخر میں یہ انصات والی روایات لانا اسی اصول کے موافق ہوا۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کا مسلک اسی خلافیہ میں ترک القراءۃ خلف الامام ہی تھا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ امام مسلمؒ کی روایت مقتدی کے بارے میں صریح ہے۔ امام بخاریؒ کی روایت صریح نہیں وہ عموم لفظی سے مقتدی کو داخل کرتے ہیں۔ لیکن ما من عام الّا وقد خص عند البعض کا مقولہ مشہور ومعروف ہے۔ مقتدی کے لیے انصات کا حکم قرآن کریم اور صحیح وصریح احادیث سے ثابت ہے۔ یہی اس کے مخصوص ہونے کی دلیل ہے۔ دیکھئے: لاصیام لمن لم ینو الصیام من اللیل۔ (روزہ نہیں ہوتا اس شخص کا جس نے رات سے نیت نہیں کی)۔ حدیث میں مَن کا لفظ موجود ہے حالانکہ نفل روزہ کی نیت رات سے ضروری نہیں۔ روایات سے ثابت ہے کہ بعض دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام گھر تشریف لے گئے۔ کھانے کا پوچھا۔ جواب ملا کہ کھانے کو کچھ نہیں تو آپ فرماتے کہ چلو اب ہمارا روزہ ہوگا۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

فائدہ جلیلہ: حضرت استاذ علامہ سید محمد انور شاہ کاشمیری نور اللہ مرقدہٗ فرمایا کرتے تھے کہ حضرات صحابہ کرامؓ کے مذاہب مدوّن نہیں ہیں۔ صرف ان کے بیانات سے ان کے مختارات معلوم کیے جاتے ہیں۔ اسی وجہ سے ان میں اختلاف بھی آجاتا ہے کسی نے ان کے الفاظ سے کچھ مطلب سمجھا اور کسی نے اور مطلب بیان کر دیا۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ کے بارے اختلاف چلا کر ان کا مختار قرأت خلف الامام میں کیا ہے: حضرات شافعیہؒ ان کو اپنے ساتھ ملاتے ہیں۔ دوسرے حضرات اس کا انکار کرتے ہیں۔ علامہ نوویؒ شرح مسلم صـ۱۷۰ میں فرماتے ہیں: مما یؤید وجوبها علی الماموم قول ابی ھریرۃؓ اقرأ بها فی نفسك فمعناه اقرأ بسرٍّ بحیث تسمع نفسك۔ یعنی امام کے پیچھے فاتحہ کی قرأت اس انداز کی کیا کرو کہ تم خود اس کو سن سکو اس میں وہ سری جہری کا فرق نہیں کرتے عام رکھ کر قرأت خلف الامام کا حکم دیتے ہیں اور اس کو حضرت ابو ہریرہؓ کے فرمودہ الفاظ کا معنی بتا رہے ہیں کہ سائل نے پوچھا: انا نکون وراء الامام۔ ہم امام کے پیچھے ہوتے ہیں تو اس کا جواب دیا کہ خفیہ قرأت کر لیا کرو۔ بظاہر اس کو وہ سری اور جہری دونوں پر محمول کرتے ہیں۔ ہمارے خیال میں جہری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کرنے کی اجازت تو ان کے صریح فرمان کے خلاف ہے۔ ترمذی صـ۴۲ میں ہے: عن ابی ھریرۃؓ ان رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انصرف من صلوٰۃ جهر فیها بالقرأۃ فقال هل قرأ معی احد منکم آنفا فقال رجل نعم یارسول اللہ قال انی اقول مالی انازع القرآن۔ فانتهی الناس عن القرأۃ مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فیما جهر فیه۔ یعنی حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ایک جہری نماز سے فارغ ہو کر فرمانے لگے کہ کیا تم میں سے کسی شخص نے میرے پیچھے قرأت کی ہے؟ ایک شخص نے کہا: جی ہاں میں نے کی ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: میں دل میں سوچ رہا تھا کہ میرے ساتھ قرأت میں کیوں جھگڑا ہو رہا ہے؟ یہ ناراضگی کے الفاظ سن کر حضرات صحابہ کرامؓ نے جہری نمازوں میں آپؐ کے پیچھے پڑھنا چھوڑ دیا۔ اسی طرح ابوداؤد صـ۱۲۰ج۱ میں ہے: قال ابو ھریرۃؓ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

فانتھی الناس یعنی یہ فانتھی الناس حضرت ابوہریرہؓ کا فرمان ہے۔ غور کریں کہ جب حضرت ابوہریرہؓ نے صحابہ کرامؓ کا قراۃ خلف الامام پڑھنے سے رُک جانا بیان کر دیا تو اس کے بعد وہ کیسے فتویٰ دے سکتے ہیں کہ امام کے پیچھے سرًا پڑھا کرو۔ نوویؒ ص۱۷۱ پر فرماتے ہیں فمعناہ اقراء بسر بحیث تسمع نفسک خفیہ پڑھ لیا کرو۔ اس انداز کا کہ اپنے کان تک آواز پہنچ جائے امام ترمذیؒ نے اس سے مخلص یہ سوچا کہ یہ مقولہ حضرت امام زہریؒ کا ہے حضرت ابوہریرہؓ کا نہیں فرمایا: قال الزھریؒ فانتھی الناس۔

اس کا اوّل جواب تو یہ ہے کہ یہ بات ایک مغالطہ پر مبنی ہے جس کا تذکرہ العرف الشذی ص۱۴۹ میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت امام زہریؒ کی یہ حدیث بیان کرتے وقت آواز پست ہوگئی تھی حضرت سفیانؒ کچھ کلمات نہ سُن سکے تو اپنے پاس والے صاحب سے پوچھا کہ حضرت شیخؒ نے کیا کہا؟ اس نے کہا: قال الزھریؒ فانتھی الناس... الخ۔ درحقیقت یہ حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث کے الفاظ تھے جو سُنے نہیں گئے تھے۔ ابوداؤد ص۱۲۰/ج۱ میں ہے قال سفیانؒ وتکلم الزھریؒ بکلمۃ لم اسمعھا فقال معمرؒ انہ قال فانتھی الناس۔ یہ حضرت امام زہریؒ کا اپنا مقولہ نہیں ہے لیکن امام ترمذیؒ نے اس کو مقولہ امام زہریؒ کا ہی قرار دے دیا ہے اور مصنف خیر الکلام کو یہ مالِ غنیمت ہاتھ لگ گیا اور فوراً تھیلے میں ڈال دیا۔ لیکن یہ کچھ کام آنے والی چیز نہیں۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے:

فسوف ترٰی اذا انکشف الغبار
افرسٌ تحت رجلك ام حمار!

مان لیجئے کہ یہ حضرت امام زہریؒ کا فرمان ہے تو بھی بڑی دلیل ہے اس فرمان میں وہ حضرات صحابہؓ کا تعامل ہی بیان کر رہے ہیں۔ فانتھی الناس سے وہ حضرات صحابہ کرامؓ کا قرات خلف الامام سے رک جانا فرما رہے ہیں۔ انھوں نے کثیر التعداد حضرات صحابہ کرامؓ کو اسی طرح دیکھا پایا ہوگا اور حضرات صحابہ کرامؓ کے ساتھ حضرات تابعینؒ کا معمول بھی یہی بتا گئے۔ جھوٹ تو نہیں بول گئے۔ اگر یہ بزبان امام زہریؒ بھی ہو تو تب بھی حجت ہے۔ جیسے اگر یہ بزبان حضرت ابوہریرہؓ ثابت ہو جائے اور صحیح سند سے یہی ثابت ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

(دیکھئے ابوداؤد ص ۱۲۰/ج۱ بروایت ابن السرحؒ) دونوں صورتوں میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی قرأت خلف الامام پر ناراضگی دیکھتے ہوئے حضرات صحابہ کرامؓ کا اس سے رُک جانا اور اس کو چھوڑ دینا معلوم ہوتا ہے۔ وھو المراد بیان کرنے والے دونوں حضرات صادق و مصدوق ہیں۔ اس کو دیکھتے ہوئے حضرت ابوہریرہؓ اپنی طرف سے قرأت خلف الامام کا فتویٰ کیسے دے سکتے ہیں؟ جیسے حضرت امام نوویؒ نے بیان فرمایا ہے (کہ امام کے پیچھے سرًا قرأت کرلیا کرو) دیکھئے جس صحابیؓ کی قرأت کرنے پر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ناراضگی فرمائی تھی. اس نے سرًا ہی پڑھا تھا۔ جبھی تو آپؐ نے پوچھا تھا: ھل قرأ معی احد منکم آنفا؟ اگر جہر کیا ہوتا تو ایسے کیوں پوچھتے؟ اس بیان سے وہ بات بھی رد ہوگئی جو بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ ان کی مراد نہی عن الجھر بالقرأۃ ہے یہ محض غلط افسانہ ہے۔ اس کے بعد یہ بھی غور فرمائیں کہ بقول امام ترمذیؒ حضرت امام زہریؒ جن حضرات صحابہ کرامؓ کا قرأت خلف الامام سے رک جانا بیان فرمارہے ہیں۔ فانتھی الناس عن القرأۃ فیما جھر فیہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم۔ اس کا منشا اور سبب کیا تھا؟ ظاہر ہے کہ منشأ وہ ناراضگی ہی ہے جو فرمانِ نبویؐ انی اقول مالی انازع القرآن سے مفہوم ہوتی ہے یعنی میرے ساتھ قرأت میں کیوں جھگڑا ہو رہا ہے؟ چونکہ جماعت کی صورت میں قرآن کا پڑھنا صرف امام کا وظیفہ ہی ہے اور اسی کا حق ہے۔ مقتدی کا پڑھنا غصب منصب بنتا ہے اسی کو منازعت سے تعبیر فرمایا اور اسی سے ناراضگی ہوئی کہ یہ فعل مکروہ ہے۔ اگر اونچا پڑھا گیا تو اس میں اور لوگ بھی شریک ہوتے۔ اس لحاظ سے حضرات صحابہ کرامؓ نے اس حقیقت کو سمجھتے ہوئے امام کے پیچھے پڑھنا چھوڑ دیا۔ یہی فانتھی الناس عن القرأۃ کا معنی ہے اس بیان سے یہ بھی معلوم ہوا کہ استدلال ترک قرأۃ خلف الامام پر اس حدیث کے اوّل حصّہ سے ہی تام ہو جاتا ہے کیونکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا سوال ھل قرأ معی احد؟ انکاری لہجہ میں فرمانا اور آخر میں انی اقول مالی انازع القرآن تصریح کر دینا قرأت خلف الامام کے کراہت پر دلالت کرتا ہے کیونکہ جو چیز آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے لیے تکلیف دہ بنتی ہے اس سے احتراز ضروری ہے اور وہ قرأت ہی ہے۔ ھل قرأ معی احد؟ اس پر صاف دال ہے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اس سے پتہ چلا کہ حدیث کے آخری حصہ یعنی فانتھی النّاس عن القرأۃ مع رسول اللہ میں یہ کلام کرنا بے سُود ہے کہ یہ مقولہ حضرت ابوہریرہؓ کا ہے یا امام زہریؒ کا۔ جیسے کہ مصنف خیر الکلام یا اور شافعیہؒ حضرات نے بلاوجہ اس پر زور دیا ہے یہ بیکار بات ہے کیونکہ انی اقول مالی انازع القرآن کا جملہ فرمانِ نبوی سننے والا بخوبی جان سکتا ہے کہ یہ انکار ان کے قرأۃ کرنے پر ہی کیا گیا ہے لہٰذا اس سے احتراز واجب ہوگا۔ آپؐ کو ایذا قلبی پہنچانے والے اسباب واجب الترک ہوں گے۔ اس کے بعد میں عرض کروں گا کہ یہ قرأت خلف الامام کی ناپسندیدگی جو حضرات صحابہ کرامؓ نے سمجھی اور اس سے رُک گئے جیسے فانتھی النّاس ... الخ کے جملے کا مقصد ہے کیا یہ بات راویِ حدیث حضرت ابوہریرہؓ نے بھی سمجھی یا نہیں؟ ظاہر تو یہی ہے کہ ضرور انھوں نے بھی اس سے قرأۃ کی ناپسندیدگی کو سمجھا ہوگا، اور اس کے بعد وہ بھی قرأت خلف الامام سے رُک گئے ہوں گے۔ بالخصوص کہ ان کی روایت واذا قرأ فانصتوا بھی صحیح ثابت ہو چکی ہے تو اس کے بعد ان کے کلام اقرأبہا فی نفسک کا یہ معنی کیسے صحیح ہوگا کہ امام جب قرأت کرے تو اس کے پیچھے تم آہستہ سے پڑھ لیا کرو جیسے کہ امام نوویؒ نے بیان فرمایا ہے بالخصوص جبکہ یہ جہری نمازوں میں فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا حکمِ خداوندی کے بھی یقیناً مخالف ہے تو اس کے بعد یہ نتیجہ نکالنا کہ حضرت ابوہریرہؓ امام کے پیچھے قرأت کے قائل ہیں، غلط ہے۔ اور توجیہ القول بمالا یرضیٰ بہ قائلہ کی قسم سے ہے۔

مزید سنئے! حضرت امام ترمذیؒ نے اس کے بعد لکھا ہے حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ آپؐ کی طرف سے مجھے حکم ہُوا کہ میں اعلان کروں: لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب .... امرنی النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان انادی ان لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتٰب۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ اس فرمان میں محلِ نزاع یعنی خلف الامام فاتحہ کا پڑھنا صریح نہیں ہے۔ لہٰذا یہ استدلال ناتمام ہے۔ ہاں اگر اس کے عموم لفظی سے استدلال کیا جائے تو مقتدی کو اس سے مستثنیٰ کرنا ہوگا۔ کیونکہ ابھی حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث میں گزرا کہ کسی نے امام کے پیچھے قرأت کی تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس پر انکار فرمایا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اس سے معلوم ہوا کہ حدیث لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَاب۔ صرف امام اور منفرد کے بارے میں ہے مقتدی کو ہرگز شامل نہیں۔ خاص کر جبکہ خود حضرت ابوہریرہؓ سے واذا قرأ فانصتوا کی روایت صحیح آچکی ہے۔ بہرحال یہ کہنا کہ حضرت ابوہریرہؓ جہری نمازوں میں قرأت خلف الامام کے قائل ہیں، غلط افسانہ ہے۔ اس طرح ان کا یہ فتویٰ جیسا کہ امام نوویؒ نے فرمایا ان کی صریح روایت کے خلاف بن جائے گا۔ اور اگر کوئی ضد سے کام لے اور کہے کہ یہی معنی ہیں جو امام نوویؒ نے بیان کیا تو میں اس کو مصنف خیر الکلام کی وہ بات سناؤں گا جو انھوں نے ص۲۲۸ میں لکھی ہے۔ (حدیث کے جاننے والے سے مخفی نہیں کہ راوی کی روایت کا اعتبار ہوتا ہے نہ کہ رائے کا) دوسری جگہ ص۱۷۱ پر لکھتے ہیں۔ (پھر قاعدہ کے اعتبار سے راوی کی روایت کا اعتبار ہوتا ہے نہ رائے کا اگر راوی کی رائے روایت کے خلاف ہو تو اس کی رائے کو چھوڑ دیا جاتا ہے) آپ نے دیکھا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی روایت صحیح اور صریح اس حکم اور فتویٰ کے خلاف موجود ہے ان کا فرمان فانتہی الناس عن القرأۃ فیما جہر فیہ رسول اللہ صریح ہے اور واذا قرأ فانصتوا ان سے مروی حدیث میں آچکا ہے اس کے ہوتے ہوئے امام کے پیچھے قرأت کرنے کی اجازت وہ کیسے دے سکتے ہیں؟ جیسے کہ علامہ نوویؒ نے معنی بیان کیے اور ان کی طرف منسوب کیا۔ معلوم ہوا کہ نہ تو وہ فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں اور نہ وہ قرأت خلف الامام کا فتویٰ دے سکتے ہیں۔ ہاں بعض لوگ ان کے قول اقرأ بہا فی نفسک کو سری نمازوں میں اجازت دینے پر محمول کرتے ہیں لیکن یہ بات بھی چنداں معقول نہیں کیونکہ انصات کا لفظ جو ان کی روایت میں آچکا ہے وہ سری نمازوں میں بھی قرأت سے مانع بنتا ہے۔ پہلے گزر چکا ہے کہ ظہر کی نماز میں امام کے پیچھے قرأت کے سلسلہ میں حضرت قتادہؒ کے سوال کے جواب میں حضرت شعبہؒ نے ان کو کہا: الیس قول سعید انصت للقرآن۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ انصات کا لفظ سری نمازوں میں بھی امام کے پیچھے قرأت سے روکتا ہے جب یہ ہے تو حضرت ابوہریرہؓ سری نمازوں میں امام کے پیچھے قرأت کی کیسے اجازت دیتے ہوں گے۔ اس سے پتہ چلا کہ حضرت ابوہریرہؓ کی اس حدیث اقرأ بہا فی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

نفسک کا معنی امام کے پیچھے سرا قرأت کرنا نہیں بلکہ اس کا معنی اقرأبھا وحدك ۔ یعنی حدیث لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب امام کے پیچھے نماز پڑھنے کے بارے میں نہیں آئی ۔ یہ انفرادی نماز پڑھنے کے بارے میں ہے یعنی جب تم اکیلے نماز پڑھو تو اگر فاتحہ نہ پڑھو گے نماز نہیں ہوگی اور یہ خداج یعنی ناقص اور ناتمام ہوگی ۔ یہ اسی طرح ہوا جیسے کہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما اِلّا اَنْ یَّکُوْنَ وراء الامام کے الفاظ سے مقتدی کی استثنا فرما رہے ہیں ۔ ترمذی ص۔ پہلے تفصیل گزر چکی ہے کہ انصتوا کا حکم سری جہری دونوں نمازوں میں مقتدی کو قرأت سے منع کرتا ہے تو انا نکون وراء الامام کے جواب میں کیسے حضرت ابوہریرہؓ یہ فرما سکتے ہیں کہ امام کے پیچھے آہستہ آہستہ پڑھ لیا کرو ۔ اس لیے ہم نے کہا کہ اقرأ بھا فی نفسك کا معنی اقرأبھا منفردا یا وحدك کے ہیں اس کی نظیر نحویوں کا قول ہے الاسم ما دل علی معنیً فی نفسہ یعنی اسم اکیلے اپنے معنی پر دال بن جاتا ہے ۔ فی نفسہ کا معنی وحدانا و منفردًا ہے اور حرف کا معنی کہتے ہیں مالا یدل علی معنی فی نفسہ یعنی حرف منفردًا اور اکیلا اپنے معنی پر دلالت نہیں کرتا ۔ جب تک ضم ضمیمہ نہ ہو ۔ محققین نحاۃ نے بیان کیا ہے کہ فی کا معنی ظرفیت مطلقہ اور علیٰ کا معنی مطلقاً استعلاء نہیں ہے یہ تو مدلول اسمی ہے ۔ بلکہ فی کا معنی ظرفیت خاصہ ہے جیسے صلیت فی المسجد اور علیٰ کا معنی استعلاء خاص ہے جیسے صلیت علی السقف ۔ حرف کا یہ جزئی معنی سوائے ضم ضمیمہ کے تمام نہیں ہوتا ۔ (مزید تحقیق عبدالغفور حاشیہ شرح جامیؒ میں ہے) اس لیے کہا جاتا ہے کہ اسم بانفرادہ اپنے معنی پر دلالت کرتا ہے اور حرف منفردًا اور وحدانًا اپنے معنی پر دال نہیں ہوتا ۔ اسی طرح اقرأ بھا فی نفسك کا معنی اقرأبھا وحدانا اور منفردًا کا ہوا ۔ یعنی فاتحہ اس وقت ضروری ہوتی ہے جب کہ نماز وحدانا اکیلے پڑھو ۔ یہی محاورہ صاحب کشاف نے قُلْ لَّهُمْ فِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَوْلًاۢ بَلِيْغًا ۔ آیت کریمہ میں لے کر معنی کیا قل لھم خالیا بھم لیس معھم احد غیرھم او کما قال ۔ اسی طرح ایک حدیث بخاری ص۹۷ میں ہے : واذا صلّی احدکم لنفسہ فلیطول ماشاءَ

یعنی جب اکیلے تنہائی میں نماز پڑھو تو جتنی مرضی ہو طویل قرأت کر سکتے ہو۔ اسی طرح اقرأ بھا فی نفسك کا بھی یہی معنیٰ ہے کہ جب اکیلے اور تنہائی میں نماز پڑھو تو اس وقت اپنی قرأت ضروری ہے ہاں امام کے پیچھے ہو تو امام کی قرأت مقتدی کے لیے کافی ہے۔ مقتدی کی نماز خداج نہیں بنے گی۔ اگرچہ اس نے فاتحہ خود نہ پڑھی ہو۔ کیونکہ یہ بحکم شرع روکا گیا ہے۔ اس کو امام کی قرأت کے وقت انصات کا حکم دیا گیا ہے وہ استماع کرے گا اسی مطلب کے لیے ایک حدیث میں من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ۔ فرمایا گیا ہے۔ اسنادہٗ صحیح علی شرط الشیخین حاشیہ بخاری ص۱۰۰۔ اسی کو دیکھتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ مقتدی حکماً قاری ہے۔ جیسے حضرت عثمانؓ کو غزوہ بدر سے روکا گیا تھا کیونکہ اس وقت ان کی اہلیہ حضرت رقیہؓ بنت رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم علیل تھیں تو ان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حکم دیا کہ آپ گھر رہیں: ولك اجر من شهد بدرا وسهمه۔ تجھے بدر میں شریک ہونے والوں کا ثواب بھی ملے گا اور غنیمت بھی۔ اسی طرح مقتدی کو بھی قرأت سے منع کیا گیا ہے۔ کیونکہ قرآن کریم نے فرمایا ہے: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا۔ اور یہ حکم احترام قرآن کے لیے دیا گیا ہے اور اس کی خاموشی کو حکماً قرأت قرار دیا گیا ہے۔ من کان لہ امام فقراءۃ الامام لہ قراءۃ کا یہی راز ہے۔ الغرض حضرت ابوہریرہؓ کی حدیث اقرأ بھا فی نفسك کا معنی یہی ہے کہ وحداناً اور منفرداً نماز پڑھو تو اس وقت قرأت کیا کرو۔

مزید سنیے کہ ایک محاورہ ہے اور حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اس کو معتبر قرار دیا گیا ہے۔ ایک حدیث قدسی میں آتا ہے فان ذکرنی فی نفسه ذکرته فی نفسی وان ذکرنی فی ملأ ذکرته فی ملأ خیر منه۔ ترمذی ص۲۰۰ ج۲۔ یعنی خدا تعالیٰ فرماتے ہیں جو شخص مجھے تنہائی میں یاد کرتا ہے تو میں بھی اس کو تنہائی میں یاد کرتا ہوں اور جو شخص مجھے جماعت میں یاد کرتا ہے تو میں اس کو ایسی جماعت میں یاد کرتا ہوں جو ان سے بہتر جماعت ہوتی ہے یعنی فرشتوں میں۔ ہم نے اساتذہ کرام سے سُنا کہ اس حدیث میں من ذکرنی فی نفسه سے مراد منفرداً اور وحداناً ذکر کرنا ہے

اس کا قرینہ یہ ہے کہ مقابل میں فی ملاء سے مراد جماعت میں ذکر کرنا آرہا ہے۔ اگر خفیہ اور سرًا ذکر نامراد ہوتا تو بالمقابل ان ذکرنی بالجھر کیا جاتا۔ اسی کو دیکھتے ہوئے حدیث میں اقرأبھا فی نفسک کا معنی منفرداً تنہائی میں نماز پڑھنا ہی قرین قیاس ہے۔ خاص کر جب کہ انہی حضرت ابوہریرہؓ سے واذا قرأ فانصتوا۔ نسائی ص۱۰۲ج۱ میں صحیح طور سے ثابت ہو چکا ہے اور حدیث میں انصات کا لفظ بیان ہو چکا ہے کہ یہ خفیہ قرأت سے بھی مانع ہے خاص طور پر جہری نمازوں میں تو استماع اور انصات کے دونوں لفظ قرآن کریم میں آچکے ہیں۔ گزشتہ امام رازیؒ کی تقریر اور تفسیر بھی بیان ہو چکی ہے۔ ان وجوہ کو دیکھتے ہوئے کیسے کہا جا سکتا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ اس سائل (جس نے انا نکون وراء الامام کہا) کے جواب میں یہ فرمائیں کہ امام کے پیچھے خفیہ پڑھو۔ دیکھئے حضرت امام زہریؒ کا فرمان بھی پہلے گزر چکا ہے کہ وہ فانتھی الناس عن القرأۃ فرمار ہے ہیں۔ اور یہی حضرت ابن عمرؓ کا قول مؤطا امام مالک ص۲۵ میں نقل کیا ہے: ان ابن عمرؓ کان اذا سئل ھل یقرأ خلف الامام قال اذا صلّی احدکم خلف الامام فحسبہ قرأۃ الامام واذا صلّی وحدہ فلیقرأ۔ (جب حضرت ابن عمرؓ سے امام کے پیچھے قرأت کرنے کے بارے پوچھا جاتا تو فرماتے جب کوئی شخص امام کے پیچھے نماز پڑھتا ہو تو اسکو امام کی قرأت کافی ہوتی ہے ہاں جب اکیلے پڑھے تو اسکو چاہیئے کہ قرأت کرے) وکان ابن عمرؓ لا یقرأ خلف الامام اور حضرت ابن عمرؓ امام کے پیچھے قرأت نہ کرتے تھے اور یہی حضرت زیدؓ بن ثابت کا فرمان بھی ہے جیسے امام مسلمؒ نے نقل کیا ہے۔ لا قرأۃ مع الامام فی شئ اور حضرت ابوالدرداءؓ کا فتوی ہے: ماری الامام اذا ام القوم الا کفاھم۔ (نسائی ص۱۴۶ج۱) بلکہ اسی حدیث ابی ہریرہؓ کو اگر غور سے دیکھیں تو اس سے پتہ چل جائے گا کہ عام حضرات صحابہ کرامؓ کا معمول بھی یہی تھا کہ امام کے پیچھے وہ قرأت نہ کرتے تھے اور یہ اس لیے کہ حضرت ابوہریرہؓ نے جب ایسی نماز کو جس میں قرأۃ نہ کی جائے۔ ناقص۔ ناتمام اور خداج فرمایا تو اگر وہ سائل یا اور لوگ امام کے پیچھے قرأت کیا کرتے تھے تو ان کے ذہن میں یہ سوال کیسے کھٹکا کیونکہ ان کی نماز تو تمام ہوگئی جیسے کوئی کہے کہ جس نے التحیات للہ ... الخ امام کے پیچھے نہ پڑھی اس کی نماز خداج ہوگی۔ ناتمام ہوگی۔ اس وقت کسی اور کے ذہن میں سوال اپنی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

نمازوں کا پیدا ہی نہیں ہوتا۔ کیونکہ سب التحیات پڑھا کرتے ہیں۔ ہاں جو لوگ التحیات نہیں پڑھتے ان کو شبہ گزرے گا۔ اسی طرح فاتحہ خلف الامام والوں کو کیسے غم لگ گیا کہ ہماری نمازیں تو خداج بن گئیں۔ اس سے معلوم ہوا کہ سائل اور عام لوگ فاتحہ نہیں پڑھتے تھے اور نہ پڑھنے والوں کی نماز کو خداج کہا گیا تو اب اس نے سوال کیا اور حضرت ابو ہریرہؓ کے جواب کا حاصل یہ ہوا کہ یہ حکم خداج کا اکیلے نماز پڑھنے والوں کا ہے امام کے ساتھ جماعت میں نماز پڑھنے والوں کے لیے امام کی قرأت کافی ہو جاتی ہے وہ کیوں خداج بنے گی۔ غور سے حقیقت تک رسائی ہوگی۔

الانتباہ ممکن ہے کہ کوئی الٹی چال چلتے ہوئے یہ کہے کہ حضرت ابو ہریرہؓ قرأت خلف الامام کے قائل ہیں کیونکہ بعض محدثین کرامؒ نے ان کا مسلک یہ بیان کیا ہے کہ وہ مدرک رکوع کو مدرک رکعت نہیں مانتے تھے۔ یعنی جو شخص امام کو رکوع میں پائے ان کے نزدیک اس کو وہ رکعت نہیں ملے گی۔ دلیل میں یہ پیش کرتے ہیں: ابو عوانۃ عن محمد بن اسحاق عن عبد الرحمٰن الاعرج عن ابی ھریرۃؓ قال اذا ادرکت الامام رکوعًا لم تعتد بتلك الرکعۃ۔ یعنی جب تم امام کو رکوع میں پاؤ تو تم اس رکعت کا اعتبار نہ کرو یعنی وہ رکعت نہیں ہوئی۔

اور یہ کہنا بظاہر اسی لیے ہوا ہے کہ اس نے فاتحہ نہیں پڑھی اس لیے ان کے قول اقرأبها فی نفسك کا یہی معنی ہے کہ امام کے پیچھے آہستہ سے قرأت کر لیا کرو۔ یہی چال صاحب توضیح الکلام نے بھی ص ۱۴۱ سے ص ۱۴۶ تک چلی ہے اور اپنا خصوصی ہتھیار انشائی (ان شاء اللہ تفصیل پھر آئے گی) بھی استعمال کیا ہے۔ ماشاء اللہ یہ ہتھیار انشائی ان کے لیے ایسا کارگر ثابت ہوتا ہے کہ بڑے بڑے معرکۃ الآراء مسائل ان کے اس ہتھیار سے بیک جنبش قلم سر ہو جاتے ہیں حتیٰ کہ موجودہ مادی دور کے بڑے بڑے مہلک ہتھیار بھی اپنے کیمیاوی اجزاء کے باوجود ان کے ہتھیار انشائی کے سامنے ماند پڑ جائیں۔ سبحان اللہ! کیا ہی مؤثر اور مفید ہتھیار کے موجد ہیں۔ صاحب توضیح الکلام۔ اور پھر مزے کی بات یہ ہے کہ یہ ہتھیار بھی ان کو اپنے مثبت دلائل کے اثبات میں استعمال کرنا پڑا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہے۔ نافی دلائل کا رد کرنے سے پوری کتاب میں صرف نظر کیا ہے۔ حالانکہ مصنفین ایسے اختلافی مسائل میں ہر دو پہلوؤں (مثبت و نافی) سے بحث کرتے ہیں۔ لیکن صاحب توضیح الکلام کی محدودیت یہاں سے ہی خوب واضح ہو جاتی ہے کہ انھوں نے فریق مخالف (یعنی احناف) کے دلائلِ قویہ کی طرف نظر اٹھا کر دیکھنے کی ہمت بھی نہیں کی آخر ان کو اتنا تو معلوم ہے کہ احناف کے ساتھ مقابلہ کرنا بھی معنی رکھتا ہے۔ احناف کے دلائل قویہ کے سامنے تو بڑوں بڑوں کو دم مارنے کی ہمت نہیں تھی۔ یہ بے چارے تو کچھ بھی نہیں ہیں بیشک یہ ہے کہ ان کے بڑوں نے ان کو اتنا سبق تو دیا ہے کہ دلائل حنفیہ بیشہ شیر سے کم نہیں جن میں گھس کر واپس نکلنا محال ہے اس لیے ان سے تعرض ہی نہیں کرنا چاہیئے بلکہ صرف اپنے معتقدین سے دادِ تحسین وصول کرنے کے لیے چند دوسرے مخصوص حیلوں کے ساتھ پھیر پھیر کر اور پھیلا پھیلا کر کتب کا حجم بڑھانا چاہیئے ورنہ حنفیہ کے ساتھ ان کے گروہ کا ہر کس و ناکس بڑے بڑے جبال علوم کا مقابلہ کرنے پر تُلا ہوا ہے جن کے سامنے ان کی علمی حیثیت پانچ سالہ طفلِ مکتب کی سی بھی نہیں ہوتی۔ ورنہ یوں "بازی بازی بار لیش بابا ہم بازی" کا مصداق بن بیٹھتے ہیں اور اگر کبھی کوئی نیک نیت فریقِ مخالف کے علمی رعب کی بنا پر پیچ مارنے سے پہلو تہی کرے تو کوئی نہ کوئی ان میں سے "خانہ خالی را دیو می گیرد" پر عمل کر لیتا ہے۔ آخر ہم بھی دیوبندی ہیں۔ یہاں بھی کسی دیو کی پیش نہیں چلنے کی۔ بفضلہ تعالیٰ۔ خیر ہم تو بمصداق حدیث ان لصاحب الحق مقالا۔ گفتگو کا یقیناً حق رکھتے ہیں اور اگر ایسی گفتگو سے ان کو سیخ پا ہونے کا موقع بھی مل جائے تو عوض معاوضہ گلہ ندارد کو پیش نظر رکھ لیں۔ غرضیکہ صاحب توضیح الکلام کی الٹی چال سے بات دور جا نکلی۔ ان کی چال کا جواب ملاحظہ ہو۔

جواب کہ بے شک بعض حضرات متاخرین شافعیہؒ اس کے قائل ہیں کہ رکوع پانے امام کے ساتھ ملنے سے وہ رکعت نہیں ملتی کیونکہ اس نے فاتحہ نہیں پڑھی اور لاصلوٰۃ اِلا بفاتحۃ الکتاب آ ہی چکا ہے۔ لیکن حضرت ابو ہریرہؓ کو اس لپیٹ میں لینا صحیح نہیں ہے۔ حضرت شیخ استاذ سید محمد انور شاہ صاحب نور اللہ مرقدہ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

فرماتے تھے کہ حضرت ابوہریرہؓ کا نظریہ یہ ہے کہ قیام فریضہ ہے جس شخص نے امام کو قیام میں پا لیا اگرچہ تھوڑی ہی مقدار ہو تو اس کا رکوع معتبر ہوگا اور رکعت ہو جائے گی اور اگر قیام میں امام کو نہیں پایا صرف رکوع میں ملا تو اس کی وہ رکعت نہیں ہوگی۔ جزء القرأت امام بخاریؒ ص۴۵ میں لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں: وَلا یجزئك الّا ان تدرك الامام قائما یعنی وہ رکعت کافی نہیں ہوگی جس میں تُو امام کو قیام کی حالت میں نہ پائے (بلکہ رکوع میں پائے) جزء القرأت کا یہ حوالہ صاحب توضیح الکلام نے بھی دیا ہے۔ (دیکھئے ص۱۲۲) لیکن ان کو معلوم ہونا چاہیئے کہ حضرت ابوہریرہؓ کے ہاں مدرک رکوع کے مدرک رکعت ہونے یا نہ ہونے کا دارومدار قیام میں امام کو ملنے نہ ملنے پر ہے۔ قرأت فاتحہ پر نہیں۔ اگر ایک تسبیح کے برابر بھی قیام کو پا لیا تو اس کی رکعت کو وہ درست کہتے ہیں لیکن اور عام محدثین کرامؒ کا یہ نظریہ نہیں ہے وہ امام کو قیام میں پانا ضروری نہیں کہتے وہ صرف رکوع میں مل جانے سے ہی مدرک رکعت کہتے ہیں جب کہ نماز میں شریک ہونے والا تکبیر تحریمہ قیام کی حالت میں سیدھا کھڑا ہو کر کہے پھر رکوع میں چلا جائے کیونکہ تندرست کے لیے نماز میں قیام فرض ہے اور ادنیٰ قیام یہ ہے کہ جس میں تکبیر تحریمہ کہہ سکے۔ (درمختار ص۴۱۴ ج۱) ان میں حضرات فقہاء حنفیہ کرامؒ تو فاتحہ مقتدی پر واجب ہی نہیں کہتے۔ بلا اختلاف وہ مدرک رکوع کی رکعت کو صحیح کہتے ہیں اور عام شافعیہ حضرات اگرچہ فاتحہ کا پڑھنا مقتدی پر فرض کہتے ہیں لیکن وہ مدرک رکوع کو اس ضابطہ سے مستثنیٰ کرتے ہیں کیونکہ احادیث اس بارے میں صحیح ثابت ہو چکی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ رکوع پا لینے سے رکعت مل جاتی ہے جیسے حضرت ابوبکرہؓ کی حدیث میں اس کا تذکرہ آنے والا ہے۔ لیکن بعض متاخرین شافعیہؒ اس کو مستثنیٰ نہیں کرتے وہ انکار کرتے ہیں۔ بہر حال یہ کہنا کہ حضرت ابوہریرہؓ امام کو رکوع میں ملنے والے شخص کو رکعت کا پانے والا نہیں کہتے اور صاحب توضیح الکلام کا یہ کہنا (کیونکہ وہ مقتدی پر فاتحہ کا پڑھنا ضروری کہتے ہیں۔) نرا مغالطہ ہے بلکہ وہ مقتدی کے لیے امام کو فی الجملہ قیام میں پانا ضروری کہتے ہیں تو ان کے نزدیک رکعت کا نہ ہونا ترک فاتحہ کی وجہ سے نہیں بلکہ ترک قیام کی وجہ سے ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

الحاصل: حضرت ابوہریرہؓ جب فاتحہ خلف الامام کو ضروری نہیں جانتے تو، انا نکون وراء الامام کے سوال کے جواب میں وہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنے کا حکم کیسے دے سکتے ہیں؟ کہ اقرأبها فی نفسك کا معنی اقرأبها سرًّا کیا جاتا ہے اور اس کی دلیل ان کا وہ فرمان لا تسبقنی بآمین ہے جو مروان سے خطاب کرتے ہوئے انھوں نے فرمایا۔ پہلے اس کا قصہ حافظ ابن حجرؒ کے بیان میں دیکھیں جو فتح الباری صفحہ ۱۲۸ ج ۲ میں ذکر فرمایا ہے: کان ابوهريرة يؤذن لمروان فاشترط ان لا يسبقه بلا الضالين حتى يعلم انه دخل فی الصف كانه كان يشتغل بالاقامة وتعديل الصفوف وكان مروان يبادر الى الدخول فی الصلوٰة قبل فراغ ابی هريرة فقال ابوهريرة لا تسبقنی بآمين فنهاه ابوهريرة عن ذلك۔ یعنی حضرت ابوہریرہؓ مروان کے مؤذن تھے اور ان کے ذمہ اقامت کے علاوہ صفوں کی درستگی کا کام بھی تھا اور مروان ان کی فراغت سے قبل ہی نماز شروع کر دیتا تھا جس کے نتیجہ میں ان کو ولا الضالین کے بعد آمین کہنے کا موقع نہ ملتا اس لیے انھوں نے مروان سے فرمایا کہ مجھے آمین کہنے کا موقع دیا کرو۔ جلدی نہ کیا کرو۔ لا تسبقنی بآمین۔ چونکہ آمین امام کے ساتھ پڑھنے کی بڑی فضیلت ہے اس لیے اس سے فرمایا کہ آمین پڑھنے کا موقع دیا کرو جلد بازی نہ کیا کرو۔ اس کے بعد یہ بھی خیال فرمائیں کہ آمین کہنا سنّت ہے۔ نہ کہنے سے یا چھوٹ جانے سے نماز فاسد نہیں ہوتی اور فاتحہ کا پڑھنا فریقِ ثانی کے نزدیک فرض ہے اس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں اور وہ نماز کو باطل کہتے ہیں۔

مقام غور ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کو اس کے فوت ہونے کا خیال کیوں نہ آیا اور لا تسبقنی بالفاتحة کیوں نہ فرمایا؟ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کے ذہن میں بھی مقتدی کے ذمہ صرف آمین کا کہنا ہے۔ فاتحہ کا پڑھنا نہیں ورنہ ضرور وہ اس کا ذکر فرماتے۔ الحاصل ہم فاتحہ خلف الامام فرض کہنے والوں سے اور اس کے بغیر نماز باطل ہونے کا دعوٰی اور قول کرنے والوں سے دریافت کرتے ہیں کہ مروان کے جلدی سے قرأت شروع کرنے میں، اگر آمین کے فوت ہونے کا اندیشہ ہے اور اسی لیے حضرت

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اس کو اس جلد بازی سے روکا تو بتائیے کہ کیا فاتحہ خوانی کے فوت ہونے کا اندیشہ بھی ان کو تھا یا نہیں؟ پھر کیا فرض کا فوت ہونا زیادہ خطرناک ہے یا سُنّت کا؟ ممکن ہے کہ امام فاتحہ کے بعد والعصر یا انا اعطینٰك الکوثر ہی پڑھیں تو اس مقدار میں فاتحہ جو سبع مثانی ہے کیسے پڑھی جاسکے گی؟ فرض کیجئے آمین کو انھوں نے پالیا لیکن اس کے بعد وہ فاتحہ کیسے پوری کریں گے؟ غرضیکہ آپ حضرات ضرور آمین کی تخصیص کی وجہ بتائیں کہ انھوں نے لا تسبقنی بآمین فرمایا اور فاتحہ کو کیوں چھوڑ دیا؟ حنفیہ کرامؒ تو مقتدی پر فاتحہ لازم ہی نہیں کہتے اور جمہور شافعیہؒ مدرک رکوع کو مستثنیٰ کہتے ہیں کہ حدیث اس بارہ میں ثابت ہو چکی ہے اور پہلے بیان گزر چکا ہے۔

اطلاع مصنف خیر الکلام نے صلہ ۱۸۱-۱۸۲ پر لکھا ہے کہ حضرت ابوہریرہؓ کا فتویٰ جزء القرأۃ صہ ۵ میں مرقوم ہے اذا قرأ الامام بام القرآن فاقرأ بھا واسبقہ یعنی جب امام فاتحہ پڑھے تو تم بھی پڑھا کرو اور امام سے پہلے ہی ختم کر دیا کرو۔ جب وہ مقتدی کو پڑھنے کا حکم دیتے ہیں تو حنفیہ کا یہ معنی کرنا کہ جب اکیلے ہو پڑھا کرو۔ اس اثر مذکور کے خلاف ہے۔ (خیر الکلام صہ ۱۸۲)

سُبْحَانَ اللّٰہ! ایک ایسا بڑا دعویٰ کرنا کہ سورۃ فاتحہ مقتدی پر فرض ہے اور دلیل یہ کہ حضرت ابوہریرہؓ کا فتویٰ اس بارہ میں امام بخاریؒ جزء القرأت میں پیش کرتے ہیں۔ لیکن فتویٰ کی سند کا تذکرہ ہی نہ کیا۔

جنابِ من اگر اس فتویٰ میں کچھ جان ہوتی تو حضرت امام بخاریؒ صحیح بخاری میں اسے لاتے یا اشارہ ہی کر جاتے۔ خواہ مجہول ہی کے صیغہ سے ضعف کی طرف اشارہ کر جاتے۔ حقیقت یہ ہے کہ جزء القرأت کے رسالہ میں تو امام بخاریؒ ہر طرح کی سقیم روایات بھی لے آتے ہیں۔ لہٰذا اس میں لے آنا صحت کی دلیل نہیں اس مذکور فتویٰ کی سند میں عن علاء عن ابیہ آیا ہوا ہے۔ علاء کئی ہیں۔ علاء بن الحارث، علاء بن زید، علاء بن عبدالرحمٰن باپ بیٹے دونوں کی تعیین کیجئے اور ان کے عدالت کے متعلق ائمہ حدیث کا بیان پیش

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کیجئے اس کے بعد یہ فتویٰ قابلِ اعتبار ہوگا۔ امام کے ساتھ پڑھنے کو امام بخاریؒ بھی پسند نہیں کرتے وہ سکتات میں پڑھنا کہتے ہیں اور امام سے سبقت کرنا تو صحیح حدیث میں منع آیا ہے پھر حضرت ابوہریرہؓ کیسے اجازت دے سکتے ہیں؟ یہ کسی ضعیف راوی کی من گھڑت تحریر ہے۔ اگر علاء ابن زید اس فتویٰ کا بیان کرنے والا ہے تو فتح القدیر ج۱ ص۶۵۴ میں اِتَّفَقُوْا عَلٰی ضُعْفِہٖ فرمایا ہے اور اگر علاء ابن عبد الرحمٰن ہے تو اس کا حال احسن الکلام ج۲ ص۴۸، ۴۹ میں ملاحظہ کیجئے اور اگر علاء ابن الحارث ہے تو محدثین کرامؒ اس میں بھی کلام کر رہے ہیں۔ ایسے گمنام شخص پر اعتماد کر کے ان کی صحیح حدیث جو امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ نے نقل کی اذا قرأ فانصتوا اور امام مسلم رحمۃ اللہ علیہ نے اس کی صحت کی شہادت صادق دی۔ اس کو چھوڑنا کیا قانونِ تحدیث کے ساتھ یہ غداری نہیں بنتی اور کیا امانت داری یہ سبق دیتی ہے؟

اس کے بعد ایک اور بات بھی جو اس کے مناسب ہی ہے اس کو بھی زیرِ نظر رکھیں انشاء اللہ تعالیٰ مفید ہوگی۔ وہ یہ کہ ابوداؤد شریف ص۱۴۸ اور بذل المجہود ج۲ ص۱۵۲ میں باب من قام من ثنتین ولم یتشہد میں ہے کہ کسی روز حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے رباعی نماز میں درمیان کا جلسہ رہ گیا آپ اٹھ کھڑے ہوئے اور واپس نہیں آئے لوگ بھی کھڑے ہو گئے۔ ان کھڑے ہونے والے بعض حضرات نے فوت شدہ التحیات الخ کو کھڑے کھڑے پڑھ لیا وکان منا المتشہد فی قیامہ روایت میں ہے۔

اب سوال یہ ہے کہ اس تیسری رکعت کے قیام میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تو صرف فاتحہ ہی پڑھی ہوگی اور بعض حضراتِ صحابہ کرامؓ نے اس کی بجائے التحیات پڑھی۔ پھر ان کی نماز کیسے ہو گئی؟ اس کے علاوہ یہ کہ تیسری رکعت میں آپ کے نزدیک فاتحہ کا پڑھنا فرض ہے اگر حضراتِ صحابہ کرامؓ بھی فرض جانتے تھے تو ان کے ذہن میں یہ کیسے آیا کہ التحیات پڑھیں۔ فوت شدہ التحیات کا پڑھنا اہم ہے یا فاتحہ کا پڑھنا جو فریضہ وقت ہے؟ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ خالی جگہ دیکھ کر انھوں نے التحیات کا پڑھنا بہتر سمجھا جیسے ان لوگوں کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے کہ انھوں نے فاتحہ کا پڑھنا امام کے پیچھے ضروری نہیں سمجھا۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہؓ کے طریق کار سے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ وہ بھی قرأت خلف الامام کے قائل نہ تھے۔ دوسروں نے فاتحہ کی بجائے التحیات پڑھی اور حضرت ابوہریرہؓ نے فاتحہ کا نام تک ہی نہیں لیا۔ ہاں لا تسبقنی بآمین سے آمین کا ذکر کر دیا۔ فاتحہ خلف الامام فرض کہنے والوں کو دونوں سوال حل کرنے ہوں گے۔ دونوں سوال لازمی ہیں، نمبر بھی برابر ہیں۔ ورنہ ہم ان کو کہیں گے کہ خدارا سر نیچا کر دو۔

حضرت ابوہریرہؓ کی مذکورہ روایت خداج والی میں ایک اور بات بھی تحقیق طلب ہے وہ یہ کہ خداج کا معنی خود حدیث میں غیر تمام کے کیا گیا ہے کہ جس نے فاتحہ نہ پڑھی اس کی نماز ناتمام ناقص ہوگی۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ فاتحہ واجب ہے فرض نہیں۔ ورنہ یوں کہنا مناسب تھا۔ خداج باطل ھالک۔ جب کہ غیر مقلدین کہتے ہیں کہ فاتحہ کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔ فاتحہ کو فرض کہنے والوں سے عموماً اور غیر مقلدین کے مذہبی قائدین سے خصوصاً اس کی تحقیق بات کی بھی مطلوب ہے۔ مصنف خیر الکلام کا ص۱۷۴ پر یہ کہنا کافی ہے کہ اگر بالفرض اس حدیث سے یہ ثابت بھی ہو جائے کہ فاتحہ کے بغیر نماز ناقص ہے۔ باطل نہیں تو حنفیہ لوگوں میں کیا فائدہ ہے؟ حضرات حنفیہؒ کو یہ فائدہ ہے کہ اس سے حدودِ شرعیہ اور اصطلاحاتِ فقہیہ کی حفاظت ہوگی کہ یہ حدیث تو فاتحہ کے بغیر نماز کو خداج اور ناقص کہتی ہے کہ فرض ادا ہو جاتا ہے۔ اور تم لوگ اس کو باطل کالمعدوم اور ھالک کہتے ہو۔ فرقِ مراتب کو بھی ملحوظ نہیں رکھتے۔ تم صاحب قاموس سے صلوتہ خداج ای ناقص نقل کرتے ہو۔ خیر الکلام ص۱۷۵۔ اور اسی طرح اخدجت الناقة ای جاء بولد ناقص وان کان ایامہ تامۃ نقل کرتے ہو اور اس کے ساتھ بیرونی پیوند اور پیچ لگا کر بطلان ثابت کرتے ہو کہ اس جگہ نقصان سے ذاتی نقصان مراد ہے نہ کہ وصفی... الخ۔ اور لکھتے ہو کہ ظاہر ہے کہ اس وقت بچہ مردہ ہے یا بعد میں مر جاتا ہے۔ خیر الکلام ص۱۷۵۔ مراد یہ ہے کہ اسی طرح وہ نماز بھی مردہ ہوگی، ہلاک ہوگی جس میں فاتحہ نہیں پڑھی گئی اور اس سے فرض ہونا ثابت کرتے ہو۔ اور یوں اس طرح سخن سازی کرکے تین چار صفحوں پر یہ حیلہ سازیاں کرتے ہو اور آپ کے بعد جب آپ کے شاگردِ رشید

Telegram : t.me/pasbanehaq1

صاحب توضیح الکلام کی باری آتی ہے تو وہ اس موضوع پر بحث شروع کرتے وقت جلی عنوان قائم کر کے (یعنی خداج کو نقصان وصفی پر محمول کرنے کے دلائل کی حقیقت) قارئین کی توجہ ادھر مبذول کراتے ہیں لیکن قارئین کو پوری بحث پڑھ کر بے ساختہ ہنسی آئے گی کہ صاحب توضیح الکلام احناف کا رد کرنے کی بجائے اپنے اکابر مبارک پوری صاحبؒ جیسے حضرات کا بھی رد کر گئے ہیں اور قارئین کو اصل مقصد سے ہٹا کر اِدھر اُدھر کی ابحاث میں الجھا کر اپنے خصوصی مکر و فریب کا نمونہ دکھا گئے ہیں اور ایک دلیل بھی خداج کے نقصان ذاتی ہونے پر پیش نہیں کر سکے۔ ماشاء اللہ اتنی سمجھ تو رکھتے ہیں کہ جس بات کے لیے ان کے استاد محترم صاحب خیر الکلام کو بہت سے پاپڑ بیلنے پڑے لیکن پھر بھی وہ مقصد برآری نہ کر سکے۔ اس بات کو پھر یہ کس طرح ثابت کر سکیں گے؟ اور یوں اس بات سے صرفِ نظر کرتے ہوئے قارئین کو علمی رُعب دکھانے کے لیے بغیر دلیل دینے کے آخر تک بہت دیدہ دلیری سے رقم طراز ہیں۔ الغرض خداج کے معنی نقصان ذاتی کے ہیں۔ سبحان اللہ! کیا ہی خوب غرض اور مدعٰی ہے جو بغیر دلیل کے حاصل ہو جاتا ہے۔ لیکن ان کو معلوم ہونا چاہیئے اور بچشمِ غائر دیکھ کر پڑھ لینا چاہیئے کہ ایسے شبدوں سے احناف کے دلائل پر کچھ اثر نہیں پڑتا۔ البتہ ان کے اپنے معتقدین بے بصیرت تو ضرور خوش ہوتے ہوں گے اور داد دیتے ہوں گے جو کہ ان کا مقصود اصلی ہے۔

ادھر احنافؒ فرماتے ہیں کہ حضرت شارع علیہ السلام کی حدیثِ مبارک میں خداج بمعنی نقصان ہے اور نقصان بطلان کا غیر ہے جیسے حرام اور ہے اور مکروہ تحریمی اور ہے۔ ثانی میں شئی ہو جاتی ہے البتہ نقصان دار ہوتی ہے جیسے کسی کے ذمہ سجدہ سہو واجب تھا اس نے نہیں کیا تو نماز ناقص کہی جائے گی، باطل نہیں کہہ سکتے۔ ہاں اعادہ واجب ہوگا کہ نقصان شدید درجہ کا ہے۔ نماز میں سنّت کو ترک کرے گا تو اعادہ واجب نہیں ہوگا۔ فاتحہ بھی بزعمِ شما اگر مقتدی پر واجب ہے تو اس کے بغیر نماز ناقص ہوگی۔ واجب الاعادہ ہوگی لیکن باطل محض۔ لیس بشئی اور کالعدم نہیں ہوگی۔ اس کو سزا تارک صلوٰۃ کی نہ دی جائیگی۔ ہاں ناقص ادائیگی پر مناسب حال سزا کا مستحق ہوگا۔ شریعتِ حقّہ میں سزا و جزا میں فرق

مراتب کیے گئے ہیں۔ اندھے کی لاٹھی نہیں چلائی گئی۔ صاحب خیر الکلام فاضل جماعت کا خیر الکلام ص۱۴۵ پر یہ کہنا کہ بچہ مردہ ہے یا بعد میں مرجاتا ہے۔ یہ فاتحہ کو فرض بنانے کی حیلہ سازی کی گئی ہے لیکن نامکمل بات کہہ گئے ہیں آپ کی جماعت والے مقلد (مگر نام نہاد غیر مقلد) اگر اس میں مؤلف خیر الکلام وغیرہ کی تقلید کریں تو ان کی مرضی ہم تو اس کو مغالطہ ہی کہیں گے۔ آپ نے مخدج کے لیے موت لازمی بنادی تاکہ کام بن جائے لیکن اتنا تو لازمی ہے کہ آپ اہل حدیث بن کر بھی حدیث کو نہیں جانتے۔ عقلی باتیں کر رہے ہیں کہ نقصان ذاتی ہے بعض اجزار ابھی فِٹ نہیں ہوئے تھے کہ بچہ باہر نکل آتا ہے مرجاتا ہے۔ جناب اجزار پورے فِٹ ہوجائیں، پوری مدت پر پیدائش ہو۔ لیکن قویٰ بدنیہ ناقص اور کمزور ہوں اس کو بھی خداج کہا جاتا ہے۔ دور نہ جائیے مشکوٰۃ ص۳۱۲ کو اٹھا کر دیکھئے: حدیث میں ہے رجل فی الحی مخدج سقیم فوجد علیٰ امۃ من امائھم یخبث بھا۔ الحدیث۔ یعنی ایک مخدج شخص کسی عورت سے بدکاری کرتے دیکھا گیا۔ اب آپ بتائیں کیا مردہ مخدج نے یہ زناکاری کی تھی؟ یہ تو صحیح سلامت انسان تھا لیکن ناقص الخلقت تھا۔ ناتمام صحت والا تھا۔ الغرض اس کو ناقص الخلقت کہا جاتا ہے، مردہ نہیں کہا جاتا اور پھر یہ بھی دیکھئے کہ خداج جیسے بچے کی صفت ہے ناقہ کی صفت بھی ہے۔ اخدجت الناقۃ کا محاورہ تو آپ نے دیکھا سنا۔ تو کیا ناقہ بھی مردہ بن جاتی ہے یا بعد میں مرجاتی ہے۔ غلط راستے پر چلنے سے ٹھوکریں لگتی ہیں۔

صاحب خیر الکلام ص۱۴۶ پر لکھتے ہیں: پھر معلوم نہیں کہ یہ لوگ (حنفیہ) لفظ خداج کے پیچھے اس طرح کیوں پڑ گئے ہیں۔ ہمارے بیان سے آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ احناف آپ کی اس غلط چال کی نشان دہی کرنا چاہتے ہیں۔ اس حدیث میں آپ نے دو غلطیاں کی ہیں۔ پہلی یہ کہ حضرت ابوہریرہؓ مقتدی کو فاتحہ پڑھنے کا حکم دے رہے ہیں: اقراء بھا فی نفسك کا یہ معنی کیا۔ اور دوسری بات آپ کا فاتحہ کو فرض کہنا اور اس کے بغیر نماز کا باطل کہنا اور یہ باتیں اس حدیث کے مخالف ہیں۔ تفصیل گزر چکی ہے۔

اس حدیث کے بیان میں خاصا طول ہوگیا ہے لیکن العلم لا یحصل

Telegram : t.me/pasbanehaq1

براحة الجسم بزرگانِ دین اور محدثین کرامؒ کا فرمان ہے مسلم شریف ص۲۲۳ میں ہے لا یستطاع العلم براحۃ الجسم ۔ یہاں تک دو دلیلیں قرآن کریم اور حدیث نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مذکور ہو چکی ہیں ۔ اس کے بعد تیسری دلیل آرہی ہے ۔ ہاں ایک بات اور بھی قابل ذکر تھی کہ حضرت امام بخاریؒ نے فرمایا : لم یذکر سلیمان التیمی فی ھٰذہ الروایۃ سماعا من قتادۃ ولا قتادۃ من یونس ۔ لیکن اس کا جواب مفصل انشاء اللہ تعالیٰ محمد بن اسحٰق عن مکحول کی روایت کے بیان میں آئے گا ۔

الدّلیل الثالث علیٰ مَنع القراۃ خلف الامام المسمّیٰ بامامۃ القراٰن

اس کا ضمنی طور سے کچھ تذکرہ پہلے گزر چکا ہے ۔ لیکن ادلہ کی جگہ میں مستقل لانا زیادہ مناسب معلوم ہوا ۔ ھو المسك ما کررتہ یتضوع لعل اللہ یفتح بہ قلوبا غلفا واذانا صما ۔ قرآن کریم پارہ ۲۶ میں سورۃ الاحقاف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا : وَمِنۡ قَبۡلِهٖ كِتٰبُ مُوۡسٰۤى اِمَامًا وَّرَحۡمَةً ؕ اس کے بعد فرمایا : وَهٰذَا كِتٰبٌ مُّصَدِّقٌ (الیٰ) وَبُشۡرٰى لِلۡمُحۡسِنِيۡنَ ۔ یعنی قرآن کریم سے پہلے اللہ تعالیٰ جلّ جلالہٗ وعم نوالہٗ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتاب (تورات) مرحمت فرمائی جو ان کے لیے امام اور رحمتِ خداوندی بنی اور اس کے بعد یہ کتاب اس کی تصدیق کرنے والی بھی جو خوشخبری دینے والی ہے ۔ صالحین اور بھلائی کمانے والوں کے لیے اس آیتِ کریمہ میں تورات کا توصیفی لقب امام اور رحمت الٰہیہ ہونا بتایا گیا ہے اور اجماعی عقیدہ ہے کہ نبی آخر الزمان حضرت محمد صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم تمام حضرات انبیاء و مرسلین علیہم الصلوٰت والتسلیمات سے افضل اور اعلیٰ شان والے ہیں ان کی امت سب امتوں سے نرالی اور ان کی کتاب سب کتابوں سے اکمل و ارفع ہے ۔ اس لیے ان کو دی ہوئی کتاب بھی امام اور رحمتِ کاملہ کے لقب سے یاد کیے جانے کی مستحق ہے ۔ بلکہ بعض احادیث میں تصریح مروی ہے کہ کسی موقع میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب بعض لوگوں کی ناموزوں باتوں پر ناراض

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہوئے اور مزید غصہ کے آثار چہرۂ انور پر محسوس ہوئے تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے
گھٹنے ٹیک کر دو زانو بیٹھ کر آپ کے سامنے یہ کلمات رضینا باللہ ربا و بالاسلام
دینا و بمحمد رسولا دہرانے لگے۔ یہاں تک کہ آپ کا غصہ ٹھنڈا ہو گیا۔ اس حدیث
میں چوتھا جملہ بھی آیا ہے و بالقرآن حکما و اماما۔ یعنی نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ
وسلم نے یہ کلمہ سنا ہے اور سکوت فرمایا۔ پس قرآن کا امام ہونا [illegible] سے ثابت
ہے۔ نبی کریم کے اشارہ سے اور حضرت عمرؓ کے فرمان سے یہ لقب قرآن کے بارے
میں حضرات سلف صالحینؒ نے بھی استعمال کیا۔ چنانچہ حضرت امام بخاریؒ نے صحیح بخاری ۳۰/۲
میں حضرت حسن بصریؒ سے نقل کیا قال اکتب فی المصحف فی اول الامام بسم
اللہ الرحمن الرحیم۔ اس جگہ حاشیہ میں اول الامام کا معنی اول القرآن
ہی کیا ہے بلکہ اسی جگہ شارح قسطلانیؒ سے مزید نقل کیا ہے ای اول القرآن الذی
ھو الفاتحۃ یعنی سورۃ الفاتحہ قرآن کریم کا ابتدائی حصہ ہے۔ اس تمہیدی بیان سے
دو فائدے حاصل ہوئے۔ اول تو ان جاہلوں کی تردید معلوم ہوئی جو یہ کہہ دیتے ہیں کہ فاتحہ
تو قرآن ہی نہیں اور یہ اس لیے کہتے ہیں کہ آیت کریمہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا
لَہٗ وَاَنْصِتُوْا۔ امام کے پیچھے اس کے فاتحہ پڑھنے کے وقت مقتدی کے فاتحہ خوانی کی
ممانعت کرتی ہے تو انہوں نے یہ حیلہ سوچا کہ اس کے قرآن ہونے سے ہی انکار کر دیا جائے
ایک متعصب اور جاہل نام نہاد اہل حدیث کہنے لگا کہ قرآن تو تیس پارے ہیں۔ اول پارہ
الم کو کہتے ہیں تو فاتحہ قرآن کی سورۃ ہی نہ ہوئی۔ اس کی تردید گزشتہ کی گئی ہے کہ یہ
قول تو کفر کا گھر بن جاتا ہے جو اس کو قرآن نہ کہے۔ اس قول کی مزید تردید اسی حضرت علامہ
قسطلانیؒ کے بیان سے معلوم ہوئی۔ اول القرآن الذی ھو الفاتحۃ۔ بخاری ص ۳۹/۲
وہ دیکھیں اور اپنے ایمان کی تصحیح کریں۔ دوسری بات یہ معلوم ہوئی کہ قرآن کریم جب امام
ہو تو اس کی قرأت کا حق بھی امام ہی کو ہونا چاہیئے۔ آیت کریمہ اِنَّ اللّٰہَ یَاْمُرُکُمْ
اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمٰنٰتِ اِلٰٓی اَھْلِھَا۔ میں یہی حکم بیان کیا گیا ہے کہ حق حقدار کو دو۔
مقتدی تو مأموم ہوتا ہے۔ مأموم کو امام بنا دینا حق تلفی نہیں تو اور کیا ہے؟ الی اقول مای

Telegram : t.me/pasbanehaq1

انازع القرآن ؟ کا مقصد بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس کا پڑھنا امام کا حق ہے۔ دوسرے لوگ اسے کیوں اپناتے اور اس کا حق غصب کرتے ہیں۔ کلام الٰہی کا حق تقدم ہے نہ کہ تاخر۔ (راجع فیض الباری ص ۱۹۰) ۔ دیکھئے قرآن کریم کا رکوع و سجود میں پڑھنا منع کیا گیا ہے جس کی بظاہر علت یہی ہے کہ یہ دونوں تذلل کی حالتیں ہیں۔ اور یہ قرآن کے علو شان کے خلاف ہے کہ اس کو ایسے حال میں پڑھا جائے یا رکھا جائے۔ اسی طرح خلفیت بھی تذلل کی نشان دہی کرتی ہے۔ دیکھئے قرآن کریم ہو یا کسی مجبوری کے پس پشت اگر کوئی رکھتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے کہ قرآن پڑھنا ہے تو آگے بیٹھ جاؤ۔ تم گنہ گار نہ بنو۔ ممکن ہے کہ غیر مقلدین حضرات اس کو توہین نہ سمجھتے ہوں۔ لیکن حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس پس پشت پڑھنے سے کوفت قلبی ہوئی اور آپ نے لعلکم تقرؤن خلف امامکم سے ناراضگی کا اظہار کیا۔ انھوں نے اونچی نہ پڑھا تھا۔ ورنہ بعض سے کیوں ذکر کیا جاتا۔ وجہ انکار کی بظاہر خلفیت کو ہی سمجھا گیا۔ خداوند کریم سمجھ نصیب کرے۔ عمومات سے دھوکہ نہ کھائیں اور نہ دھوکہ دیں۔ قرآن کریم میں مقتدی کے بارے میں استماع و انصات کا حکم آچکا ہے۔ صحیح حدیث میں انصتوا ثابت ہو چکا ہے۔ یہ قانونی شکل کے الفاظ ہیں مقتدی کے بارے الا بفاتحۃ الکتاب فانہ لا صلوٰۃ الا بھا کی استثناء صحیح نہیں ہے۔ عنقریب بیان آنے والا ہے۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔

الحاصل امام کی قرأت کرتے ہوئے مقتدی کا اپنی قرأت کرنا استماع مامور میں خلل انداز بنتا ہے اور یہ انصات مامور بہ کے خلاف ہے۔ پیچھے پڑھنا عظمت شانِ قرآن کے خلاف بنتا ہے۔ ماموم کو امام بنانا قلب موضوع ہے۔ انفرادی حالت میں امام بن کر پڑھنا ہی صحیح ہے۔ یہ کہنا کہ امام کا پڑھنا دوسرے کا پڑھنا کیسے بن گیا؟ یہ تو صحیح حدیث کے مخالف ہے اور دلیل یہ بیان کرنا کہ ثنا، تسبیحات اور التحیات بھی صرف امام پڑھے، تم خاموش رہا کرو، جہالت ہے۔ کیونکہ نہی تو قرأت قرآن سے بوقت قرأت قرآن ہے ہم نے تو ترک قرأۃ خلف الامام کے بارے میں قرآن کی آیت اور حدیث پیش کی ہے۔ زندہ دل کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے اور مردہ دلوں کے لیے اِنَّكَ لَا تُسْمِعُ الْمَوْتٰى آیا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہوا ہے کہ وہ سُنی اَن سُنی کر دیتے ہیں۔

الدّلیل الرّابع امامت حضرت جبرئیل علیہ السّلام

حضرت امام ترمذیؒ ترمذی شریف باب مواقیت الصّلوٰۃ ص۴۸ میں روایت لائے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا کہ امّنی جبریل عند البیت مرتین۔ یعنی حضرت جبرئیل علیہ السّلام نے دو روز نماز کے اوقات بتانے کے لیے میری امامت کرائی۔ ایک دن اوّل اوّل وقت میں نماز پڑھائی اور دوسرے روز وقت کے آخر میں حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے ان دونوں دنوں میں مقتدی ہو کر نماز پڑھی۔ اب سوال یہ ہوگا کہ کیا آپؐ نے حضرت جبرئیل علیہ السّلام کی قرأت کے ساتھ ساتھ فاتحہ خوانی کی یا نہیں؟ احنافؒ تو فرمائیں گے کہ امام کی قرأت مقتدی کے لیے کافی ہو جاتی ہے۔ آپ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے قرأت نہیں کی ہوگی۔ خاص کر جب کہ آپؐ کو حکم خداوندی فَاِذَا قَرَأْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ پہلے سے آچکا تھا جس کی تفسیر حضرت ابنِ عباسؓ نے استمع وانصت سے کی ہے اور بخاری شریف میں ہے کہ اس کے بعد آپ حضرت جبرئیل علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کے پڑھنے کے وقت خاموش رہتے تھے۔ صرف سُنتے ہی تھے ہونٹ بھی نہ ہلاتے تھے۔ ظاہر ہے کہ اسی حکم کی تعمیل آپؐ نے حضرت جبرئیل علیہ السّلام کی امامت کے وقت بھی قرأت میں کی ہوگی۔ جو لوگ فاتحہ پڑھنے کے بغیر نماز نہ ہونے کے قائل ہیں ان کو ضروری ہوگا کہ ان دنوں کی نمازوں میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا پڑھنا ثابت کریں حنفیہ کی تو یہی دلیل ہے کہ نہیں پڑھی کیونکہ یہ استمع وانصت کا حکم اطلاق پر ہے خارج نماز کی تخصیص نہیں کی گئی۔ فَاِذَا قَرَأْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ فرمایا ہے۔ من ادعیٰ خلافہ فعلیہ البیان۔ ہاں فَاِذَا قَرَأْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ کی تفسیر استمع وانصت جو حضرت ابنِ عباسؓ سے مروی ہے کے مطابق یہ حکم دیا گیا ہے اگر آپؐ نے حضرت جبرئیل علیہ السّلام کے پیچھے قرأت کی تو فرمان فَاِذَا قَرَأْنٰہُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَہٗ کی، اس میں صریح خلاف ورزی پائی جاتی ہے۔ اس کا جواب بھی آپ دیں۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اور اس بات کو پیشِ نظر رکھیں کہ فَاِذَا قَرَأْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ میں نماز و خارجِ نماز کا فرق نہیں کیا گیا۔

قابلِ غور بات یہ بھی ہے کہ جہری نمازوں میں حضرت جبریل علیہ السلام نے جب وَلَا الضَّآلِّيْنَ پڑھا ہوگا تو موافق فرمانِ نبوی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا امّن الامام فَاَمِّنُوْا۔ آپ نے آمین بھی کہی ہوگی۔ کیونکہ یہ تو سکتے ہیں پڑھی جاتی ہے اور دعا کے بعد آمین کہنے والے کو حکماً تالی اور قاری کہا جاتا ہے تو آپ کی نماز بدون فاتحہ نہ بنی دیکھیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مخالفین کے متعلق یہ دعا پڑھی تھی رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓى اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ الآیۃ۔ اور حضرت ہارون علیہ السلام نے اس پر آمین کہی۔ جیسے کہ حضرت حافظ ابنِ حجرؒ نے فتح الباری میں روایت نقل کی ہے کان موسیٰ داعیا وھارون مؤمنا۔ اس کے باوجود قرآن کریم نے دونوں کو داعی (دعا کنندہ) فرمایا۔ قَدْ اُجِيْبَتْ دَّعْوَتُكُمَا۔ اسی کو قرأۃ الامام قرأۃ للماموم کہا جاتا ہے۔ اسی طرح امام نے جب مقتدی نے آمین کہہ دی تو حکماً وہ بھی تالی اور قاری بن گیا۔ اس کی نماز بدون فاتحہ نہ بنی۔

الحاصل جس طرح حضور علیہ السلام نے حضرت جبریل علیہ السلام کی قرأت کے وقت خاموشی اختیار کی۔ استماع و انصات پر عمل کیا اور آپ کی نماز ہو گئی تو اسی طرح مقتدی کو امام کا مسئلہ بھی بن جاتا ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے خاموش رہنے اور سننے کی دلیل تو ہم نے بیان کر دی کہ حکم فَاِذَا قَرَأْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ کا خارجِ نماز کے ساتھ مخصوص نہیں کیا گیا۔ ہم مدعیانِ فرضیت فاتحہ خلف الامام سے سوال کرتے ہیں کہ ان نمازوں میں جو دو دن حضرت جبریل علیہ السلام کے پیچھے آپ نے پڑھیں۔ ان میں فاتحہ پڑھنے کا ثبوت کسی صحیح اور صریح دلیل سے پیش کریں۔

علامہ ابنِ کثیرؒ حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کی دعا اور آمین کے بارے میں فرماتے ہیں۔ تفسیر ابن کثیر ص ۲۲۳ فدل علی ان من امن علی دعاء فکانما قالہ یعنی جس نے آمین کہہ دی گویا اس نے خود دعا پڑھ دی۔ ولھذا قال من قال ان

المأموم لا یقرأ لان تأمینہ علی قرأۃ الامام الفاتحۃ قراتھا یعنی جس نے کہا کہ مقتدی قرأت فاتحہ کی نہ کرے۔ اس نے اسی بنا پر کہا کہ مقتدی کا آمین کہہ دینا گویا فاتحہ کا پڑھنا ہی ہے۔

الخامس من الادلۃ امامۃ ابی بکر الصدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سرکارِ دوجہاں صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مرض وفات کے دنوں میں حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ امامت کے مامور تھے اور امامت کراتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس حکم کو ایک مصلحت سے ٹالنا بھی چاہا کہ بجائے ابوبکرؓ کے حضرت عمرؓ کو فرمادیں کہ وہ فریضۂ امامت ادا کیا کریں لیکن آپؐ نے سابق حکم کو تبدیل نہ کیا۔ معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا تقرر کسی خاص مصلحت سے تھا۔ ورنہ آپؐ کی جگہ تو نماز پڑھانے والے سب ہی لائق اور فائق تھے خصوصًا قریبی رشتہ دار حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ بھی موجود تھے۔ لیکن ان کو آپؐ نے اپنی جگہ نماز پڑھنے کے لیے مقرر نہ کیا اور نہ مبہم انداز میں فرمایا کہ میں مسجد کو نہیں جا سکتا کوئی اور شخص نماز پڑھا دیا کرے بلکہ اس کام کے لیے حضرت ابوبکرؓ کو مخصوص کر دیا۔ شاید یہ خیال فرمایا ہو کہ ان کی امامت سے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم ان کی خلافتِ کبریٰ یا امامتِ کبریٰ کا سبق سیکھ لیں اور یہی آپؐ چاہتے تھے اور یہی حضرات صحابہ کرامؓ نے کیا چنانچہ بعض نے صریحًا یہ فرما بھی دیا کہ دین کا معاملہ دنیا سے فائق اور اہم ہے جب دین کا امام حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا گیا ہے تو خلافتِ دنیوی کا حق بھی انہی کو دیا جائے۔ اسی وجہ سے بلا مقابلہ ان کا انتخاب ہوگیا۔ فالحمد للہ علی ذٰلک اسی اشارہ اور دلالت پر اعتماد کرتے ہوئے شاید آپؐ نے واللہ تعالیٰ اعلم قرطاسِ خلافت نہیں لکھا۔ بعض لوگوں نے کچھ اصرار بھی کیا لیکن آپؐ نے ضرورت نہ سمجھی حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام یقینًا سمجھ گئے تھے کہ پڑھایا ہوا سبق انتخابِ خلافت کے لیے کافی ہے آپؐ نے حضرات صحابہ کرامؓ کی دانش پر اعتماد کیا کہ غلطی نہیں کریں گے۔ چنانچہ بخاری

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ص۲۹۳ ج۱ کے حاشیہ پر ہے۔ وکانت فی ھذہ الامامۃ دلالۃ علی الامامۃ الکبریٰ۔ اس بیان سے جیسے شیعہ کی شہادت اور جہالت ملاحظہ ہوئی اسی طرح غیر مقلدین حضرات کا علمی قصور بھی معلوم ہوا وہ قیاس کے منکر ہیں۔ لکھتے ہیں کہ ہر دینی مسئلہ حدیث میں منصوص ہونا ضروری ہے۔ قیاس کوئی چیز نہیں۔ حضرات محدثین کرامؒ اور محققین عظامؒ نے فرمایا کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نے موجودہ تصویر علیہ قیاس ہی کیا کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جب دین کا امام حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بنایا ہے تو اسی قیاس پر دنیوی نظام کی باگ ڈور بھی انہی کے ہاتھ میں ہونی چاہئیے یہی قیاس ہے جس پر اجماع ہوا۔ ورنہ نص صریح حدیث میں حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی استحقاق خلافت پر بتاتی ہیں۔ یہ باتیں مختصر انداز سے ضمنی طور پر مذکور ہوئیں آگے اصل مقصد کی طرف رجوع کرتا ہوں:

اس مرض وفات کے زمانہ میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم بقول حافظ ابن حجرؒ ظہر کی نماز کے لیے مسجد تشریف لے گئے۔ فتح الباری ص۱۱۹ ج۲ اور جماعت سے نماز ادا کی اور بیماری کے دنوں میں آپؐ نے صرف یہی ایک نماز پڑھائی۔ حضرت شیخ استاذنا مولانا سید محمد انور شاہ صاحبؒ فرماتے تھے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ایک عشاء کی نماز میں بھی شریک جماعت ہوئے۔ ظہر کی نماز کی حاضری تو بخاری شریف میں تصریحاً موجود ہے اور عشاء کی حاضری ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتی ہے اور اقرب بھی یہی ہے۔ کیونکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا جانا اس وقت ہوا جب حضرت ابوبکرؓ کچھ قرأت کر چکے تھے۔ کم از کم فاتحہ کا کچھ حصہ تو پڑھ چکے ہوں گے اور بعض روایات میں تصریح ہے کہ جب حضرت ابوبکرؓ فاتحہ کے بعد سورۃ پڑھ رہے تھے اس وقت آپ پہنچے۔ اول حصہ حضرت ابوبکرؓ نے پڑھا اور حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پہنچنے کے بعد ماابقی کو آپؐ نے تمام کیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بیماری کے ضعف کی وجہ سے بیٹھ کر نماز پڑھائی اور لوگ کھڑے ہو کر نماز پڑھتے رہے۔ ایک روایت میں راوی فرماتے ہیں: ابتداء من حیث انتھی الیہ ابوبکرؓ اور دوسری میں ہے:

Telegram : t.me/pasbanehaq1

من حیث انتہی الیہ من السّورۃ (مسند احمد صفحہ ۲۰۹ ج ۱) ۔ اوّل روایت میں اگرچہ فاتحہ کا نام نہیں لیا گیا ۔ لیکن بیان کچھ قرأت پر دال ہے ۔ اوّل صورت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے فاتحہ کا بعض حصّہ چھوٹا اور دوسری صورت میں پوری فاتحہ رہ گئی ۔ اس سے معلوم ہوا کہ بلا فاتحہ پڑھے ہوئے بھی (کُل یا بعض) آپؐ کی نماز ہوگئی اوّل حصّہ میں امام حضرت ابوبکرؓ تھے ان کے پیچھے تکبیر کہہ کر ان کی نماز میں شمولیت ہو گئی ۔ ہاں اس کے بعد آگے سے خود امامت کے فرائض ادا کیے اور نماز تمام کی ، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ مکبّر کی حیثیّت سے لوگوں کو تکبیرات سُناتے رہے اس مقام میں بعض باتیں قابلِ توجہ ہیں ۔ عرض کرتا ہوں :

سوال نمبر ۱ : اگر ظہر کی نماز کا واقعہ ہو تو ظہر میں جب خفیہ قرأت ہوتی ہے تو آپؐ کو کیسے پتہ چلا کہ قرأت کہاں تک ہو چکی ہے جس کی وجہ سے کہا گیا کہ جہاں تک ابوبکرؓ پڑھ چکے تھے ، اس مقام سے آپ نے قرأت شروع کی ؟

الجواب : حضرت حافظ ابن حجرؒ نے یہ جواب دیا کہ قرأت اگرچہ خفیہ تھی لیکن ھمس کے درجہ کی قرأت سے پاس والا سُن لیتا ہے جیسے ایک شخص نے ظہر کی نماز آپؐ کے پیچھے پڑھی تو سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی پڑھ دیا ۔ اس کے پاس والا شخص کہتا ہے : جاء فقرأ سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰی ۔ اور ممکن ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے آیت یا اس کا کچھ حصّہ جہر سے پڑھ لیا ہو تاکہ آپؐ کو پتہ مل جائے اور اس سے آگے قرأت فرمائیں اور یہ جائز ہے ۔ جیسے آیا ہے یُسْمِعُنَا الْاٰیَۃَ احیانا ۔ کہ آپؐ کبھی سرّی نمازوں میں بھی کوئی آیت اونچی آواز سے پڑھ لیتے تھے اور اگر واقعہ کسی جہری نماز کا ہو جیسے ابھی عشا کی نماز میں جانے کا قول گزر چکا ہے تو اشکال پیدا ہی نہیں ہوتا ۔

سوال نمبر ۲ : عارضی امام نماز پڑھا رہا ہو ، پھر اصل امام آجائے تو نائب امام کی امامت بہر حال رکھی جاتی ہے ۔ نماز اسی پر تمام کی جاتی ہے ۔ پھر حضرت ابوبکرؓ نے کیوں ایسا نہ کیا ؟ آپؓ پیچھے کیوں ہٹ گئے ؟

Telegram : t.me/pasbanehaq1

الجواب: بعض لوگوں نے یہ شبہ بھی کیا ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی موجودگی
میں دوسرے کو کیا حق ہے کہ وہ امامت کرائے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے ما کان
لابن ابی قحافۃ ان یتقدم بین یدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ
علیہ وسلم (بخاری ص۹۴) فرمان کا یہی مطلب لیا گیا ہے اور ان حضرات نے
فرمایا کہ یہ کارروائی ایک ایسا ادب کے ماتحت ہوئی وہ یہ کہ اگر امام کو کوئی عارضہ پیش آجائے کہ
وہ نماز تمام نہ کر سکتا ہو تو اس کو اجازت ہے کہ کسی دوسرے کو اپنی جگہ کھڑا کر دے تاکہ لوگوں کی
نماز تمام ہو جائے جیسے حدث کی صورت میں ہوتا ہے۔ یا جیسے حضرت عمرؓ کو صبح
کی نماز پڑھاتے ہوئے ابولؤلؤ مجوسی نے خنجر مارا اور آپ زخمی ہو گئے تو آپ نے حضرت
عبدالرحمٰن بن عوف کو اپنی جگہ کھڑا کر دیا اور انہوں نے نماز پوری کرائی۔ موجودہ صورت میں
حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو عارضہ حصر عن القراۃ کا پیش آیا۔ یعنی دل
میں حضور علیہ السلام کی اس معذوری کی حالت میں آمد پر اتنا ملال و صدمہ پیش آیا کہ زبان سے
قرات نہ ہو سکتی تھی۔ مزید صدمہ کی وجہ سے یہی حالت بن جاتی ہے۔ بخاری ص۹۹
میں ہے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں ان ابابکر رجل رقیق ... فلا یقدر علی
القراۃ فقال مروا ابابکر فلیصل ... اور دوسری روایت میں
ہے۔ اذا قام فی مقامک لم یملک نفسہ من البکاء۔ بخاری ص۹۹/ج۱۔ اسی
کو الحصر عن القراۃ کہتے ہیں۔ اسی عارضہ کی وجہ سے حضرت ابوبکرؓ پیچھے ہٹ گئے
اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم آگے بڑھ گئے تاکہ نماز مکمل کی جائے۔ ابن ماجہ ص۸۸ کی روایت
میں ہے اخذ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من القراۃ
من حیث کان بلغ ابوبکرؓ قال وکیع وکذا السنۃ۔ انھوں نے
اسی ضابطہ کو واضح کیا کہ سنت یہی ہے کہ امام کو اگر ایسا عارضہ پیش آجائے تو ایسا ہی کرنا چاہیے۔

۳ ابھی بیان ہو چکا ہے کہ ابن ماجہ ص۸۸ کی حدیث میں ہے واخذ رسول
اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من القراۃ من حیث کان بلغ ابوبکرؓ
اور حضرت حافظ ابن حجرؓ فرماتے ہیں اسنادہ حسن۔ (فتح الباری ص۳۱۵/ج۲) باب انما

Telegram : t.me/pasbanehaq1

جعل الامام لیؤتم بہ اور طحاوی شریف میں فاستفتح مروی ہے یعنی آگے سے قرأت حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے مکمل فرمائی۔ اس میں مکمل قرأت کا بیان نہیں۔ مجمل انداز میں ہے کہ جہاں تک حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ پڑھ چکے تھے۔ وہاں سے آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرأت شروع کی۔ ہوسکتا ہے کہ فاتحہ کا کچھ حصہ پڑھا ہو۔ لیکن مسند احمد صفحہ ۲۰۹ کی روایت میں مکمل کا بیان ہے فقرأ من المکان الذی بلغ الیہ ابوبکرؓ من السورۃ۔ اس سے معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فاتحہ کے بعد سورۃ پڑھتے وقت پہنچے تھے۔ امام بخاریؒ نے اپنی صحیح میں صفحہ ۲۰۱ مبہم اور مفسر کا قانون بیان فرمایا ہے: الزیادۃ مقبولۃ والمفسر یقضی علی المبھم اذ رواہ اھل الثبت یعنی مبہم سے مفسر راجح ہوگا۔ اس قاعدہ کے مطابق آپ سے پوری فاتحہ چھوٹ گئی۔ اور ظاہر بھی یہی ہے کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے نماز اس وقت شروع کی ہوگی جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مسجد میں تشریف آوری سے ناامیدی ہوگئی ہوگی۔ پھر فاتحہ پڑھنے میں اتنی دیر نہیں لگتی۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی آمد بھی ضعف کی بنا پر آہستگی سے ہوئی ہوگی۔ تیز رفتاری سے تو آ نہیں سکتے تھے کہ فوراً پہنچ گئے ہوں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ سورۃ پڑھنے کے زمانہ میں ہی پہنچے ہوں گے کل فاتحہ پڑھی گئی ہوگی۔ بہرحال فاتحہ کل یا بعض آپؐ سے چھوٹی مگر آپؐ کی نماز صحیح ہوگئی اور یہی آپؐ کی مسجد میں باجماعت آخری نماز تھی اب فاتحہ کے پڑھنے کے بغیر نماز نہ ہونے والوں کو اس کی جواب دہی کرنا ہوگی۔

۴: یہ بھی سبھی جانتے ہیں کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت ان دنوں میں نہ خود ہوئی اور نہ ہی حضرات صحابہ کرامؓ کے عمل اور مشورے سے ہوئی بلکہ بحکم جناب رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوئی مروا ابابکر فلیصل بالناس (بخاری صفحہ ۹۹) بلکہ آپؐ جب مسجد میں پہنچے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ جب پیچھے ہونے لگے تو آپؐ نے اشارہ فرمایا کہ جگہ پر رہو پیچھے نہ ہٹو۔ فلما راہ ابوبکرؓ ذھب یتاخر فاشار الیہ ان صل۔ (بخاری صفحہ ۹۹ ج ۱) لیکن حضرت ابوبکرؓ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

نے آپ کی موجودگی میں منصب امامت پر رضا برداشت نہ کی تو کچھ پیچھے سرک گئے ان کا یہ عمل ادبًا ہی تھا۔ پھر نبی علیہ الصلوٰۃ والسلام نے قرأت وہاں سے شروع کی جہاں تک قرأت ہو چکی تھی اور نماز تمام کی اگر یہ عشار کی نماز کا واقعہ ہو جیسے بعض ظاہر الفاظ سے معلوم ہوتا تو کوئی اشکال نہیں۔ ہاں اگر ظہر کی نماز میں ایسا ہوا جب بھی کوئی مضائقہ نہیں ہو سکتا ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کچھ الفاظ اس انداز کے پڑھے ہوں کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے سُن لیے ہوں۔ پھر اس کے مابعد سے قرأت شروع کر دی ہو آپؐ کی قرأت کے الفاظ بھی سُننے میں آئے کیونکہ راوی حدیث بعد سے قرأت کرنا کہتا ہے اور یہ جبھی ہو سکتا ہے کہ اس نے کچھ الفاظ سُنے ہوں جیسے کسی نے آپ کے پیچھے ظہر کی نماز میں سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلٰى پڑھا اور ساتھ والوں نے سُن لیا۔ بیان گزر چکا ہے۔ اسی انداز میں والخذ من القرأة من حیث کان بلغ ابوبکرؓ راوی بیان کر رہا ہے۔

مقامِ عبرت وحسرت

جماعتِ اہلِ حدیث کے فاضل مصنف خیر الکلام نے اس جگہ ایسی باتیں کی ہیں جیسے شیعی مزاج دشمنانِ صحابہؓ کیا کرتے ہیں۔ انھوں نے جب فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ میں اس سے رکاوٹ محسوس کی تو یہ فرما گئے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام جب مسجد میں گئے اور دیکھا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ جماعت کرا رہے ہیں تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انکی جماعت میں داخل ہونے کی بجائے اس کو کالعدم قرار دے کر از خود ہی نئی نماز کی تکبیر کہی اور نماز پڑھی۔ خیر الکلام صـ۴۶۱ میں لکھتے ہیں۔ پس ہو سکتا ہے کہ آپؐ نے اگر سابق امامت کالعدم قرار دیتے ہوئے نئی امامت سے نماز کی ابتدار کی ہو تو اس صورت میں خلیفہ بننے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ سبحان اللہ! کیا حضرت ابوبکر صدیقؓ سے آپؐ ناراض تھے کہ ان کی جماعت و امامت کو کالعدم قرار دے کر نئی نماز کی نیّت کی۔ جب کہ آپؐ نے خود ہی مروا ابابکر فلیصل بالناس کا حکم دیا تھا۔ یہی شیعہ لوگوں کی کہانیاں ہیں۔ دوسری جگہ صـ۴۶۱ میں لکھتے ہیں: یہ کیسے معلوم ہوا کہ آپ ابتدائیں

Telegram : t.me/pasbanehaq1

امام بن کر شامل نہیں ہوئے تھے بلکہ مقتدی بن کر شامل ہوئے تھے۔ پھر امام بن گئے۔ ہوسکتا ہے کہ آپ پہلے ہی امام بن کر نماز میں داخل ہوئے ہوں۔ سبحان اللہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ۔ مشہور ہے حبك الشئ یعمی و یصم کہ کسی چیز کی محبت کبھی اندھا اور بہرا بنا دیتی ہے۔ نظامِ عالم بگڑ جائے تو اس کی پرواہ نہیں، مگر انھوں نے اپنی ضد نہیں چھوڑنی۔ فاتحہ خلف الامام پڑھنے پڑھانے کے ذوق و شوق نے انھیں عقل کی راہنمائی سے محروم کر دیا ہے معمولی سُوجھ بُوجھ والا انسان بھی ایسی بات نہیں کہتا جو یہ مدعیان علم و فہم کہہ رہے ہیں۔ مَنْ لَّمْ یَجْعَلِ اللّٰہُ لَہٗ نُوْرًا فَمَا لَہٗ مِنْ نُّوْرٍ۔ فرمانِ خداوندی ہے۔ سُنئے کیوں جناب اگر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی امامت کو کالعدم قرار دے دیا تھا اور آپ ابتداءً ہی سے امام بن کر نماز پڑھانے کی نیّت سے تشریف لائے تھے جیسے آپ کا فرمان ہے (ہوسکتا ہے کہ آپ پہلے ہی امام بن کر نماز میں داخل ہوئے ہوں)۔ تو:

پہلی بات یہ ہے کہ آپؐ حضرت ابوبکرؓ کے پاس پہنچتے ہی ان کو پیچھے ہٹنے کا اشارہ فرماتے۔ حالانکہ بخاری ص۹۹ ج۱ کی حدیث میں تو یہ گزرا فاشار الیہ ان صلّ اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے پہلے اپنے امام ہونے اور امام بننے کا خیال ہی نہیں کیا تھا کیا معاذ اللہ تعالیٰ آپؐ نے تقیہ کرکے کہا کچھ اور، اور دل میں اور کچھ رکھ رکھا تھا؟ ان صلّ کا مطلب تو یہ ہے کہ نماز اسی طرح اور اپنی جگہ پر پڑھاتے رہو۔ اس سے تو صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ نے ابتداءً امامت کا ارادہ نہیں کر رکھا تھا ورنہ اشارہ فرماتے کہ پیچھے ہو جاؤ اب میں نماز پڑھاؤں گا۔

دوسری بات یہ ہے کہ اشارہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپؐ آتے ہی سابقہ نماز کی نیّت کر چکے تھے۔ اس لیے زبان سے کلام نہیں کیا۔ صرف اشارہ کر دیا۔

تیسری بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ امامت جب بحکم رسُول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوئی، تو آپ علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی رضامندی پائی گئی جب امامت بحکمِ رسُول و برضائے رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہے تو اس صحیح عمل کو کالعدم

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کیسے بنایا جاسکتا ہے؟ یہ کارروائی مؤلف خیر الکلام کی طرف سے صرف اس لیے کی گئی ہے کہ اس سے خلف الامام فاتحہ خوانوں کا راستہ بند ہوگیا ہے کہ اس نماز میں فاتحہ خلف الامام نہیں پڑھی گئی مگر بایں ہمہ نماز ہوگئی۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ ان کا راستہ ہی غلط ہے۔ غلط راستے پر چلنے والوں کو ٹھوکریں لگا ہی کرتی ہیں۔

چوتھی بات یہ ہے کہ آپ خیر الکلام ص ۲۰۲ میں لکھتے ہیں۔ یہ کیسے معلوم ہوا کہ آپ ابتدا میں امام بن کر شامل نہیں ہوئے بلکہ پہلے مقتدی بن کر شامل ہوئے پھر امام بن گئے ... الخ۔ ہم نے تو قرینہ بتا دیا ہے کہ اشارہ سے بتانا قرینہ ہے کہ آپ پہلی نماز میں شامل ہو چکے تھے۔ آپ بتائیں کہ پہلی پڑھی ہوئی نماز کو کالعدم بتانا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ اور آپ کا ابتدا سے امام بننا آپ کو کیسے معلوم ہوا؟ دلیل صحیح اور صریح ہو۔ ہو سکتا ہے کے لفظ سے کام نہیں چلے گا۔ بلکہ یہ انداز اختیار کرنا جس سے حضرت ابوبکرؓ اور دیگر حضرات صحابہ کرامؓ کی صحیح اور درست نماز کو کالعدم قرار دیا جائے، دماغی خرابی کی نشاندہی کرتا ہے۔ اعاذنا اللہ تعالیٰ من ذلک۔

پانچویں بات بھی سنتے جائیے جو اس سے بھی مزے کی ہے کہ مصنف خیر الکلام فاضل اہل حدیث ص ۲۰۲ میں لکھتے ہیں "آپ نے سورۃ فاتحہ نہیں پڑھی" اس پر کوئی دلیل نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم) نے فاتحہ کا متروک حصہ یا ساری فاتحہ پڑھ کر وہاں سے قرأت شروع کی ہو۔ آپؐ نے آہستہ پڑھی تھی اس لیے راوی نے ذکر نہیں کیا۔ جناب! اس پڑھنے پر دلیل پیش کرنی ہوگی۔ یہ بات ظاہر کے بالکل خلاف ہے فریضہ کے ثابت کرنے کے لیے محض احتمال کافی نہیں ہوتا۔ صراحت درکار ہے اور یہ احتمال حدیث کے الفاظ واخذ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من القرأۃ من حیث بلغ ابوبکرؓ کے خلاف ہے۔ اس کے بعد ص ۲۰۳ پر لکھتے ہیں: یا راوی کا مطلب قرأت سے جہراً پڑھنا مراد ہے یعنی آنحضرت (صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے الفاظ مصنف مذکور نے دونوں جگہ نہیں لکھے) نے جہراً وہاں سے قرأت شروع کی جہاں ابوبکرؓ پہنچے تھے۔ اس سے آہستہ پڑھنے کی نفی نہیں ہوتی۔ غور کیجئے کہ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

خیر الکلام ص۴۵۴ میں خود مصنف نے حدیث کے الفاظ یہ لکھے ہیں: اخذ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من القراءۃ من حیث کان بلغ ابوبکرؓ دوسری روایت یوں نقل کی فقرأ من المکان الذی بلغ ابوبکرؓ من السورۃ۔ ان میں آپ کا نفس قرأت کرنا مذکور ہے اور فاضل اس کے مجازی معنی لیتے ہیں یعنی قرأت سے جہراً پڑھنا مراد ہے۔ علمأ معانی فرماتے ہیں کہ مجاز لینے کے لیے قرینہ صارفہ ضروری ہوتا ہے۔ بلا قرینہ مجاز بنانا غلط ہے۔ فلا بد من القرینۃ۔ کیونکہ علماء عربیت کا مشہور مقولہ ہے المجاز قنطرۃ الحقیقۃ۔ جب سڑک سیدھی ہو تو اس پر پل بنانا نادانوں کا کام ہے۔ آپ بتائیں کہ اس جگہ کون سا قرینہ جہر کا ہے۔ صرف یہ کہ یہ دلیل آپ کے خلاف پڑ رہی ہے: یہ تو کوئی قرینہ نہیں۔ شاید کہ علم معانی بیان و بدیع کا نام ہی اکثر فضلاً اہل حدیث نے نہ سنا ہو گا۔ اس کے علاوہ یہ کہ صاحب خیر الکلام ص۴۵۹ میں کہہ چکے ہیں۔ (اب صرف تہمت کی ضرورت باقی ہے۔ (ایک دن تخفیف ہوئی تو ظہر کے لیے نکلے) اس بیان سے ثابت ہوتا کہ نماز کے لیے آپ کے مسجد جانے سے انکار کر رہے ہیں۔ اس لیے صرف تہمت کے لیے جواب ہی کہتے ہیں۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ گزشتہ فاضل صاحب خیر الکلام کا جو منقول ہو چکا ہے کہ انھوں نے فرمایا (قرأت سے جہراً پڑھنا مراد ہے۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے جہراً وہاں سے قرأت شروع کی جہاں ابوبکرؓ پہنچے تھے۔ کیا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ظہر کی نماز میں جہراً قرأت کی تھی؟ حضرت ابوبکرؓ نے تو ضرور قرأت مخفی کی ہو گی کیونکہ نماز ظہر کی تھی۔ کیا پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے وہاں سے جہراً قرأت شروع کر دی تھی؟ آپ لوگوں نے تو دن کو رات بنا دیا ہے۔ (سبحان اللہ) معلوم ہوا کہ خیر الکلام کے بورڈ والی دکان میں کھوٹا سامان بھرا ہوا ہے۔ جو چاہے اسے آنکھیں بند کر کے خرید لے۔ ہم نے النصح لکل مسلم کی ذمہ داری محسوس کرتے ہوئے خبردار کر دیا ہے۔ وما علینا الا البلاغ۔ وللہ الحمد والمنۃ۔

عذرِ گناہ بدتر از گناہ

گزشتہ ذکر ہو چکا کہ مصنف خیر الکلام فاضل جماعت اہلِ حدیث نے کہا کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مرضِ موت کے دنوں میں جب مسجد تشریف لے گئے اور دیکھا کہ ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھا رہے ہیں تو آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام ان کی نماز میں داخل نہیں ہوئے بلکہ اس کو کالعدم قرار دے کر اپنا تحریمہ جداگانہ کر کے امامت کی نیّت سے نماز میں داخل ہوئے اور یہ اس لیے کیا کہ وہ سورۃ فاتحہ اور کچھ مزید پڑھ چکے تھے۔ ان کی نماز میں داخل ہوتے تو فاتحہ کے سوا آپ کی نماز نہ ہوتی۔ اس لیے اس کو کالعدم قرار دے دیا۔ اور مستقل نماز کی افتتاح کی۔ یہ حدیث کے الفاظ فَقَرَأَ مِنْ حَيْثُ بَلَغَ اَبُوْبَكْرٍ رض کا معنی یہ کیا۔ (نماز پڑھی آپؐ نے ابوبکرؓ کی قرأت کے بعد)۔ خیر الکلام ص۲۵۶ میں ہے: حدیث میں جو قرأت کا لفظ آیا ہے اس سے مراد نماز ہوگی۔ مطلب یہ ہوا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز وہیں سے شروع کی۔ (سبحان اللہ)

سُنیے! یہ معنی کئی وجوہ سے باطل اور مردود ہے۔ اوّل یہ کہ یہ معنی مجازی ہیں۔ ذکر جزء اور مراد کل مجاز کے اقسام سے ہے اور مجاز سوائے مجبوری کے بلا قرینہ صارفہ نہیں لیا جاتا جیسے رَأَيْتُ اَسَدًا يَرْمِيْ۔ یہ یرمی قرینہ ہے کہ مراد رَجُلٌ شُجَاعٌ ہے۔ ایک جگہ مصنف خیر الکلام نے ص۲۶۶ پر خود لکھا: بدون قرینہ ایک لفظ کا اصلی معنی چھوڑ کر مجازی معنیٰ مراد لینا درست نہیں ہوتا۔ ولہٰذا بتائیں کہ یہاں کس قرینہ سے مجازی معنی آپ نے لیا ہے۔ اسی طرح ان کا یہ معنی کرنا کہ جہرًا قرأت کرنا وہاں سے کیا جہاں ابوبکر صدیقؓ پہنچ چکے تھے۔ (پہلے بھی اس کا تذکرہ گزر چکا ہے) یہ دونوں معنی مصنف خیر الکلام کی من مانی کہانی ہے جو خلافِ قاعدہ ہے اور مردُود ہے۔

دوم[۲] وجہ غلطی کی یہ ہے کہ اگر آپؐ کی نیّت نئے سرے سے نماز پڑھنے کی تھی اور سابق کالعدم قرار دی گئی تھی تو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنی جگہ نماز پڑھتے رہنے اور پیچھے نہ ہٹنے کا اشارہ آپؐ نے کیوں کیا؟ بخاری شریف ص۹۹ میں ہے: فلمّا راٰہ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

البوبکر ذهب یتأخر. ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے۔ فاشار الیہ ان صلِّ یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے ان کو اشارہ کیا کہ نماز پڑھتے رہو۔ پیچھے مت ہٹو اور بخاری شریف ص۹۴ میں ہے فاشار الیہ ان کما انت۔ حاشیہ میں معنیٰ یہ کیا ہے، ای الزم الذی انت علیہ وھو الامامۃ۔ یعنی اے ابوبکرؓ اپنی امامت پر قائم رہو۔ اسی طرح نماز پڑھتے پڑھاتے جاؤ۔ پیچھے نہ ہٹو۔

اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس امامت کو برحال رکھا اور اپنی امامت کا ارادہ نہ تھا بصورت اقتدا ان کے پیچھے پڑھنا یہی ارادہ تھا۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز اور امامت کو کالعدم نہیں قرار دیا گیا ہاں انھوں نے بوجہ ہیبت اور شدّتِ غم کے آئندہ قرأت کرنے کی قدرت نہ پائی۔ اس لیے وہ پیچھے ہو گئے تاکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز تمام کرادیں۔ اس کو حصر عن القرأۃ کہا جاتا ہے۔ اسی کو حاشیہ بخاری ص۹۵ میں اختیار کیا۔ یَجُوزُ اَنْ یَّسْتَخْلِفَ اِذَا حُصِرَ عَنِ الْقِرَأۃِ لِحَدِیْثِ اَبِیْ بَکْرٍؓ کَمَا اَحَسَّ بِالنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حُصِرَ عَنِ الْقِرَاۃِ فَتَاَخَّرَ وَتَقَدَّمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ تَعَالٰی عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَتَمَّ۔ یعنی امام کو حصر عن القرأۃ یعنی بندش ہو تو دوسرے کو اپنی جگہ خلیفہ بنا سکتا ہے جیسے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے واقعہ میں ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ خود پیچھے ہٹے تھے۔ ہٹائے نہیں گئے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے انہی کی پڑھائی ہوئی نماز کو تمام کیا اور تا آخر پہنچایا

اس مقام میں مصنف خیر الکلام ترجمان جماعت اہلِ حدیث کا یہ کہنا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے گزشتہ نماز کو کالعدم کر کے از خود نئے سرے سے نماز پڑھائی۔ افسوس ناک غلط بیانی ہے۔ یہ ایک طرح شیعی آواز کی تصدیق ہے کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب مسجد پہنچے تو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول کر دیا اور پیچھے ہٹا دیا۔ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) ہٹاتے تو جب کہ ان کی امامت ان دنوں میں خلاف حکمِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ہوتی۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

حضرات اہل سُنّت وجماعت کا قول تو یہ ہے جو بخاری ص۹۳ کے حاشیہ میں فرمایا۔ کَانَتْ فِیْ ھٰذِہِ الْاِمَامَۃِ دَلَالَۃٌ عَلَی الْاِمَامَۃِ الْکُبْرٰی۔ ان دنوں (مرض الموت) میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کو امام بنانے میں آپؐ کا اشارہ خلافت کی طرف تھا، کہ میرے بعد میرا جانشین حضرت ابوبکر ہی ہوگا۔ (رضی اللہ عنہ)۔ اسی لیے کسی اور کو ان دنوں کی نمازوں کا امام نہیں بنایا اور نہ منظور کیا۔ بعض ازواجِ مطہراتؓ نے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا نام بھی لیا کہ انھیں فرمادیں کہ وہ نماز پڑھادیں۔ آپؐ نے فرمایا تم مجھے بہکاتی ہو۔ (محض) اگر صرف نماز پڑھانا مقصود ہوتا تو سب ہی حضرات صحابہ کرامؓ لائق فائق تھے۔ آپؐ فرمادیتے کہ میں مسجد میں نہیں جاسکتا کسی اور کو کہو کہ نماز پڑھادے۔

الحاصل جیسے شیعہ لوگوں کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو معزول کرنا غلط بیانی اور خبثِ نفس کی نشانی ہے اسی طرح مصنف خیر الکلام کا یہ کہنا کہ سابق نماز کو جو حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے پڑھائی اس کو کالعدم قرار دے کر آپؐ نے اپنی نماز کی ابتدا کی اور ابتداء سے نماز پڑھائی۔ یہ بات بھی خلاف واقع محض غلط افسانہ اور جھوٹ ہے۔ ان کی قوم اگر اس بات کو مانتی ہے تو ان کی مرضی ہم تو اس بات پر لاحول ہی پڑھتے ہیں۔ یہ صرف فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی ضرورت سے گھڑی گئی ہے اور روافض کی پیروی کی ہے اَلْوَلَدُ سِرٌّ لِاَبِیْہِ کے فرمان کے مطابق ہم تو کہتے ہیں کہ پھل کڑوا ہے تو درخت بھی اسی طرح کا ہوگا۔ غلط راستہ پر چلنے سے ٹھوکریں لگا ہی کرتی ہیں۔

فائدہ: بعض لوگ کہہ دیتے ہیں کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بائیں جانب بیٹھنا اسی لیے تھا کہ امام بن کر نماز پڑھائیں گے ہمارے خیال میں یہ ناتمام بات ہے۔ یہ بیٹھنا اتفاقی طور پر ہوا کہ اس میں سہولت تھی۔ اتفاق سے یہ بات ہوگئی کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز کو تمام نہ کرسکنے کی وجہ بعد میں وہ مقتدی ہوگئے اور آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی جگہ امام بن گئے۔ اگر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنی جگہ پر رہتے۔ نماز پڑھاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم انھی کی اقتدا میں نماز تمام کرتے۔ اصل مقصد بھی یہی تھا۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

تنبیہ

ملا: صاحب خیر الکلام نے صلا ۴۶ پر لکھا ہے اور پہلے بھی اس کا تذکرہ گزر چکا ہے۔ دلیں ہو سکتا ہے کہ آپ نے آگر سابق امامت کو کالعدم قرار دیتے ہوئے نئی امامت سے نماز کی نیّت کی ہو) یعنی تکبیر تحریمہ کہتے ہوئے آپؐ نے امام ہونے کی نیّت کی ہو گی۔ آپؐ امام ہی ہو گئے ہوں گے۔ اس میں جب وہ اشکال سمجھے کہ لوگوں کی تکبیر تحریمہ تو پہلے سے ہو چکی ہے۔ اس صورت میں مقتدیوں کی تکبیر تحریمہ امام سے متقدم ہو جاتی ہے تو اس کا جواب دیتے ہوئے یہ فرماتے ہیں۔ مقتدی کی تکبیر تحریمہ اگر ضرورت کی بنا پر پہلے ہو جائے اور امام بعد میں تکبیر تحریمہ کہے تو اس صورت میں اقتدار درست ہوتی ہے۔ امام بخاریؒ کا یہی مذہب ہے۔ (سبحان اللہ! کیا ہی مزے کی بات کہی) آپ کو تو اس موقع میں یہ کہنا چاہیئے تھا کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ اور دیگر جمہور صحابہ کرامؓ کا یہی مذہب ہے۔ سوال یہ ہے کہ کیا صحابہ کرامؓ امام بخاریؒ کے مذہب کے عقیدت مند اور پابند تھے؟ حضرات صحابہ کرامؓ تو لا تبادروا الامام۔ وانما جعل الامام لیؤتم بہ کے عقیدت مند تھے۔ آپ تو اہل حدیث ہیں۔ حدیث کا حوالہ دیتے جس کو وہ حضرت جانتے تھے۔ امام بخاریؒ کی تو بہت سی باتیں آپ بھی نہیں مانتے امام بخاریؒ نے مصافحہ بالیدین کا ترجمۃ الباب صحیح بخاری صلا ۹۲۶ میں ذکر کیا۔ یہی ان کا مذہب اور مختار ہے اور آپ کی جماعت والے سب ایک ہی ہاتھ سے مصافحہ کرتے ہیں باب الاخذ بالیدین وصافح حماد بن زید بن المبارک بیدہ۔ بخاری صلا ۹۲۶ ج ۲۔ حضرت امام بخاریؒ بیک وقت تین طلاقوں کے جواز اور ان کے وقوع کے قائل ہیں اور یہ باب قائم کرتے ہیں: من اجاز الطلاق الثلاث (صلا ۷۹۱ ج ۲) اور آپ لوگ تین طلاقوں کو ایک قرار دے کر التثلیث فی التوحید کے قائل ہیں اور امام بخاریؒ محرم کے نکاح کو جائز قرار دیتے ہیں۔ دیکھئے بخاری صلا ۲۴۸ ج ۱ باب تزویج المحرم مگر آپ لوگ اس کے قائل نہیں ہیں۔

باقی رہا یہ سوال کہ حضرت امام بخاریؒ امام کی تکبیر سے مقتدی کی تکبیر تحریمہ کے تقدم کو جائز کیوں کہتے ہیں اور اس کا جواب کیا ہے؟ تو اس کی تفصیل کا تو یہ موقع نہیں۔ اس کے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

لیے آپ فیض الباری ج ۱ ص ۲۵۰-۲۵۸ کی طرف مراجعت فرمائیں۔ ان شاء اللہ تعالیٰ تشفی ہو جائے گی۔
اجمالی بات یہ ہے کہ ایک دفعہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو خیال نہ رہا کہ غسل کرنا تھا
مگر صرف وضو کر کے مسجد میں تشریف لے گئے اور نماز پڑھانے کی جگہ پر کھڑے ہو گئے۔
غیر صحیحین کی بعض روایتوں میں ہے کہ آپ نے تکبیر بھی کہہ دی۔ بعد میں یاد آیا کہ آپ نے
تو غسل کرنا تھا۔ واپس گھر کی طرف لوٹ آئے اور لوگوں سے فرمایا: مکانکم۔ اپنی
جگہ پر رہو۔ غسل کر کے آئے اور نماز کی تکبیر کہی۔ اول تکبیر تحریمہ صحیح نہیں ہوئی۔ دونوں کی
سابقہ تکبیر بھی اس وقت کی صحیح نہ ہوئی لیکن غسل کے بعد دوبارہ تکبیر کے ساتھ لوگوں کا تکبیر
کا اعادہ کرنا مذکور نہیں۔ اس میں مقتدیوں کی تکبیر امام سے پہلے ہو گئی۔ لیکن بخاری شریف میں
ہے فلما قام فی مُصَلَّاہٗ ذکر انہ جنب فقال مکانکم ثم رجع
فاغتسل۔ اس سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہوتے ہی یاد آیا کہ میں جنابت میں ہوں۔ آپ
نے ابھی تکبیر نہیں کہی تھی۔ لہٰذا سابق دلیل ناتمام ہو گئی۔ اور صحیح بخاری ہی کی روایت ہے
اور یہی اکثر کا مختار ہے۔ بخاری ص ۸۹ میں ہے وانتظرنا ان یکبر انصرف یعنی
ہم انتظار میں تھے کہ تکبیر کہیں گے مگر آپ واپس چلے گئے اور مسلم میں ہے: قبل ان
یکبر۔ یعنی تکبیر کہنے سے قبل ہی آپ واپس تشریف لے گئے۔ معلوم ہوا کہ ابھی
آپؐ نے تکبیر نہیں پڑھی تھی۔ حاشیہ بخاری ص ۹۵ کو دیکھیں۔ لیکن مصنف خیر الکلام
مطلب سازی کے لیے پہلی مرجوح روایت کو لیتے ہیں اور بخاری و مسلم کی روایت کو چھوڑتے
ہیں اور کہتے ہیں کہ مقتدی کی تکبیر تحریمہ امام سے پہلے ہونا درست ہے۔ مصنف خیر الکلام
نے اس مقام پر اور کئی باتیں اسی انداز کی کہی ہیں۔ صرف حنفیہ کثرہم اللہ تعالیٰ کی ضد
میں یہ چال انھوں نے چلی ہے۔ ص ۲۶۸-۲۶۹ میں لکھتے ہیں۔ (ابن ماجہ کی روایت کی
سند میں ابو اسحٰق سبیعی ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کو تیسرے درجے کے مدلسین میں ذکر
کیا ہے) لیکن یہ بیکار عذر ہے۔ انہیں حافظ ابن حجرؒ نے ان کی سند کو اسناد صحیح
فرمایا ہے۔ ص ۳۱۹ ج ۲ فتح الباری باب انما جعل الامام لیؤتم بہ۔ اسی طرح
مصنف خیر الکلام نے مسند احمد کی روایت میں ابو اسحاق کی تدلیس کی شکایت کی ہے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

جواب ابھی معلوم ہوا کہ انھی کی رِوایت کو حافظ ابن حجرؒ حسن فرما چکے ہیں۔ کیا آپ کی دلیل اِلّا بفاتحۃ الکتاب کا راوی محمد بن اسحاق تیسرے درجے کا مدلس نہیں ہے؟ اس کا کذّاب و دجّال ہونا اس پر مزید ہے۔

۲: خیر الکلام صـ۴۶۶ میں لکھتے ہیں۔ یہ نماز از روئے تحقیق ظہر کی تھی صحیحین کی رِوایت سے معلوم ہوتا ہے اور خیر الکلام صـ۴۶۱ میں لکھا کہ آپؐ آتے ہی امام بن گئے تھے پہلے مقتدی نہیں بنے اور قرأ من حیث بلغ الیہ ابوبکرؓ کی تأویل (جو درحقیقت تحریف ہے) کرتے ہوئے لکھا (صـ۴۶۹/۴) کہ قرأت سے نماز مراد لینی چاہیئے کئی صفحات انھوں نے اسی لایعنی بیان میں سیاہ کیے ہیں اور حضرت ابوبکرؓ کی عشاء کی نماز میں آمد کا انکار کر رہے ہیں۔ اس بنا پر کہ حافظ ابن حجرؒ صرف ظہر میں مسجد میں آنا لکھتے ہیں اور صـ۴۵۶ میں ہے کہ بخاری میں ظہر ہے اور جن رِوایات میں عشا کی نماز میں مسجد کو جانا معلوم ہوتا ہے ان کو اختصار کے بہانہ سے ٹال رہے ہیں اور قوم کو بتانا یہ چاہتے ہیں کہ مرض وفات کے دنوں میں صرف ایک ظہر کی نماز میں آپؐ مسجد میں تشریف لے گئے۔ اس سے ان کا مقصد یہ ہے کہ ظہر کی نماز کی حاضری میں جب تأویل کی جائے گی کہ جب آپؐ نے خود امامت کی نیت کی تھی تو حضرت ابوبکرؓ کی اقتدار کی نیّت نہیں کی تھی تو حنفیہ کا استدلال ردّ ہو جائے گا کہ آپ نے اقتداً نماز نہیں کی تھی اور فاتحہ کل یا بعض نہیں پڑھی تھی؛ تو اس سے معلوم ہوا کہ مقتدی پر فاتحہ پڑھنا ضروری نہیں ہے۔ مصنف خیر الکلام کے جواب کا حاصل یہ ہوا کہ اقتداً حضرت ابوبکرؓ کی آپؐ نے نہیں کی تھی۔ اپنی امامت کی نیت سے نماز پڑھی تھی۔ لیکن سب جانتے ہیں کہ مصنف خیر الکلام نے اپنے اس حیلہ سازی کی مدار قرأ من حیث بلغ الیہ ابوبکرؓ من السورۃ میں مجازی معنی پر رکھی ہے کہ آپؐ نے نماز وہاں سے شروع کی جہاں تک حضرت ابوبکرؓ پہنچ چکے تھے۔ آپؐ نے اقتدار حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کی ہی نہیں۔ آپ کی قوم اگر اس میں آپ کی تقلید کرتی ہے تو خوشی سے کرے مگر دُنیا علم اور عقل رکھتی ہے اور مُجاز بلا قرینہ کو ارباب فن مردود کہتے ہیں۔ ہاں ممکن ہے کہ شیعی مزاج لوگ بھی اس میں آپ کی ہمنوائی کریں۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کیونکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اقتدار کا انکار ان کا بھی نظریہ ہے اور شاید وہ آپ کی اس تاویل کو اپنا لیں شیعی نظریات ہوائی فائر ہوتے ہیں ان سے کچھ فائدہ نہیں ہوتا۔ دیکھئے اگر کوئی عقل کا دشمن یہی بات کہے تو اس کو یہ بات سنائیں کہ بخاری شریف میں ہے کہ سوموار کے روز جو آپ کی زندگی کا آخری دن ہے صبح کے وقت مرض میں کچھ افاقہ ہوا۔ صبح کی نماز کے وقت مسجد کی طرف جو پردہ لٹکا ہوا تھا اس کو اٹھایا۔ دیکھا کہ جماعت ہو رہی ہے۔ تمام حضرات صحابہ کرامؓ حضرت ابوبکرؓ کے پیچھے صف باندھے نماز پڑھ رہے ہیں۔ یہ منظر دیکھ کر خوشی محسوس کرتے ہوئے آپؐ ایسے مسکرائے کہ ہنسنے کا انداز بن گیا۔ حضرت ابوبکرؓ کی نظر بھی آپؐ کے چہرہ مبارک پر پڑی۔ خیال ہوا کہ شاید آپ مسجد میں تشریف لانا چاہتے ہیں تو پیچھے ہٹنے لگے کہ شاید آپ نماز پڑھائیں گے۔ لیکن حضرت نے اشارہ فرمایا کہ اپنی جگہ پر رہو اور نماز پڑھاتے رہو۔ آپؐ واپس ہو گئے اور پردہ کو نیچے کر دیا۔ حدیث کے الفاظ یہ ہے: بخاری ص ۹۳/۱ اذا کان یوم الاثنین وھم صفوف فی الصلوٰۃ فکشف النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم رؤیتھم باجتماعھم علی الصلوٰۃ بالھیئۃ التی امر بھا من امامۃ ابی بکرؓ واتفاقھم علی ذلک۔ اور یہ بھی لکھا ہے التبسم عبارۃ عن الرضاء... الخ۔ یعنی اس حال میں ان کو دیکھ کر آپ کا مسکرانا دلیلِ رضامندی ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آخری نماز تک آپ حضرت ابوبکرؓ کی امامت پر راضی تھے۔ لہٰذا یہ کتنا غلط ہے کہ حضور علیہ السلام جب مسجد کو گئے تو حضرت ابوبکرؓ کو پیچھے ہٹا دیا اور امامت سے معزول کر دیا۔ ہاں وہ پیچھے ہٹنے کے قریب ہوئے تو آپؐ نے ان کو اشارہ فرما دیا: اَنْ صَلِّ یا اَنْ کَمَا اَنْتَ۔ مگر حضرت ابوبکرؓ کے ضمیر نے تقدم کو پسند نہ کیا اس لیے اس موقع پر پیچھے ہٹ گئے۔ یہ پہلے گزر چکا ہے۔ اسی طرح یہ بھی غلط ہے کہ ان کی نماز میں آپؐ داخل نہیں ہوئے اپنے طور سے امامت کی نیت کی تھی جیسے مصنف خیر الکلام نے کہا ہے یہ شیعی آواز کے قریب ہے۔ فتح الباری ص ۲۹۷-۲۹۸/۲ج میں ہے حتّٰی انہ صلّٰی خلف ابی بکرؓ۔ یعنی آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے حضرت

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ابوبکرؓ کے پیچھے نماز پڑھی ۔ باب الرخصة فی المطر سے تھوڑا پہلے۔ پھر جب وہ بحکم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نماز پڑھا رہے تھے اور برضا حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پڑھا رہے تھے تو ان کی آپؐ نے اقتدا کیوں نہ کی ہوگی؟ اقتدا میں نماز پڑھنا تو مزید رضامندی کی دلیل ہے ۔اس میں لوگوں کو سبق بھی دینا پایا جاتا ہے۔ یہ باتیں ضمنی طور سے کی گئی ہیں۔ والعلم خیر کلہ واللہ الموفق ومنہ الہدایۃ۔

بات یہ ہورہی تھی کہ مصنف خیر الکلام نے صرف ایک دن ظہر کی نماز میں مسجد میں آنا لکھا ہے تاکہ انکار سہل ہوجائے۔ بے شک ظہر کی نماز صریحاً مروی ہے لیکن عشاء کی نماز مسجد میں خلف ابی بکرؓ پڑھنے کی بھی تصریح ہے۔

بخاری شریف ص۹۵ میں ہے: والناس عکوف فی المسجد ینتظرون النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم لصلوٰۃ العشاء الآخرۃ فارسل النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم الی ابی بکرؓ بان یصلی بالناس۔ اور ص۹۹ میں ہے: مروا ابابکر ان یصلی بالناس۔ فلما دخل فی الصلوٰۃ وجد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی نفسہ خفۃ فقام یھادی بین رجلین.... الخ۔ یہ روایات ایک ہی واقعہ کا اظہار کرتی ہیں جو نماز عشاء سے متعلق ہے۔ بے شک خروج الی صلوٰۃ الظہر بھی مروی ہے لیکن لصلوٰۃ العشاء الآخرہ کی بھی تصریح ہے۔ اسی طرح بخاری ص $\frac{639}{2}$ میں ہے ثم طفقنا نصب من تلك القرب حتی طفق یشیر الینا ان قد فعلتن قالت ثم خرج الی الناس فصلّی بھم وخطبھم۔ بظاہر یہ واقعہ عشاء کا ہی ہے۔ اس میں اس کے جواب کی حاجت نہیں رہتی کہ آپ نے کیسے سن لیا؟ یہ تو ظہر کی نماز تھی قرأت مخفی کی ہوگی۔ جواب یہ دیا گیا کہ شاید کوئی آیت اونچی پڑھ دی ہوگی۔ لیکن مصنف خیر الکلام نے اپنے مطلب کی خاطر صرف ظہر کا واقعہ بنایا ہے اور دوسری روایات میں اختصار کا دعوٰے کیا اور اس پر کوئی شہادت نہیں پیش کی۔ غرضیکہ جونسی صورت ہو نماز خلف ابی بکرؓ بھی پڑھی گئی۔ ان کی امامت کو کالعدم قرار دے کر نئے سر سے امام

Telegram : t.me/pasbanehaq1

بن کر تحریمہ نہیں کہا گیا۔ کسی محدث نے ابنِ ماجہ یا مسند احمد کی مذکورہ احادیث کا یہ معنی نہیں کیا۔ مصنف خیر الکلام تو اپنے کو سلفی کہتے ہیں۔ سلف میں سے کسی بزرگ محدث کا حوالہ دیجئے۔ آپ کی ایسی بات تو کوئی بے علم مرید ہی مان سکتا ہے۔ خلف ابی بکرؓ نماز پڑھنے کا انکار مشکل پڑے گا۔

مزید سنئے! ایک دن فجر کی نماز بھی اسی مرض وفات کے زمانہ میں آپ نے مسجد میں آکر خلف ابی بکرؓ پڑھی۔ ہاں ایک رکعت کے بعد آپ پہنچے۔ صرف ایک رکعت امام کے ساتھ پائی۔ اس دن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ پیچھے نہیں ہٹے کیونکہ ایک رکعت پڑھ کر سلام نہیں پھیر سکتے تھے۔ فتح الباری ص ۳۰۹/ج ۲ میں ہے واستمرّ فی مرض موته صلى الله تعالى عليه وسلم حين صلى خلفه الركعة الثانية من الصبح كما صرح به موسى بن عقبة فى المغازى. یعنی حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نماز کو برقرار رکھتے ہوئے پڑھتے رہے۔ جبکہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام دوسری رکعت صبح میں تشریف لا کر شریک جماعت ہوئے۔ اس کے بعد ص ۳۱۶/ج ۲ میں فرمایا: انه صلى خلف ابى بكرؓ كما قدمنا۔ اسی طرح ص ۲۹۶/ج ۲ میں فرمایا: آخر صلوٰة صلاها النبى صلى الله تعالى عليه وسلم خلف ابى بكرؓ۔ حافظ ابن حجرؒ سب جگہ خلف ابی بکرؓ کی تصریح فرما رہے ہیں اور مصنف خیر الکلام فرماتے ہیں حضرت ابوبکرؓ کی امامت کو کالعدم قرار دے کر اپنی امامت کی نیت سے تحریمہ کیا اور نماز پڑھی۔ فوا اسفا۔ پھر حافظ ابنِ حجرؒ ص ۳۰۹/ج ۲ میں اس کی وجہ بیان کرتے ہیں کہ اس نماز صبح والی میں جبکہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جماعت میں شریک ہوئے تو حضرت ابوبکرؓ پیچھے کیوں نہیں ہوئے؟ فرمایا: فكانه لما مضى معظم الصلوٰة حسن الاستمرار ولما لم يمض منها الا اليسير لم يستمر۔ یعنی جب صبح کی نماز کا اکثر حصہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شرکت سے پہلے پڑھا گیا تھا۔ اس لیے اس میں وہ پیچھے نہیں ہوئے۔ اپنی جگہ پر رہتے ہوئے نماز تمام کی۔ اور دوسری صورت میں جہاں اوّل رکعت کے درمیان آپ آپہنچے تھے اس میں پیچھے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہو جانا مناسب معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم پوری نماز تمام کر سکیں گے۔ جیسے گزر چکا ہے۔ اس سے صاف معلوم ہوا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اس صبح کی نماز کے لیے مسجد میں تشریف لے گئے تھے اور خلف ابی بکرؓ نماز پڑھی۔ صرف ظہر کی نماز پر ہی اصرار کرنا جیسا کہ مصنف خیر الکلام کر رہے ہیں کم مائیگی کی علامت ہے۔ معلوم ہوا کہ آپؐ نے علالت کی وجہ سے فجر کی نماز گھر میں بھی پڑھی اور مسجد میں تشریف آوری نہیں ہوئی اور کسی صبح کی نماز میں مسجد تشریف لائے اور با جماعت ایک رکعت ادا کر گئے جیسے ابھی گزرا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصنف خیر الکلام کا صبح کی نماز کے لیے مسجد جانے سے انکار کر دینا بھی صحیح نہیں ہے۔ عشاء اور فجر کی نمازوں کے لیے مسجد جانے سے انکار کر دینا اور صرف ایک ظہر کے لیے جانا تحقیق کے خلاف ہے۔ صبح کی نماز کے لیے جانا اگرچہ بخاری میں نہیں ہے لیکن حافظ ابن حجرؒ موسیٰ بن عقبۃ فی المغازی کے حوالہ سے روایت نقل کرتے ہیں جو ثقہ راوی ہے اور اس پر گرفت نہیں کرتے۔

تنبیہ ۱: مصنف خیر الکلام نے ص۴۵۴ میں ابن ماجہ والی روایت اخذ رسول اللہ من القرأۃ من حیث کان بلغ ابوبکرؓ کے متعلق جو اس حدیث کی سند میں کلام کیا ہے وہ بھی ملاحظہ فرمالیں۔ خیر الکلام ص۴٦۸ پر لکھتے ہیں۔ یہی روایت جو ابن ماجہ کے حوالے سے لکھی گئی۔ اس کی سند میں ابو اسحاق سبیعی ہیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے ان کو تیسرے درجے کے مدلسین میں شمار کیا ہے اور اس طبقہ کی روایات بدون تصریح سماع قبول نہیں ہوتیں مگر صد افسوس کہ آپ کے اس ضابطہ کی اطلاع امام بخاریؒ کو نہ ہوئی انھوں نے شاید بے خبری میں ان کی روایات اپنی صحیح میں لائیں۔ بخاری ص۲۲۷ج۲ میں ہے: عن اسرائیل عن ابی اسحاق عن زید بن ارقم۔ نیز گزر چکا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ اس کو حسنٌ فرما رہے ہیں۔ حسنٌ مقبول ہی ہوتی ہے۔

۲: مصنف خیر الکلام نے ص۴٦۹ پر مزید لکھا کہ ایک روایت زیلعیؒ نے مسند بزار کے حوالہ سے حضرت ابن عباسؓ سے نقل کی ہے اور کہا ہے کہ اس کی سند

Telegram : t.me/pasbanehaq1

میں قیس بن ربیع ہے جو ضعیف ہے۔ افسوس کہ انھوں نے آدھی بات تو نقل کر دی۔ اور بعد والے کلام سے نظر ہٹالی ہے کیونکہ سوداھنگا پڑتا ہے کہ شاید پوری بات نقل کرنے پر کوئی ملامت ہی نہ کرے۔ علامہ محقق جمال الدین زیلعیؒ نے نصب الرایۃ صـ ۵۲۵ ج ۲ میں فرمایا ہے۔ قلت رواہ ابن ماجہ من غیر طریق قیس: فقال حدثنا علی بن محمد ثنا وکیع عن اسرائیل عن ابی اسحاق عن الارقم بن شرحبیل عن ابن عباسؓ لما مرض رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فذکر (الی) قال ابن عباسؓ فاخذ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم من القراۃ من حیث کان بلغ ابوبکرؓ قال وکیع وکذا السنۃ۔ اور یہ ابن ماجہ صـ ۸۸ باب صلوٰۃ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فی مرضہ۔ میں مذکور ہے۔ یعنی یہ روایت قیس کے علاوہ اور طریقوں سے بھی مروی ہے۔ اس بات کو مصنف خیر الکلام شیر مادر سمجھ کر پی گئے ہیں اور ان کے بڑھاپے میں شیر خوار ہونے پر زیادہ تعجب ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے فتح الباری صـ ۲۴۲ ج ۱ میں فرمایا: سماع اسرائیل عن ابی اسحاق فی غایۃ الاتقان للزومہ ایاہ لانہ جدہ۔ یعنی اسرائیل کا روایت نقل کرنا ابو اسحاق سے نہایت صحیح اور قوی ہے۔ ہمیشہ ان کے ساتھ مصاحب رہا۔ ابو اسحاق ان کا جدامجد ہے۔ اسی طرح ترمذی صـ ۲۹ میں ہے اسرائیل اثبت اضبط لحدیث ابی اسحاق بلکہ اسرائیل کا متابع بھی مسند احمد صـ ۲۳۱ ج ۱ میں مروی ہے۔ راجع نصب الرایہ صـ ۵۲۵ ج ۱۔

۳: مصنف خیر الکلام صـ ۴۶۹ میں فرماتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ یہ بخاری مسلم کی روایات (جن میں ظہر کا لفظ ہے) کے موافق کرنے کے لیے ان کی تاویل کرنی ہو گی۔ سبحان اللہ! ضد کا کوئی علاج نہیں۔ یہ خوئے بدرا بہانہ ہائے بسیار" والی بات ہے۔ کیوں جناب بخاری شریف صـ ۹۵ ج ۱ میں خرج لصلوٰۃ الظہر حصر کو پا بتا ہے کہ صرف ایک ظہر کے لیے ہی آپ مسجد کو گئے۔ کیا خروج للفجر اس کے منافی ہے اور کیا خروج للعشاء الآخرۃ بھی اس کے مخالف بنتا ہے کہ ان میں تاویل کی جائے اور کیا یہ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

بخاری کی روایتیں نہیں ہیں ؟ ہاں آپ کا ضمیر چونکہ اس کو نہیں مانتا اور آپ کا مقصد چونکہ پورا نہیں ہوتا۔ اس لیے آپ کو تأویل حسب منشأ اور من پسند کرنی پڑے گی۔

دوسری بات یہ کہ مصنف خیر الکلام نے گزشتہ ص۴۶۰ پر لکھا کہ مقتدی کی تکبیر تحریمہ امام سے مقدم ہوسکتی ہے۔ اس کا مأخذ ابوداؤد ص۱ج۱ کی روایت ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنابت کی حالت میں مسجد میں جاکر تکبیر تحریمہ پڑھی۔ پھر یاد آیا کہ میں نے غسل نہیں کیا پیچھے لوٹ گئے۔ آپ کی تکبیر کے ساتھ حضرات صحابہ کرامؓ نے بھی تکبیر کہی ہوگی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم جب غسل کرکے پھر آئے۔ پھر تکبیر پڑھی۔ لیکن قوم کی تکبیر وہی سابقہ رہی۔ روایت میں نہیں ہے کہ انھوں نے تکبیر کا اعادہ کیا۔ اس میں مقتدی کی تکبیر کا امام سے تقدم پایا گیا۔ بے شک اس میں اگرچہ تقدم کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ لیکن بخاری شریف کی روایت ص۸۸ میں ہے: اذا قام فی مصلاہ انتظرنا ان یکبر انصرف مروی ہے اسی طرح مسلم شریف میں قبل ان یکبر مروی ہے کہ تکبیر پڑھنے سے پہلے آپ لوٹ گئے۔ اس سے معلوم ہوا کہ ابھی تکبیر نہیں کی گئی تھی۔ اب ہم کہتے ہیں کہ کیا ابوداؤد کی روایت بخاری مسلم کی روایت کے ہم پلہ ہے جیسے خیر الکلام ص۴۶۹ کے حوالے سے گزر چکا ہے۔ اس واسطے بقول آپ کے بخاری مسلم کے موافق کرنے کے لیے اس کی تأویل کرنی ہوگی یہی لفظ آپ کے ص۴۶۹ میں ہیں۔ یہاں اس کو جاری کرلیجیے۔ معلوم ہوا کہ آپ کا بیان خود آپ پر حجت بن گیا اور تقدیم تحریمہ مقتدی کا جواز جیسا کہ آپ کا دعویٰ ہے بالکل غلط نکلا کیونکہ اور خیر الکلام کی دکان کا مال کھوٹا ہی نکلا۔ صرف یہ نہیں بلکہ حدیث انما جعل الامام لیؤتم بہ کے بھی یہ خلاف ہے۔ عذر کے بہانے سے جواز بے دلیل بات ہے۔ ممانعت کی دلیل ہم نے پیش کردی ہے۔ آپ اس کے خلاف شرعی دلیل پیش کریں۔ آپ کا یہ اجتہاد (یعنی عذر سے تقدم مقتدی امام پر جائز کہنا) دوسروں پر حجت نہیں بنتا۔ بالخصوص جب کہ خلاف کی حدیث صریح صحیح موجود ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

متفرقات وعجائبات

گزشتہ بات کے نمونہ کی چند اور باتیں بھی دیکھتے اور سنتے جائیں۔ گزشتہ بیان ہو چکا ہے کہ حنفیہ کثرھم اللہ تعالیٰ نے مقتدی پر فاتحہ پڑھنے کے لازم نہ ہونے پر بطور دلیل کے حسن الاسناد حدیث پیش کی ہے کہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بیماری کے زمانہ میں بحکم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نماز پڑھایا کرتے تھے۔ کسی روز ظہر کی نماز کے وقت یا عشار کی نماز کے وقت افاقہ ہوا اور آپ مسجد میں تشریف لے گئے حضرت ابوبکرؓ امام صحابہ کرامؓ فاتحہ کے بعد سورۃ پڑھ رہے تھے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی نماز میں شامل ہو گئے۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پیچھے ہو گئے۔ آپ نے باقی قرأت پڑھ کر نماز تمام کی۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کل فاتحہ یا کچھ حصہ نہ پڑھا نہ سنا۔ صرف امام کی اقتدار کی وجہ سے امام کی قرأت آپؐ کے لیے کفایت کر گئی مخالفین کہتے ہیں کہ بدون فاتحہ پڑھے نماز نہیں ہوتی۔ مگر یہ حدیث ان کے خلاف ہے۔ گزشتہ باتیں گزر چکی ہیں۔

اس کا پہلا جواب مصنف خیر الکلام نے ایسا دیا جو کسی محدث کو خواہ شافعی المذہب ہو یا اور کوئی ہو نہ سوجھا۔ کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی نماز کو کالعدم قرار دے کر خود امام بن کر حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نماز پڑھائی۔ اسکی تردید گزر چکی ہے۔ اور دوسرا جواب بعض علمائے شافعیہؒ کا نقل کیا خود انہی کے الفاظ میں سنئے خیر الکلام ص۴۵۹ جو لوگ فاتحہ خلف الامام کو فرض سمجھتے ہیں ان میں سے بعض کے ہاں رکوع میں شامل ہونے سے رکعت ہو جاتی ہے اور ان میں سے بعض اس طرف گئے ہیں کہ جہری نمازوں میں اگر مقتدی پوری فاتحہ یا آدھی فاتحہ کے بعد آئے تو اس سے ساری فاتحہ یا آدھی ساقط ہو جاتی ہے۔ پھر ص۴۶ پر لکھتے ہیں یہ صورت مستثنیٰ ہے۔ (یعنی لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کے عموم سے مستثنیٰ ہے) کیونکہ امام کی فاتحہ کے ساتھ تو مقتدی فاتحہ بلا تکلف پڑھ سکتا ہے۔ مگر دوسری صورت کے ساتھ پڑھنا اور استماع کرنا ذرا مشکل

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہے۔ پھر صفحہ ۴۶ پر لکھتے ہیں: ان کے ہاں یہ صورت مستثنیٰ ہے۔ غور فرمائیں کہ آدھی فاتحہ کا پڑھنا اور استماع کا حق ادا کرنا جب مشکل ہے کیونکہ استماع کامل توجہ کو کہتے ہیں اور خود پڑھنے سے کامل توجہ سُنی ہُوئی چیز کی طرف نہیں رہتی۔ امام رازیؒ سے نقل گزر چکی ہے فالاستماع یمنع عن القرأة۔ یہ بات جیسے آدھی فاتحہ میں پائی جاتی ہے۔ اسی طرح کل فاتحہ میں بھی پائی جاتی ہے۔ پھر آپ نے یہ کیسے کہا (امام کی فاتحہ کے ساتھ تو مقتدی فاتحہ بلا تکلف پڑھ سکتا ہے) علاوہ ازیں کہ اگر ایسا ہو سکتا ہے تو حضرات محدثین کرامؒ نے اس کو کیوں چھوڑا ہے؟ امام ترمذیؒ کا قول بھی گزر چکا ہے۔ واختار اھل الحدیث ان لا یقرأ الرجل مع الامام۔ وہ تو سکتات میں پڑھنا بتاتے ہیں اور امام کے ساتھ فاتحہ پڑھنے سے منع کرتے ہیں۔ اسی طرح حضرت حافظ ابنِ حجرؒ کا قول بھی گزر چکا ہے کہ وہ امام کو حکم دیتے ہیں کہ فاتحہ کے بعد اتنا ٹھہرے کہ مقتدی فاتحہ پڑھ لیوے۔ ورنہ مقتدی پڑھنے میں ارتکاب منہی کرے گا۔ حوالہ گزر چکا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مصنف خیر الکلام قوم کو ارتکاب منہی کی تعلیم دے رہے ہیں اور جمہور محدثینِ کرامؒ کے خلاف جانب کی تلقین کر رہے ہیں۔ اعاذنا اللہ من ذٰلك۔

مصنف خیر الکلام کی دوسری بات کو بھی غور سے سوچیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ جن سے فاتحہ کل یا اس کا کچھ حصّہ چھوٹ گیا۔ وہ امام کو رکوع میں تو مل جاتے ہیں اور جس نے رکوع کو امام کے ساتھ پالیا۔ اس کی رکعت ہوگئی۔ اس لیے حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اگرچہ فاتحہ کل یا بعض چھوٹ گئی لیکن قانون ادراک رکوع سے نماز صحیح ہوگئی۔ مدرک رکوع ضابطہ لا صلٰوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کے عموم سے مستثنیٰ ہے۔ خیر الکلام صفحہ ۴۵۹ رکوع میں شامل ہونے سے رکعت مل جاتی ہے۔ ہو جاتی ہے۔ میں پوچھتا ہوں کہ یہ ضابطہ اگر آدھی فاتحہ چھوٹ جانے والے کے لیے قابلِ عمل ہے اور اس سے بلا فاتحہ پڑھے ہُوئے نماز ہو جاتی ہے تو کل فاتحہ کے لیے اس کو کیوں نہیں لیا جاتا مقتدی اگرچہ زبانی پڑھ سکتا ہے لیکن امام کے فاتحہ پڑھتے ہُوئے مقتدی کو جب منع کیا کیا گیا ہے تو وہ شرعاً معذور ہے تو اس کو بھی مدرک رکوع کے ضابطہ میں کیوں نہیں لیا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

جاتا۔ اگر بعد الفاتحہ سورت کے زمانہ میں مقتدی کو تم روکتے ہو۔ جیسے کہ حافظ ابن حجرؒ فینصت فیما بعد الفاتحۃ فرما رہے ہیں۔ اور آپ لوگ بھی کہتے ہیں کہ استماع کرنا اور پڑھنا ذرا مشکل ہے جیسے ابھی گزرا اور کہتے ہو کہ جب رکوع مل گیا تو بلا فاتحہ پڑھے نماز ہو جائے گی۔ تو اوّل سے ملنے والے کے لیے بھی آپ یہی کیوں نہیں کہتے۔ استماع اس کو بھی پڑھنے سے روکتا ہے اور رکوع میں یہ بھی شامل ہو جاتا ہے۔ جب یہ ضابطہ مدرک رکوع کے لیے نہیں تو مدرک صلوٰۃ کو کیوں ارتکاب منہی پر مجبور کرتے ہو۔

غور فرمائیں ھل قرأ معی احد منکم۔ قرأۃ مع الامام سے روکتا ہے اسی طرح فانتھی الناس عن القرأۃ مع الامام فیما جھر فیہ۔ بھی اسی کی شہادت دیتا ہے۔ خواہ یہ حضرت امام زہریؒ کا مقولہ ہو یا حضرت ابوہریرہؓ کا فرمان ہو۔ پھر اس کے بعد یہ کہنا کیسے صحیح ہو سکتا ہے؟ جو خیر الکلام ص۴۶ میں کہا۔ امام کے فاتحہ کے ساتھ تو مقتدی بلا تکلف پڑھ سکتا ہے تو جس طرح رکوع کے اندر ملنے والے یا قریب رکوع ملنے والے فاتحہ تحقیقاً نہیں پڑھ سکتے۔ مصنف خیر الکلام بھی لکھتے ہیں کہ رکوع میں پڑھنے کی ممانعت آئی ہے۔ حالانکہ یہ شرعی عذر ہے۔ آپ اس کے لیے رکوع میں ملنے والوں کے لیے یہ ضابطہ کام میں لائے اور نماز صحیح کر دی تو بعینہٖ اسی طرح مع الامام فاتحہ پڑھنا خاص کر جہری نمازوں میں بھی یہ دلیل مذکور سے ممنوع ہے اس کو بھی اسی ضابطہ میں کیوں نہیں لیا جاتا اور آپ نے امام کی فاتحہ کے ساتھ تو مقتدی بلا تکلف پڑھ سکتا ہے کیسے کہہ دیا؟ مصنف خیر الکلام کی دُکان کا یہ سامان بھی کھوٹا نکلا۔ جہری نمازوں میں امام کے پیچھے پڑھنا بلا تکلف حدیث کے مخالف اور جمہور محدثین کے خلاف ہے۔

مقامِ حیرت

مقتدیوں کا فاتحہ کے درمیان امام سے ملنا یا سورت پڑھنے کے زمانے میں ملنا ہر زمانہ میں ہوتا رہا ہے۔ حضرت ابوبکرہؓ تو رکوع کے وقت ہی امام سے ملے تھے۔ مصنف خیر الکلام نے ص۴۶ میں فرمایا۔ فاتحہ کے درمیان ملنے والوں کے لیے فاتحہ کا پڑھنا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ذرا مشکل ہے۔ اسی طرح سورۃ پڑھتے ہوئے ملنے والوں کا پڑھنا اور استماع دونوں کا جمع ہونا
اسی عذر کی وجہ سے بلا فاتحہ پڑھے رکعت کے مل جانے سے نماز کا ہو جانا مانا جاتا ہے
مستثنیٰ ہے۔ علامہ عبد الرحمٰن شافعی کا قول نقل کیا ہے۔ ومنہا لا تجب على
المأموم قراءة الفاتحة خلف الإمام إلا إذا كان مسبوقا بجميع الفاتحة
أو ببعضها فإن الإمام يتحمل عنه۔ یعنی جب تمام فاتحہ کا وقت نہ ملے
یا بعض حصہ رہ جائے تو اس کی نماز بلا فاتحہ ہو جاتی ہے۔ امام کی پڑھی ہوئی فاتحہ اس
کی ہو جاتی ہے کیونکہ مقتدی کا فاتحہ پڑھنا اس حال میں مشکل ہو جاتا ہے۔ یہ صورت مستثنیٰ
ہے۔ دوسری جانب نظر کریں تو حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ امام شافعی کا مسلک ہے کہ
امام فاتحہ تمام کرنے کے بعد اتنا ٹھہرے کہ مقتدی فاتحہ پڑھ لیں۔ اسی طرح امام بیہقی شافعی
مسلم فرماتے ہیں۔ دونوں کی ان کی عبارتیں نقل کی گئی ہیں۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ
فاتحہ کے درمیان آنے والوں اور ابتدا سے شامل ہونے والوں کی فاتحہ کا طریقہ الگ الگ
کیا گیا ہے۔ وہ آمین کے سکتہ میں فاتحہ خوانی کریں اور ابتدا میں شامل ہونے والے علیحدہ
کے ساتھ نہ پڑھیں۔ حالانکہ صرف غیر مقلد حضرات میں بلا خلف پڑھنا چلتا ہے یہاں
درمیان فاتحہ کے آنے والوں کا پڑھنا مشکل ہو رہا ہے۔ ان دونوں باتوں کو زیر نظر رکھ
کر میں پوچھتا ہوں کہ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے زمانے میں بھی تو یہ مشکل پیش آتی ہوگی
پھر آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے انہوں نے کیوں دریافت نہ کیا کہ حضرت ہم درمیان
میں آنے والے فاتحہ کس طرح پڑھیں؟ اس طرح بعد فاتحہ سورۃ کے ساتھ ہم شریک
جماعت ہونے والوں نے کیوں دریافت نہ کیا۔ آپ لوگ عوام کو بھی کچھ بتاتے ہیں اور کبھی
کچھ۔ ہر روز تین جہری نمازوں میں لوگ کون فاتحہ کے درمیان ملتے ہیں۔ کوئی سورۃ کے
پڑھتے وقت ملتے ہیں پھر حضرات صحابہ کرامؓ نے کیوں اس اشکال کا حل حضور علیہ الصلوٰۃ
والسلام سے اور حضرات تابعینؒ نے حضرات صحابہ کرامؓ سے دریافت نہ کیا؟ اس سے
تو معلوم ہوا کہ وہ امام کے پیچھے فاتحہ خوانی کرتے ہی نہ تھے۔ نیز معلوم ہوا کہ فاتحہ خوانی کے جھگڑے
بعد کی پیداوار ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

السادس من الادلة حدیث ابی بکرة رضی اللہ تعالیٰ عنہ

آج کل تقریباً ہر نمازی جانتا ہے کہ امام رکوع میں ہو اور مقتدی اس میں شامل ہو جائے تو وہ رکعت ہو جاتی ہے اسی لیے ایسے وقت آنے والا جلدی کرتا ہے کہ امام سے رکوع میں مل جائے۔ اسی طرح حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کے زمانے میں معلوم و مشہور تھا کہ مدرک رکوع مدرک رکعت ہو جاتا ہے۔ حضرت ابوبکرہؓ ایسے ہی وقت پہنچے اور رکوع کو پالیا۔ ایسے وقت ہر شخص تکبیر کہہ کر جھک جاتا ہے تاکہ رکوع میں مل جائے۔ انھوں نے غلطی یہ کی کہ صف سے کم و بیش قدم دو قدم پہلے ہی تکبیر کہہ کر جھکنے کے بعد صف میں پہنچے۔ تیزی سے آنے کی وجہ سے کچھ سانس بھی پھول چکا تھا حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو اس کا احساس ہو گیا۔ نماز کے بعد دریافت فرمایا کہ کون ہے، جس نے جلدی سے ملنے کی کوشش کی۔ حضرت ابوبکرہؓ (نفیع بن الحارث) نے فرمایا: انی خشیت ان تفوتنی الرکعۃ۔ یعنی مجھے خوف ہو گیا تھا کہ رکعت فوت ہو جائے گی۔ اسی لیے میں نے یہ جلد بازی کی۔ آپؐ نے فرمایا: زادك الله حرصا ولا تعد۔ خدا تیری نیکی کی حرص زیادہ کرے لیکن ایسی جلد بازی پھر نہ کرنا۔ حضرت امام بخاریؒ جزء القراءت میں یہ روایت لائے۔ صلّی رسول اللہ صلّی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم صلوٰۃ الصبح فسمع نفسا شدیدًا وبھرا من خلفہ (الیٰ) قال انی خشیت ان تفوتنی رکعۃ معك یہ بات حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے سنی اور انکار نہیں فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ بلا فاتحہ پڑھے مقتدی کی نماز ہو جاتی ہے ہاں اس کی ایسے وقت تیز رفتاری کی اصلاح فرما دی کہ آرام سے آیا کرو۔ رکعت کے پانے کے لیے ایسی عجلت نہ کیا کرو۔ آرام و سکون سے جماعت سے ملو۔

مصنف خیر الکلام نے اس سے بچاؤ کے مختلف حیلے اور بہانے بنائے ہیں کبھی کہتے ہیں کہ یہ صورت مستثنیٰ ہے۔ ص۴۵ مجبوری سے ایسا کیا گیا۔ رکوع کی حالت

Telegram : t.me/pasbanehaq1

میں امام کو پالے تو اس رکعت میں فاتحہ فرض نہیں ہوتی۔ کیونکہ رکوع میں قرآن پڑھنا منع ہے۔ اگر قیام میں فاتحہ پڑھ کر شامل ہو تو اس میں امام کی مخالفت ہوگی۔ یہ بھی منع ہے۔ اسی طرح خیر الکلام صہ ۴۵۹ میں لکھا۔ یہ صورت مستثنیٰ ہے کیونکہ امام کی فاتحہ کے ساتھ تو مقتدی بلا تکلّف پڑھ سکتا ہے۔ مگر دوسری سورت کے ساتھ پڑھنا اور استماع کرنا ذرا مشکل ہے۔

الجواب : پہلی بات یہ ہے کہ پہلے گزر چکا کہ جیسے یہاں دوسری سورتوں کے ساتھ پڑھنا اور استماع کرنا مشکل ہے اسی طرح فاتحہ کے ساتھ پڑھنا بھی ذرا مشکل نہیں بلکہ خاصا مشکل ہے۔ تمام حضرات محدثینؒ جہری نمازوں میں فاتحہ خوانی سکتات میں کہتے ہیں جس کی کچھ تفصیل گزر چکی ہے اور مزید تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ آنے والی ہے۔ بلا تکلف پڑھنے کی اجازت دینا صحیح حدیث اور جملہ حضرات محدثین کرامؒ کے خلاف ہے حتیٰ کہ قرآن کی نصِ قطعی کے بھی خلاف ہے کما مرّ اور دوسری بات یہ ہے کہ جیسے رکوع میں پڑھنا منع ہے۔ خیر الکلام صہ ۴۵۰۔ اسی طرح خلف الامام قراۃ کرنا بھی قرآن و حدیث دونوں میں ممنوع ہو چکا ہے۔ رکوع میں منع ہونے کی حکمت یہ کہی گئی ہے کہ یہ حالت تذلل کی ہے یہ عبدیت کی شان ہے اور یہ قرآنِ کریم کے احترام کے خلاف ہے۔ اسی طرح خلفیت بھی عجز و انکساری کی شان رکھتی ہے اور یہ قرآن کے اعزاز کے خلاف ہے۔ اسی کی طرف حدیث میں اشارہ فرمایا گیا لعلکم تقرؤن خلف امامکم۔ وجہ انکار خلف الامام میں خلفیت ہی کو بنایا گیا ہے لہٰذا اس کو بھی مستثنیٰ بنانا ہوگا۔ رکوع اور خلفیت دونوں حالتوں میں قرأت شانِ قرآن کے مناسب نہیں۔ حدیث میں ممانعت آ چکی ہے تفصیل گزر چکی ہے اور تیسری بات یہ ہے کہ آپ لوگوں نے ضابطہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کے عموم میں مذکورہ بیانات کے مطابق تخصیص کر دی ہے۔ (۱) رکوع میں امام کو پانے والا (۲) آدھی فاتحہ پڑھے جانے کے بعد ملنے والا (۳) پوری فاتحہ پڑھے جانے کے بعد آنے والا مقتدی۔ ان تینوں کی نماز بلا فاتحہ ہو جاتی ہے۔ تو ان تخصیصات کے بعد عام ظنی ہو جاتا ہے۔ پھر حنفیہ کے بالمقابل اس حدیث کے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مَن کے عموم کو قطعی ہونے کی رٹ کیوں لگائی جاتی ہے۔ خیر الکلام کے کئی صفحے اس پر بلاوجہ سیاہ کر دیئے گئے ہیں۔ رکوع میں پڑھنے کی ممانعت کی دلیل سے زیادہ قوی دلیل فاتحہ سنتے وقت مقتدی کو قرأت کرنے کی آچکی ہے۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا بیان گزر چکا ہے۔ اسی طرح صحیح اور صریح حدیث ممانعت کی ثابت ہو چکی ہے۔ انکار بے انصافی ہے۔

حدیث ابی بکرہؓ کی دوسری تاویل اور اس کی تردید

مصنف خیر الکلام نے ص۲۸۵ پر لکھا ہے۔ دوسرا قول یہ ہے کہ رکوع میں شامل ہونے سے رکعت نہیں ہوتی۔ ابن خزیمہ وغیرہ بعض حضرات شافعیہ کا یہی مذہب ہے۔ دلیل اس حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ ابوبکرہؓ نے رکوع والی رکعت کا اعادہ نہیں کیا۔ حضرت ابوبکرہؓ نے وہ رکعت پڑھی ہوگی۔

آہ! سبحان اللہ العظیم۔ یہ کیسے مزے کی باتیں ہیں حضرت ابوبکرہؓ اعادہ تو جب کرتے کہ امام ابن خزیمہ ان کا پیر ہوتا اور مرید پیر کی پیروی کرتا ہی ہے اور اس کی بات پر چلتا ہے یا امام ابن خزیمہ ان کا مذہبی امام ہوتا اور یہ اس کے مقلد ہوتے۔ امام ابن خزیمہ شافعی کی یہ بات تو اکثر شافعیہ بھی نہیں مانتے۔ وہ مدرک رکوع کو مدرک رکعت مانتے ہیں باقی ثابت کرنا ہوگا کہ حضرت ابوبکرہؓ کا مذہب وہی تھا جو امام ابن خزیمہ اور اس کے ہم نوا بعض شافعیہ کا ہے کہ وہ رکوع کے پالینے کو رکعت کا پالینا نہیں مانتے تھے۔ لہٰذا وہ رکعت انھوں نے اعادہ کی ہوگی جس میں وہ شامل ہوئے تھے۔ آپ لوگ اپنی اجتہادی بات کس دیدہ دلیری سے ان کے ذمہ لگا رہے ہیں کہ یہ رکعت انھوں نے اعادہ کی ہوگی اگرچہ حدیث میں مذکور نہیں۔ کیا یہ اقرب نہیں کہ راوی نے اس کا ذکر اس لیے نہیں کیا کہ انھوں نے پڑھی ہی نہیں بلکہ وہ مدرک رکوع کو مدرک رکعت جانتے تھے۔ نیز آپ کو یہ بات بھی ثابت کرنی ہوگی کہ حضرت ابوبکرہؓ مقتدی پر فاتحہ کا پڑھنا فرض کہتے تھے۔ کیونکہ بعض حضرات محدثین فاتحہ کا پڑھنا مقتدی کے لیے مستحب کہتے ہیں اور بعض مباح جانتے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہیں عنقریب تذکرہ انشاء اللہ تعالیٰ آنے والا ہے۔ ان دونوں صورتوں میں رکوع پانے والے کے لیے اعادہ رکعۃ کا ضروری نہیں رہتا۔ آپ مستحب اور مباح کے رہ جانے سے رکعت کا اعادہ کیسے ضروری کہہ سکتے ہیں؟ اس کا اعادہ کرنا تو ان حضرات کا مذہبی تعصب اجتہادی نظریہ اور اپنا ذہنی منصوبہ ہے۔ اس کو حضرت ابوبکرہؓ کے ذمہ کیسے تھوپ سکتے ہیں؟ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ اس رکعۃ کا اعادہ انھوں نے کیا ہوگا؟ اگرچہ مذکور نہیں۔ اس کے علاوہ یہ ہے کہ جزء القرأت کی حدیث میں ان کا مقولہ یہ مروی ہے۔ انی خشیت ان تفوتنی الرکعۃ۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ رکوع کے پانے کو وہ رکعت کا پالینا جانتے تھے۔ پھر اس کے اعادہ کرنے کا کیا معنیٰ؟ اگر آپ رکوع میں ملنے کو حکم دیں کہ اعادہ کرو تو شاید وہ یہ جواب دیں کہ آپ کے منہ کا ذائقہ خراب ہے اس کو درست کرو اور ہوش سے بات کرو۔ میں تو رکوع کو پالینے سے رکعت کا پالینا جانتا ہوں۔ بہت ممکن ہے کہ وہ آپ کو دو چار لگا بھی دے۔ اس جگہ مصنف خیر الکلام کا ص۴۵۱ پر حضرت ابوہریرہؓ کا یہ قول لکھنا بھی غلط ہے کہ وہ مدرک رکوع کو مدرک رکعت نہیں کہتے تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ فاتحہ کے نہ پڑھنے کی وجہ سے یہ نظریہ نہ رکھتے تھے بلکہ ان کا نظریہ یہ تھا کہ مقتدی کے لیے امام کو فی الجملہ قیام میں پانا ضروری ہے جیسے کہ امام بخاریؒ نے جزء القرأت ص۴۵ میں ذکر کیا ہے: لا تجزءك الا ان تدرك الامام قائماً لیکن یہ مسلک حضرت ابوبکرہؓ کا ہونا ثابت نہیں۔ بلکہ ان کے فرمان انی خشیت ان تفوتنی الرکعۃ سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ وہ رکوع مع الامام کے پانے کو رکعت کا پانا جانتے مانتے تھے۔ امام کو قیام میں پائے یا نہ۔ یہی عام حضرات محدثین کرامؒ کا قول نقل کیا جاتا ہے۔ بہر حال حضرت ابوبکرہؓ کا اعادہ کرنا اس رکعت کا جس میں امام کو رکوع میں پایا کسی دلیل سے ثابت نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ مصنف خیر الکلام ص۴۵۲ میں لکھتے ہیں کہ باقی رہا یہ سوال کہ اگر رکوع میں رکعت نہیں ملتی تو حضرت ابوبکرہؓ کو رکوع میں شامل ہونے کے لیے اتنی تکلیف کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ انھوں نے اس لیے تکلیف کی کہ حضور علیہ السلام کے ساتھ رکوع پاکر فضیلت میں شامل ہو جائیں۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

(انھوں نے ابوبکرہؓ کے ساتھ رضی اللہ عنہ ایک جگہ بھی نہیں لکھا) ۔ غور فرمائیں کہ ان کا یہ کہنا حضرت ابوبکرہؓ کے فرمان کے صریح خلاف ہے ان کا فرمان تو الی خشیت ان تفوتنی الرکعۃ ہے ۔ کہ میں نے یہ عجلت سے آنا اس لیے کیا ہے کہ مجھے رکعۃ کے نکل جانے کا خوف تھا ۔ اس لیے میں نے جلدی رکوع میں ملنے کی کوشش کی ۔ یہ صاحبِ واقعہ کا بیان ہے اور یہی صحیح ہے ۔ فضیلت کا پانا اور اس کے لیے جلدی کرنا جیسا کہ مصنف خیر الکلام کہہ رہے ہیں ایک جبلی بات اور توجیہ القول بما لا یرضیٰ بہ قائلہ کے قبیل سے ہے ۔

مزید افسوس اس بات کا ہے کہ حضرت ابوبکرہؓ کی اس رکعت کے فاسد بنانے پر ہی اکتفا نہ کی بلکہ مصنف خیر الکلام نے قدم اور آگے بڑھایا جو کسی محدث نے نہیں کیا کہ حضرت ابوبکرہؓ کی یہ نماز پڑھی ہوئی صحیح ہی نہیں ہوئی ۔ (لاحول ولا قوۃ الا باللہ) اس پر علمی زور لگایا اور یہ دعویٰ کیا کہ انھوں نے رکوع میں جا کر تکبیر پڑھی تھی ۔ قیام کیا ہی نہیں ۔ اس لیے وہ رکعت صحیح نہ ہوئی ۔ ان کے الفاظ پڑھ لیجئے ۔ خیر الکلام ص۲۵۳ پر یہ کہنا کہ ابوبکرہؓ نے قیام میں تکبیر کہہ کر رکوع کیا ہوگا ۔ ایک فرضی بات ہے ۔ ص۲۵۱ پر لکھا ہے کہ حدیث میں یہ ذکر نہیں کہ ابوبکرہؓ نے قیام بھی کیا تھا محض رکوع میں شامل ہونے سے حنفیہ کے ہاں بھی نماز صحیح نہیں ہوتی ۔ جب تک یہ ثابت نہ ہو جائے کہ ابوبکرہؓ نے قیام کیا تھا اس وقت تک حنفیہ بھی اس حدیث سے یہ استدلال نہیں کر سکتے ۔

آہ ! سبحان اللہ ، پہلی بات تو یہ ہے کہ کج فہمی کے بیان پر جتنا بھی رونا رویا جائے بجا ہوگا ۔ ذرا سی عقل والا بھی اس بیان پر ماتم کرے گا ۔ اَلَیۡسَ مِنۡکُمۡ رَجُلٌ رَّشِیۡدٌ ہم پوچھتے ہیں کہ آپ کو کیا الہام یا کشف ہوا کہ حضرت ابوبکرہؓ نے تکبیر تحریمہ قیام میں نہیں کی تھی ۔ رکوع میں جا کر تکبیر کہی ۔ اگر حدیث میں ہے تو بتائیں ۔ حدیث میں تو رکع دون الصف ہے ۔ راوی نے یہ قصور تو بیان کر دیا اور یہ کیوں نہ کہا فکبر بعد ما رکع ۔ اگر یہ ہوا تھا تو اس کا بیان زیادہ اہم تھا کیونکہ اس میں ایک فریضہ کا ترک ہے اور رکعت کو فاسد کرنے والی چیز ہے رکع دون الصف تو اس سے معمولی بات

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہے یہ مفسد رکعت نہیں بنتا اس کو بیان کر دیا اور زیادہ قصور والی چیز کو چھوڑ دیا۔ یہ کیسے معقول ہے؟ اور دوسری بات یہ ہے کہ شاید ہی کسی جاہل پاکستانی کو آپ نے ایسا کرتے دیکھا ہو کہ اس نے رکوع میں پہنچ کر تکبیر تحریمہ کہی ہو۔ تکبیر کھڑے کھڑے کہہ کر ہی جھکا کرتے ہیں۔ تو ایک جلیل القدر صحابیؓ سے آپ کیسے یہ توقع کر سکتے ہیں کہ وہ نماز کے فرائض سے بھی بے خبر تھے؟ ہاں رکوع دون الصف جلد بازی میں کر لی کہ صف کو پہنچنے تک شاید امام سر رکوع سے نہ اٹھا لے۔ آپ ان کی نماز کو فاسد بنانا چاہتے ہیں خدا تعالیٰ کا خوف کیجئے۔ اور تیسری بات یہ ہے کہ اصل صحت ہی ہے۔ ظاہر یہی ہے کہ مسلمان بالخصوص حضرات صحابہ کرامؓ نماز علی الوجہ الصحیح ہی ادا کیا کرتے تھے تکبیر تحریمہ کھڑے ہو کر کہنا یہی اصل معمول ہے۔ حضرت ابو بکرہؓ سے بھی یہی توقع ہے۔ ہمیں اس کے لیے حدیث پیش کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ حدیث تو آپ کو پیش کرنی ہوگی۔ کہ آپ مدعی فساد صلوٰۃ ہیں۔ خلافِ ظاہر پر چل رہے ہیں مشہور ہے: النکتۃ للفار دون القار۔ یعنی عذر داری خلافِ ظاہر چال چلنے کے لیے بیان کی جاتی ہے۔ موافق ظاہر عمومی چال کے لیے صرف تبادر کافی ہوتا ہے۔ عدالت میں بیمار کی بیماری کا سرٹیفکیٹ ڈاکٹری پیش کیا جاتا ہے کبھی صحت کا سرٹیفکیٹ بھی مانگا گیا ہے کہ سند پیش کرو کہ فلاں تندرست ہے۔ آپ کی مذکورہ دونوں باتیں بالکل خلافِ اصول ہیں۔ قیام میں تکبیر کہہ کر رکوع کرنے کو فرضی بات کہنا بھی غلط ہے اور اس کے لیے حدیث کی طلب کرنا بھی خلافِ اصل ہے۔ اس لیے ہم نے کہا تھا کہ آپ کے اس بے مغز قول پر آپ کے مرید یا مقلد ہاں میں ہاں ملائیں تو ممکن ہے۔ عقل مند طبقہ تو اس چال سے بیزاری ہی کرے گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

اور چوتھی بات یہ ہے کہ حضرات محدثین شافعیہؒ جو فاتحہ خلف الامام کے قائل ہیں ان کی اکثریت اس طرف ہے کہ رکوع کے پا لینے سے مع الامام رکعت مل جاتی ہے۔ اس نے فاتحہ نہیں پڑھی کیونکہ اس کی روایت بھی مروی ہے اور تقابل بھی شہادت دیتا ہے۔ اسی طرح حضرت ابو بکرہؓ کے فرمان سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ خشیت ان

Telegram : t.me/pasbanehaq1

تفوتنی الرکعۃ۔ جلدی مَیں نے اس لیے کی کہ رکعت مل جائے اور فوت نہ ہوجائے لیکن اس کو ضابطہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ سے وہ حضرت مُستثنیٰ قرار دیتے ہیں جیسے مصنف خیر الکلام نے بھی ابتدار میں نقل کیا ہے۔ شاید بعد میں خیال آیا کہ مُستثنیٰ تو حنفی بھی کہہ دیں گے کہ مقتدی بھی اس ضابطہ سے مُستثنیٰ ہے کیونکہ قرآن اور حدیث کے دلائل قرأت خلف الامام کے ممانعت پر قوی ثابت ہیں۔ اس لیے ان کو استثنأ والی بات پسند نہ آئی اور ان کو احناف کے ساتھ مخالفت ہی میں مزہ آتا ہے۔ اس لیے دوسرا قول لے لیا کہ فلاں کہتا ہے کہ رکوع کے پانے سے رکعت نہیں ملتی اور ان کی باتوں کو اپنا یا کہ ضرور یہ رکعت قضار کی ہوگی۔ نماز کے بعد پڑھی ہوگی اور اس کو مزید پختہ کردیا کہ انھوں نے قیام بھی نہیں کیا تھا۔ ویسے رکوع کو جھک گئے تھے۔ ضرور ہے کہ وہ رکعت نہیں ہوئی۔ اس میں جلیل القدر صحابیؓ کے عمل کا بگاڑ۔ بلکہ عام جمہوری راستے کے خلاف ہوتا ہے تو پرواہ نہیں۔ غیر مقلدی اسی کو کہتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ حافظ ابن حجرؒ کیا فرما رہے ہیں۔ انھوں نے فتح الباری ص $\frac{۲۵۹}{ج۲}$ میں اسی بات کی تائید کی کہ مدرک رکوع، مدرک رکعت ہوجاتا ہے۔ اسی کو قولِ جمہور فرمارہے ہیں۔ قال حجۃ الجمھور حدیث ابی بکرۃؓ حین رکع دون الصف فقال لہ النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم زادک اللہ حرصًا ولا تعد ولم یأمرہ بالاعادۃ۔ اس سے جیسے حضرت امام احمدؒ کے قول کی تردید ہوتی ہے۔ (کہ وہ خلف الصّف وحدہ نماز کو فاسد کہتے ہیں) کیونکہ حضرت ابوبکرہؓ نے خلف الصّف نماز کی ابتدار کی اور حضور علیہ السّلام نے اس کو اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ ولم یأمرہ بالاعادۃ۔ بلکہ وہی نماز جس میں رکوع میں ملے تھے صحیح قرار دے دی۔ اسی طرح اس سے ان لوگوں کا قول بھی ردّ ہو گیا۔ جو کہتے ہیں کہ انھوں نے قیام ہی نہیں کیا تھا۔ رکوع میں تکبیر کہی تھی۔ ایسی نماز صحیح نہیں ہوتی جیسے مصنف خیر الکلام نے کہا ہے۔ وجہ تردید یہی لم یأمرہ بالاعادۃ ہے۔ ان کی یہ نماز صحیح ہوئی جبھی اعادہ کا حکم نہیں دیا۔ خاص کر جب یہ دیکھا جائے کہ حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام نمازمیں اپنے پیچھے کے لوگوں کے رکوع وسجود سے خبردار ہوتے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

تھے اور یہ خاص کیفیت آپ کو نماز میں حاصل تھی۔ بخاری ص۱۰۲ج۱ میں ہے: مایخفیٰ علیّ رکوعکم ولاخشوعکم وانی لاراکم وراء ظہری کہ میں تمہیں پس پشت دیکھتا ہوں تمہارا رکوع وخشوع مجھ سے مخفی نہیں ہوتا۔ اسی طرح ص۱۰۲ج۱ میں بھی ہے۔ اس سے واضح طور پر معلوم ہوگیا کہ رکوع کا پانے والا ہے۔ ورنہ اس کی نماز کیسے صحیح ہوگئی؟ ولم یأمرہ بالاعادۃ کے بعد یہ کہنا کہ انھوں نے اعادہ کیا ہوگا۔ محض غلط تخیّل اور جعلی اور من مانی بات ہے۔ اس کے بعد ایک اور سوال بھی ہوگا۔

اور پانچویں۵ بات یہ ہے کہ حضرت ابوبکرہؓ نے بقول مصنف خیر الکلام ایک ایسا بھاری جرم کیا کہ اس سے ان کی نماز میں خلل آگیا۔ قیام فرض کے تارک بنے، اور موافق حدیث بخاری ص۱۰۲ج۱ آپ نے اسے دیکھا بھی کیونکہ انی لاراکم آیا ہوا ہے پھر حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس پر اسے متنبہ کیوں نہیں کیا؟ جواب کی فکر کیجیے کیا یہ تقریر علی الباطل نہیں بنتی؟ معلوم ہوا کہ یہ کہنا محض غلط بیانی ہے۔ خیر الکلام کی دکان کا یہ سودا بھی کھوٹا ہی نکلا۔ اگر رکوع کے پانے سے رکعت نہیں ملتی تو آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کی تردید کیوں نہیں کی اور اگر آپ کے قول کے مطابق حضرت ابوبکرہؓ نے بلا قیام کیے جھک کر تکبیر کہی اور آپ نے اسے دیکھا بھی تو اس کی اصلاح کیوں نہیں کی؟ اس سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے ان کی طرف ایسی بات منسوب کی ہے جس سے وہ بری ہیں اور آپ کا یہ کہنا ظنوا المومنین خیرًا کے بھی خلاف ہے۔ خدا معاف کرے۔

السّابع من الادلۃ حدیث السترۃ وباللہ التوفیق

ابوداؤد شریف ص۶۹ میں ہے: اذا صلّی احدکم فلیجعل تلقاء وجھہ شیئًا۔ جب کوئی نماز ادا کرے تو اپنے چہرے کے سامنے کسی چیز کو رکھ دے۔ اسی کو سترہ کہتے ہیں۔ خواہ وہ درخت ہو یا ستون۔ لکڑی ہو یا لاٹھی وغیرہ ہو اور دوسری روایت میں ہے: اذا صلّی احدکم فلیصلّ الی سترۃ ولیدن منھا۔ یعنی سترہ کے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

قریب کھڑا ہو۔ اس کا ایک فائدہ تو یہ ہے آگے سے گزرنے والے کے لیے گناہ سے بچاؤ ہو جائے۔ نمازی کو اللہ تعالیٰ سے مناجات کرنے والا کہا گیا ہے۔ آگے سے کسی کے گزرنے سے اس میں خلل آتا ہے اور دوسرا فائدہ یہ کہ نمازی کی حد بندی بھی ہو جاتی ہے کہ نمازی کو چاہیئے کہ دور دراز نگاہ نہ کرے۔ نگاہ محدود مقام کے اندر رکھے نووی شرح مسلم ص۱۹۵ میں ہے: ینبغی ان یدنو من السترۃ لا یزید ما بینھما علی ثلثۃ اذرع۔ نمازی اور سترہ کے درمیان تین ہاتھ سے زائد فاصلہ نہ ہونا چاہیئے مزید فرمایا: والمستحب ان یجعل السترۃ عن یمینہ او لیسارہ ولا یصمد لھا۔ یعنی سترہ کو بالکل پیشانی کے سامنے نہیں رکھنا چاہیئے۔ بلکہ کسی قدر دائیں جانب یا بائیں جانب رکھے کہ اس کو سجدہ کرنے کا شبہ نہ پڑے۔ احدکم کا لفظ عموم کے لیے آتا ہے جیسے اَیُحِبُّ اَحَدُکُمْ اَنْ یَّاکُلَ لَحْمَ اَخِیْہِ مَیْتاً۔ اس طرح معنی یہ بن گئے۔ من یصلّ فلیجعل تلقاء وجھہ شیئاً۔ من یصلّ فلیدن من السترۃ اس میں بظاہر امام مقتدی اور منفرد سبھی داخل ہیں۔ جو بھی نماز پڑھے اس کو اپنے سامنے سترہ رکھنا چاہیئے۔ لیکن تعامل بتاتا ہے کہ یہ صرف منفرد اور امام کا مسئلہ ہے۔ امام کے پیچھے نماز پڑھنے والوں کے لیے سترہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے نہ ان کے لیے واجب ہے اور نہ مستحب۔ دیکھئے امام بخاریؒ ص۷۱ج۱ میں یہ حدیث لائے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا میں نے دیکھا کہ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم منیٰ میں نماز پڑھا رہے تھے۔ آپ کے سامنے کوئی چیز (یعنی سترہ) نہ تھی اور میں آگے سے گزرا۔ مجھ پر کسی نے اعتراض نہیں کیا۔ جس کی وجہ یہی بتاتے ہیں کہ ان کا گزرنا سترہ کے حدود سے باہر تھا لیکن قوم کے سامنے کچھ سترہ نہ تھا۔ امام کا سترہ قوم کا سترہ سمجھا گیا۔ اسی کو دیکھتے ہوئے امام بخاریؒ نے باب سترۃ الامام سترۃ من خلفہ ذکر کر دیا۔ کتاب کا ص۷۱ مطالعہ کر لیجئے: سترۃ الامام سترۃ لمن خلفہ کی حدیث بھی مروی ہے۔ لیکن امام بخاریؒ نے اس حدیث سے استنباط کو زیادہ قوی سمجھا۔ گویا امام کا سترہ بھی حکمی طور پر سمجھا گیا۔ یعنی جماعت کی نماز وحدانی نماز بن گئی جیسے کسی نے کہا ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہمہ عالم چہ ارواح و چہ اجسام
بود شخص معین عالمش نام

اسی کو دیکھتے ہوئے حضرات حنفیہ کثرھم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امام کی قرأت بھی مقتدی کی قرأت ہے یعنی جیسے سترہ امام کا تحقیقاً مقتدی کا حکماً سترہ بن گیا ہے۔ اسی طرح امام کی قرأت حکماً قوم کی قرأت بن گئی۔ نماز اگرچہ متعدد اجزاء کا نام ہے لیکن بقیہ اجزاء توابع کے درجہ میں ہیں۔ قرأت قلب کا درجہ رکھتی ہے بقیہ اجزاء قالب کا درجہ رکھتے ہیں۔ کیونکہ قرآن اللہ تعالیٰ کا کلام اور صفت خداوندی ہے جو سب سے عالیشان ہے اسی لیے اس میں وحدانیت کی شان رکھی گئی اور بقیہ اجزاء میں اشتراک بہتر ہے کیونکہ صفتِ خداوندی میں وحدت ہی مناسب ہے۔ ہاں انفراداً نماز پڑھیں تو سب پڑھیں۔ جیسے انفراداً نماز میں ہر شخص سترہ الگ رکھے گا لیکن اجتماعی صورت میں وحدانی لحاظ رکھا جائے گا۔ جیسے سترہ کا تعدد مناسب نہیں رکھا گیا اسی طرح قراۃ قرآن میں تعدد کی بجائے وحدت کی شان ملحوظ رکھی گئی ہے اور اس کی ادائیگی شکر گزاری اور احسانِ خداوندی ہے کہ اس نے اپنا کلام پڑھنے اور سننے کا موقع دیا ہے۔ یہ لازماً ہر شخص کو الگ کرنا ضروری ہے اور یہ موقع شناسی عقل مندی ہے برعکس اس کے یہ بیوقوفی ہے کہ یہ کہا جائے کہ "جب امام نے قرأت کی تم نے نہ کی اور صرف سنتے رہے تو رکوع وسجود بھی امام کرے تم دیکھتے رہو" یہ خالص جہالت ہے۔ کیونکہ شریعت میں جماعت کی صورت میں مقتدی کو قرأت سے ممانعت کی گئی ہے اور اس پر قرآن اور حدیث کی شہادت صادقہ آچکی ہے۔ تم رکوع وسجود کی رکاوٹ بحالتِ جماعت بتاؤ کہ یہ نہ کرو۔ صرف دیکھتے رہو۔ الحاصل حدیث سترۃ الامام سترۃ لمن خلفہ اور بیان حضرت ابن عباسؓ کو دیکھتے ہوئے حدیث اذا صلی احدکم فلیجعل تلقاء وجھہ شیئاً جس میں احدکم کے لفظ میں تعمیم ہے اور ابوداؤد ص۱۰۲ج۱ کی روایت میں ہے اذا صلّی احدکم الی سترۃ فلیدن منھا میں تطبیق کی پہلی صورت یہ ہے کہ اس ضابطۂ شرعیہ سے کہ سترہ سامنے ہو۔ اوّل صورت یعنی جماعت والی نماز مستثنیٰ ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

جماعت کی صورت میں امام سے دائیں اور بائیں کا لمبا سلسلہ کئی کئی
سو گز بلکہ اس سے بھی زائد فاصلہ پر ہوتے ہیں۔ مگر شارع علیہ السلام نے ان کو اپنے
سامنے سترہ رکھنے کا امر نہیں کیا اور امام کا ستوان سے دُور ہوتا ہے اس کی طرف ان
کا منہ ہو نہیں سکتا۔ تو ان کو اس ضابطہ فلیجعل تلقاء وجہہ شیئا سے مستثنیٰ قرار
دے دیا ہے اور حدیث حضرت ابن عباسؓ اس کی شہادت دیتی ہے۔ جیسے لا صلوٰۃ
لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب سے مدرک رکوع کو مستثنیٰ کیا جاتا ہے بلکہ بعض
حضرات شافعیہ نے جس شخص سے بعض فاتحہ چھوٹ جائے یا سورت کے پڑھنے کے
زمانے میں آنے والے کی کل فاتحہ چھوٹ جائے۔ ان دونوں صورتوں کو مذکورہ ضابطہ
لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ... الخ سے مستثنیٰ قرار دیا ہے۔ مصنف خیر الکلام کی کتاب سے
حوالہ گزر چکا ہے اور ہم نے عرض کیا ہے کہ جیسے یہ صورتیں مستثنیٰ ہیں اسی طرح فاتحہ کو
ابتداء سے پانے والا بھی مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ وہ بھی امام کی قرأت کو سنتے ہوئے تمام
نہیں کرسکتا۔ استماع کامل توجہ سے سننے کو کہتے ہیں اور وہ اپنی قرأت کے ساتھ نہیں ہو
سکتا۔ یہ سب باتیں گزر چکی ہیں اور دوسری صورت توجیہ اور تطبیق کی یہ کی جاسکتی ہے کہ
کہا جائے کہ اذا صلی احدکم فلیجعل تلقاء وجہہ شیئا کا ضابطہ صرف منفرد
یا امام کا مسئلہ ہے اور ان کو یہ حکم ہے اور جماعت کا حکم دوسری حدیث سترۃ الامام
سترۃ لمن خلفہ میں بیان فرما دیا گیا ہے۔ دونوں ضابطے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ اس
صورت میں کوئی ان میں تضاد نہیں پیدا ہوتا۔ جماعت کے لیے یہ ضابطہ عمل ہے
اور منفرد و امام کے لیے وہ ضابطہ بیان کیا گیا ہے۔ اسی طرح فاتحہ خلف الامام کے مسئلہ
میں بعض حضرات نے توجیہ کی ہے۔ بیان اس کا یہ ہے کہ لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ
الکتاب یا دوسرا لفظ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کو اگر عموم پر
رکھا جائے اور مقتدی کو بھی اس عموم میں لے لیا جائے تو دوسری صحیح اور صریح حدیث
انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا واذا قرأ فانصتوا مقتدی
کو فاتحہ کے پڑھنے سے منع کرتی ہے اور ان دونوں میں اختلاف پیدا ہو گا۔ اس

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اختلاف کو رفع کرنے کے لیے حضرت امام احمدؒ نے حضرت جابرؓ کا فرمان نقل کیا کہ یہ حدیث لاصلوٰۃ الّا بفاتحۃ الکتاب صرف منفرد نماز پڑھنے والے کے لیے ہے۔ یہ مقتدی کے بارے میں نہیں ہے: ان ھٰذا اذا کان وحدہ۔ ترمذی ص۷۲ امام بھی منفرد کے انداز میں ہوتا ہے۔ اسی طرح ابو داؤد ص۱۱۹ ج۱ میں حضرت امام سفیانؒ بن عیینہؒ کا قول نقل کیا گیا ہے جو اس حدیث کے راوی ہیں۔ اس وقت واذا قرأ فانصتوا کی روایت سے جس میں جماعت کا مسئلہ ہے۔ کوئی اختلاف نہیں رہتا۔ جماعت کا یہ مسئلہ ہوا اور انفرادی حالت کا وہ سابقہ جناب پیغمبرِ خدا صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے کبھی انفرادی نماز کا مسئلہ بیان کیا اور کبھی جماعت کی صورت کا۔ الغرض سترہ کی حدیث اور فاتحہ خلف الامام والی دونوں میں دو طرح کے الفاظ مروی ہیں بعض دونوں کو عام رکھ کر جماعت کی صورت کو مستثنیٰ کہتے ہیں اور بعض دونوں کا محل الگ الگ بنا دیتے ہیں جیسے میں نے ابھی عرض کر دیا۔ انصاف ناظرین وقارئین کا اپنا کردار ہے۔ اس کے بعد دوسری جانب بھی نظر کیجئے۔ مصنف خیر الکلام نے دلیل ثالث ص۶۳ اور دلیل رابع ص۶۸ کے درمیان ص۶۵ پر اس سترہ والی حدیث کا تذکرہ کر دیا۔ خدا جانے انھوں نے کیا مناسبت سمجھی ان کے گھر والے ہی اس کو جانتے ہوں گے۔ الفاظ کی گردان تو ان کی کتاب میں بہت ملے گی لیکن ثمرہ شاید ہی کسی کو ملے۔ ص۶۵ پر لکھا (ایسا سترہ جو امام کے آگے ہے وہ سب کے آگے ہے۔) جناب امام کا سترہ امام کے لیے تو تحقیقاً ہے لیکن مقتدیوں کے لیے محض حکماً اور لجعل الشرع سترہ ہوتا ہے۔ کہ قوم یعنی مقتدیوں کو اسی پر اکتفاً کرنی چاہیئے۔ ورنہ اس میں تنقاء وجھہ کی شان کہاں ہے؟ وَلَیدُنُ مِنھا کہاں پایا گیا ہے جیسا کہ بالکل عیاں ہے۔ وہ سب کے آگے تو صرف حکماً ہے۔ حنفیہ آپ کی یہی بات فاتحہ میں بھی جاری کریں گے۔ (فاتحہ جو امام نے پڑھی ہے وہ سب کی طرف سے پڑھی ہے۔ یہی ہماری مراد ہے۔ دیکھئے کہ جب سترہ مقتدیوں کا حکمی طور سے ہی سترہ ہے اور اصل سترہ امام کا ہے تو اسی طرح فاتحہ امام کی پڑھی ہوئی حکمی طور سے مقتدیوں کی بھی ہے پھر ان کی نماز بلا فاتحہ کیسے ہوئی؟ مصنف خیر الکلام نے سترہ کو کعبہ سے تشبیہ دے کر

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کہا ہے ص۶۵ جس طرح کعبہ ایک ہے نمازی متعدد اسی طرح جماعت کی صورت میں میں ایک سترہ جو امام کے آگے ہے وہ سب کے آگے ہے۔ ان الفاظ کی گردان سے ان کے گھر والوں کو شاید کچھ تسلی ہوئی ہو لیکن ہمیں تو کوئی مناسبت ہی نظر نہیں آتی۔ کعبہ میں تو امام اور اس کے مقتدی دونوں نمازیں خاص جہت کعبہ کی طرف منہ کرنے کی نیت کرتے ہیں اور فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهٗ پر عمل کیا جاتا ہے۔ جہت کعبہ دونوں کا حقیقی طور سے قبلہ ہوتا ہے اور نمازیں حقیقی طور سے سترہ صرف امام کے سامنے ہوتا ہے نہ سترہ کی طرف لوگوں کا منہ ہوتا ہے اور نہ ہی وہ اس کی نیت کرتے ہیں۔ ہاں شرعی حکم کے مطابق سب لوگ یہ جانتے ہیں کہ امام کے سامنے ہونا ہمارے لیے بھی کافی ہے ہمیں مستقل سترہ رکھنے کی ضرورت نہیں۔ لیکن نمازیں جہت کعبہ کی طرف ہر ایک کا رُخ ہوتا ہے۔ یہ نہیں کہا جاتا کہ امام کے سامنے جو کعبہ ہے وہ ہمیں بھی کافی ہے اور مکہ مکرمہ میں جہاں کعبہ دکھائی دیتا ہے جیسے مسجدِ حرام میں نماز پڑھتے وقت تو وہاں ہر نمازی کا عین کعبہ شریفہ کی طرف حقیقۃً منہ ہونا ضروری ہے۔ وہاں یہ نہیں کہ امام کا ہے تو سب کا ہے لیکن سترہ میں یہ بات نہیں، دکھائی بھی دے جب بھی اس کی طرف رُخ نہیں کیا جاتا۔ آپ کی بیان کردہ تشبیہہ دونوں طریقہ سے صحیح نہ ہوئی۔ پھر اس بات کا کیا فائدہ؟ یہ محض طفل تسلی ہوئی۔ عاقل کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے مگر ضد کا کوئی علاج نہیں۔

چنانچہ اسی ضد اور ناسمجھی کی بناء پر صاحب توضیح الکلام نے بھی ص۱۰۸ پر اپنے آپ کو اور جاہل معتقدین کو ایک ورق سیاہ کر کے تسلی دینے کی سعیٔ لاحاصل کی ہے چونکہ ان صاحب کی کوئی خاص علمی حیثیت نہیں۔ نیز یہ ہمیشہ ایسی ابحاث میں اپنے حضرت الاستاذ مصنف خیر الکلام کا سہارا لینے کی کوشش کرتے ہیں اور قارئین کو اپنے دامِ مکاری میں پھنسانے کے لیے حضرت الاستاذ کے کلام میں لفظی ہیر پھیر کر کے نیز انہی کی عبارت میں تقدیم و تاخیر کر کے اپنا اُلّو سیدھا کرنے کی کوشش میں رہتے ہیں اور اس دجل و فریب کے باوجود بھی چونکہ ان کی کم علمی کا ظرفِ خام عین چوراہے میں پھوٹ جاتا ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اس لیے ان بے چاروں کے ساتھ ہمیں تعرض کرنے کی کوئی خاص ضرورت بھی نہیں اور ان کا پارۂ غضب چڑھانے کا کوئی خاص فائدہ بھی نہیں ہے۔ جب انکے استاذ کی تأویلات خودِ ساختہ کارگر نہ ہوئیں تو یہ کس شمار میں ہیں؟ خدا تعالیٰ ان کو مغلوب الغضب ہو کر سوچنے کی بجائے ٹھنڈے دل سے سوچنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

اس مقام پر پہنچ کر مصنف خیر الکلام فاضل جماعت کی دیانتداری اور علمی ذمہداری کا اندازہ بھی کر لیجئے کہ قوم کو کیسے اندھیرے میں ڈال گئے ہیں؟ خیر الکلام ص۴۹۱ پر لکھا بالفرض اگر حدیث من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قرأۃ صحیح بھی ہو۔ تب بھی اس کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ امام کی قرأت کا ثواب مقتدی کو ملتا ہے۔ (مختصراً) اور پھر اس پر حضرت مولانا عبد الحیؒ کی عبارت کو شہادت کے طور پر پیش کرتے ہیں کہ مولانا عبد الحیؒ لکھنوی نقل فرماتے ہیں۔ ومعنی کون قرأۃ الامام قرأۃ حکمیۃ للمقتدی ان الشارع جعلہ فی حکم القاری بقرأۃ امامہ واعطاہ ثوابہ۔ بحوالۂ عمدۃ القاری ص۴۹۱ یہ مشہور ہے کہ دروغ گو را حافظہ نباشد۔ مصنف خیر الکلام نے ص۶۲ میں جامع البیان کی عبارت لکھی اور اس کا یہ ترجمہ کیا۔ کسی کو دوسرے کے فعل کا ثواب نہیں ملتا... الخ اور یہاں حدیث مذکور کے معنی کی تحریف کر کے لکھتے ہیں۔ اس کا مفہوم اس قدر ہے کہ امام کی قرأت کا ثواب مقتدی کو ملتا ہے۔ دونوں باتوں میں ایک ہی سچی ہو سکتی ہے۔ یہ ان کی اس عبارت کے سلسلہ میں پہلی غلطی ہے اور دوسری غلطی یہ کی ہے کہ حضرت مولانا عبد الحیؒ کا کلام اپنی بات کی تائید کے لیے پیش کیا کہ اس کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ امام کی قرأت کا ثواب مقتدی کو ملتا ہے حالانکہ مولانا مرحوم کی عبارت میں دو باتیں ہیں۔ ۱: ان الشارع جعلہ (المقتدی) فی حکم القاری۔ ۲: واعطاہ ثوابہ۔ مگر مصنف خیر الکلام نے اپنی دائیں آنکھ کو بند کر دیا ہے۔ کیوں جناب! ان کی عبارت میں ان الشارع جعلہ فی حکم القاری بقرأۃ امامہ کا لفظ بھی ہے یا نہیں؟ اور کیا اس جملہ میں امام کے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

پڑھنے کو حکماً مقتدی کا پڑھنا نہیں کہا گیا؟ پھر آپ نے صرف ثواب کا ملنا کیوں کہا؟ واعطاہ ثوابہ تو معطوف ہے۔ یہی کچھ حنفیہ کرامؒ بھی فرماتے ہیں جو ان کے مولانا عبدالحیؒ نے فرمایا ہے اور آپ نے اس کو چھپالیا بلکہ کھالیا ہے کہ مقتدی کا وظیفہ بجائے قرأت کے استماع اور انصات خلف الامام شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بنایا اور بتایا ہے اور مقتدی حکماً قاری ہے اور اس میں خاص وغیر معمولی شرعی مصلحت اور حکمت مرعی ہے لہٰذا مقتدی کی نماز فاتحہ سے خالی نہ ہوئی۔ جیسے کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ معرکۂ بدر میں حاضر نہ ہونے کے باوجود بدری شمار کیے جاتے ہیں کیونکہ ان کو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بعذر خاص گھر پر رہنے کا حکم دیا تھا اور وہ بحکم شرع حاضریٔ جنگ سے ممنوع ہوئے اور اس کے باوجود بدری بھی بنے۔ اور غنیمت کا حصہ بھی پایا۔ اسی طرح مقتدی بعذر شرعی قرأت خلف الامام سے منع کیے گئے ان کو امام کی قرأت کے وقت فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا کا حکم دیا گیا۔ لہٰذا یہ بھی قاری ہی کہے جائیں گے اور ان کو باقاعدہ ثواب بھی ملے گا۔ حکماً قاری ہونے اور ثواب ملنے میں کوئی منافات نہیں ہے۔ آپ لوگوں کا یہ کہنا غلط ہے کہ قاری صرف امام ہے۔ کیا حضرت عثمانؓ بدری نہیں ہیں؟ اور کیا وہ بدر کے میدان میں حاضر تھے؟ یہ حکمی طور کی حاضری ہے تو وہ جس طرح بحکم الشرع وہ بدری ہیں اسی طرح مقتدی کو شارع نے فی حکم القاری فرمایا ہے۔

اس کے بعد خیر الکلام صـ ۶۲ کے الفاظ کو پڑھیں۔ فرائض میں جہاں نیابت کا ذکر ہے وہاں عذر شرط ہے مقتدی معذور نہیں وہ قرأت کر سکتا ہے پس امام کے پڑھنے سے وہ کیسے بری الذمہ ہو سکتا ہے۔ سبحان اللہ تعالیٰ یہ تو "زمین جنبد نہ جنبد گل محمد" والا قصہ ہے۔ قرأت کر سکنے سے کیا مراد ہے؟ اگر بدنی صحت اور زبان کی طاقت سے قرأت کرنا مراد ہے تو رکوع کی حالت میں ملنے والے کے لیے آپ نے کیسے یہ کہہ دیا ہے کہ اس سے قرأت فاتحہ کی ساقط ہو جاتی ہے۔ آپ نے صـ ۴۵ پر یہ لکھا ہے "رکوع میں قرآن پڑھنا منع ہے" یہ منع تو شرعی عذر ہے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ایسا عذر تو مقتدی کے لیے بھی واذا قرأ فانصتوا کی حدیث میں آچکا ہے۔

الحاصل شرعی عذر دونوں میں ہے اور زبانی سحت اور طاقت سے پڑھنا دونوں میں ہوسکتا ہے، پھر مدرک رکوع کو مستثنیٰ کرنا اور بدون فاتحہ پڑھے ہوئے اس کی رکعت کا ہو جانا اور ابتداءً فاتحہ میں ملنے والے کے لیے نفسِ قدرت کا ہونا اور اس کا معذور نہ ہونا۔ کہ اس کی نماز نہ ہوگی اور مدرک رکوع کے بارے کہنا کہ اس کی رکعت ہوجائے گی دونوں میں وجہ فرق کیا ہے؟ مگر وجہ فرق معقول ہو صرف ہوائی فائر نہ ہو۔

اعذار فاسدہ کا بیان اور تحریف حدیث نبوی صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم

کبھی ضد اور عناد انسان کو غیر شعوری طور پر ایسی بے اعتدالی پر آمادہ کر دیتے ہیں کہ عقلمند حیرت میں رہ جاتا ہے۔ ابھی آپ کے سامنے مثال آرہی ہے۔ ایک حدیث میں آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا: من کان لہٗ امام فقرأۃ الامام لہٗ قرأۃ۔ اسکی متعدد سندیں ہیں مصنف خیر الکلام نے ص۴۲۷ میں فرمایا کہ حفاظ حدیث نے یہ حدیث مرسل بیان کی ہے: شعبہؒ۔ سفیانؒ ثوری۔ ابن عیینہؒ سب مرسل بیان کرتے ہیں۔ کیوں جناب! آپ کی ترمذی والی حدیث جو ابن اسحاق عن مکحولؒ عن محمودؓ بن الربیعؓ عن عبادہؓ کی سند سے مروی ہے۔ اسے پانچ حفاظ حدیث مرسل ہی بیان کرتے ہیں۔ سب سند مکحولؒ عن عبادہؓ نقل کرتے ہیں۔ بیہقی کو دیکھ لیں تفصیل انشاء اللہ تعالیٰ اپنے موقع پر آنے والی ہے۔ تو وہ کیسے مستدل بنی؟ پھر ص۴۷۳ پر آپ یہ لکھتے ہیں: "اس جواب میں یہ کمزوری ہے کہ جابرؓ کا ذکر شاذ ہے کیونکہ حماد ت نے اس کا ذکر نہیں کیا۔ شاذ روایت میں راوی کے ثقہ ہونے کا ذکر کرنا صحیح نہیں ہوتا"۔

مصنف خیر الکلام اپنے گھر کا حال بھی دیکھ لیں: ابن اسحاق والی مذکورہ روایت میں محمود بن الربیع کا ذکر شاذ ہی ہے۔ موقع پر تفصیل آئے گی۔ پانچ راوی حدیث کی سند مکحولؒ عن عبادہؓ مرسل طور سے نقل کرتے ہیں اور چار راوی مکحولؒ عن نافعؒ بن محمودؒ عن عبادہؓ نقل کرتے ہیں۔ محمد بن اسحاق کی روایت ان سب نو (۹) حضرات کے مخالف اور شاذ ہے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

تفصیل اپنے موقع پر آنے والی ہے۔ اس کے بعد آپ کا محمد بن اسحاق کو بزور ثقہ ثابت کرکے گو خلاصی کرانا بالکل بے قاعدگی ہے اور اگر وہ آپ کے ہاں ثقہ ہو بھی تو بقول آپ کے شاذ روایت میں راوی کے ثقہ ہونے کا ذکر کرنا صحیح نہیں ہوتا۔ خیر الکلام ص۲۰۳ کی عبارت کو پھر پڑھ لیں۔ اور نافع بن محمود مجہول من الثالثہ ہے۔ حافظ ابن حجرؒ نے تصریح کی ہے۔ موصول صرف ابن اسحاق بیان کرتے ہیں لہٰذا یہ شاذ ٹھہری۔ اس کے علاوہ ترک القرأۃ خلف الامام کا مسئلہ صرف اسی حدیث سے ثابت نہیں۔ بلکہ وہ تو آیتِ کریمہ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا اور حدیثِ نبویؐ وَاذا قرأ فانصتوا اور دیگر صحیح احادیث سے ثابت ہو چکا ہے۔ یہ حدیث من کان لہ امام ... الخ تو تائیدی درجہ میں ہے۔ مصنف خیر الکلام فاضل جماعت نے بالکل بے سود کتاب کے صفحات سیاہ کرکے اپنے ہاتھوں کو تھکایا ہے اور سنئے! ص۴۷ میں انھوں نے لکھا کہ امام ابوحنیفہؒ جس قدر حافظ کی ضرورت ہے ان کا مقام اس سے نیچے ہے۔ مصنف خیر الکلام کے اس عناد۔ بغض اور خالص جھوٹ پر ہزار بار افسوس۔ اگر ایسا ہوتا تو حضرت امام ابوحنیفہؒ کو دنیا میں ایسی مقبولیتِ عامہ حاصل نہ ہوتی مگر ان کا مذہب ہر زمانہ اور ہر جگہ میں سورج کی طرح روشن پایا گیا ہے اور غیر مقلدوں کا جماعتی وجود تو انگریزی دور سے پہلے کہیں نظر نہیں آئے گا اور انہی ممالک میں ان کا وجود ہے جو بلا واسطہ یا بالواسطہ انگریز کے زیرِ اثر رہے ہیں۔ اب بھی ماشاء اللہ وہ آٹے میں نمک کے برابر بھی نہیں ہیں۔ اکثر ملکوں میں تو ان کا نام ونشان ہی نہیں ملتا۔ ہاں ہندوستان سے بھاگے ہوئے کہیں کہیں ملیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایسی باتیں بعض متعصبین شافعیہؒ نے کہہ دی ہیں اور یہ لوگ ان کو اپنی جھولی میں ڈالے ہوئے ہیں۔ السهم المصيب في كبد الخطيب اسی ضرورت سے لکھی گئی ہے۔ ایک شخص نے مجھے کہا کہ اگر تقلید ضروری ہوتی تو امام بخاریؒ کیوں نہ کرتے؟ میں نے اسے کہا کہ جب تم امام بخاریؒ کے درجہ تک پہنچو گے تم بھی نہ کرنا۔ لیکن اگر شارح بخاری حافظ ابن حجرؒ کے مقام تک پہنچ سکے تو پھر بھی کرنی پڑے گی۔ وہ اس تبحرِ علمی کے باوجود تقلید سے مستغنی نہیں ہوئے۔ اپنے کو شافعی المسلک بنائے رکھا اور آج کے زمانہ کے غیر مقلدین ان کی تصنیف "بلوغ المرام" پڑھ کر

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کسی کو اپنے سے بڑا نہیں سمجھتے جو وکیل کے درجہ میں نہیں ہوتے مگر چیف جسٹس ہائیکورٹ بن جاتے ہیں اور بڑوں پر تنقید کر کے خود بڑا بننا چاہتے ہیں۔ تقلید یہی چیز ہے کہ ماتحت عدالت کو ہائی کورٹ کے فیصلوں کی پابندی کرائی جاتی ہے۔ کتابیں تو غیر مقلدوں کے پاس بھی ہوتی ہیں لیکن ان کی سمجھ اور چیز ہے۔ یہ لوگ صرف اپنی جماعت کی تقلید کرتے ہیں خواہ علمی حیثیت اس کو حاصل ہو یا نہ ہو۔ یہ باتیں ضمنی طور سے آگئی ہیں۔ آگے فاضل اہل حدیث کی کرم فرمائی ملاحظہ کریں۔ انھوں نے خیر الکلام ص۴۹۴-۴۹۵ میں لکھا ہے: قیل یحتمل ان المراد من کان لہ امام فلیقرأ لقرأتہ فان قرأۃ الامام قرأۃ لہ فلیقرأ لنفسہ اور اس سے پہلے ص۴۹۱ پر لکھتے ہیں۔ بالفرض اگر یہ حدیث من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قرأۃ الامام صحیح بھی ہو تب بھی اس سے فاتحہ خلف الامام کی نفی نہیں ہوتی۔ اس میں کوئی لفظ نہیں جس سے ممانعت کا مفہوم نکلتا ہو، اس کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ امام کی قرأت کا ثواب مقتدی کو ملتا ہے... الخ۔ گزشتہ گزر چکا ہے کہ یہ حدیث ثواب ملنے کے بارے میں نہیں آئی بلکہ حدیث نفس قرأت امام کا جو تحقیقی قرأت ہے حکمی طور سے مقتدی کی قرأت ہونا بتا رہی ہے۔ جیسے کہ پہلے امام کا سترہ تحقیقاً مقتدی کا سترہ بن جانا بتایا گیا ہے سترۃ الامام سترۃ لمن خلفہ۔ یعنی امام کے سامنے اگر سترہ ہو تو مقتدی کو سترہ رکھنے کی حاجت نہیں۔ وہی امام کا سترہ ہی شرعی طور پر مقتدی کا سترہ قرار دیا گیا ہے۔ جیسے حضرت ابن عباسؓ کی حدیث میں تھا کہ صرف امام کے سامنے سترہ تھا۔ قوم کا سترہ وہی سمجھا گیا۔ اسی طرح قرأت صرف امام کرے گا اور وہی مقتدی کی قرأت بھی سمجھی جائے گی۔ کیونکہ مقتدی کو تحقیقی قرأت کرنا استماع مامور اور انصات لازم نقصان دہ بنتا ہے۔ اس لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ کی ادائیگی کی ذمہ داری مقتدی کے لیے اسی حکمی قرأت میں قرار دے دی گئی ہے۔ اسی لیے مقتدی کے لیے وَلَا الضَّآلِّیْنَ کے بعد اٰمین کہنے کی تاکید کی گئی ہے تاکہ حکمی قرأت میں اس کی شمولیت ہو جائے۔ جیسے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰۤی اَمْوَالِهِمْ وَاشْدُدْ عَلٰی قُلُوْبِهِمْ کی بددعا کی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے اس پر آمین کہی تو فرمانِ الٰہی نازل ہوا قَدْ اُجِیْبَتْ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

دَعْوَتُكُمَا اس میں دونوں کو دعا کنندہ کہا گیا ہے۔ حالانکہ حضرت ہارون علیہ السلام نے صرف آمین کہی تھی۔ معلوم ہوا کہ آمین کہنے والا حکماً قاری ہوتا ہے۔ فتح الباری ص۱۸۱ ج۲ میں حافظ ابن حجرؒ نے فرمایا: كَانَ مُوسٰى دَاعِيًا وَهَارُوْنُ مُؤَمِّنًا۔ رواہ ابن مردویہ یعنی حضرت موسیٰؑ نے دُعا کی اور حضرت ہارون علیہ السّلام نے آمین کہی۔ (علیہما الصّلوٰۃ والسّلام)

اور ظاہر ہے کہ امام دُعا اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ۔ بصیغہ جمع پڑھتا ہے۔ اسی طرح اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ۔ جمع کے صیغوں سے دُعا استعانت کرتا ہے یہ قرأت دعا کی جو کلام الٰہی میں ہے صرف اپنے لیے ہی نہیں کرتا بلکہ آمین کہنے سے اس پر قوم کے دستخط بھی ثبت ہوگئے۔ قوم کو خود عرض و معروض کرنے کی ضرورت ہی نہ رہی۔ یہی معنی ہیں فرمانِ رسالت کا قراءۃ الامام قراءۃ لہٗ۔ اس صورت میں قرآن کریم کا ادب احترام استماع اور انصات بھی حاصل ہوگیا اور مقصد میں قوم کی شمولیت بھی ہوگئی۔ اپنے پڑھنے سے استماع وانصات میں بھی کمی آتی ہے۔ غور فرمائیں کہ امام بن کر حضور علیہ الصّلوٰۃ والسّلام کی پڑھی ہوئی یہ دُعا قوم کے لیے بہتر ہے یا ہر ایک کی اپنی اپنی دُعا بہتر ہے؟ اس کے بعد اس کے کیا معنی کہ اے مقتدی تو خود پڑھ امام نے تو اپنے لیے پڑھا ہے؟ من كان له امام فليقرأ لنفسه۔ یعنی امام کی قرأت تو اپنے لیے ہے، اے مقتدی تم خود اپنے لیے دعا مانگو اور قرأت کرو۔ (خیر الکلام ص۲۹۷) اس کے علاوہ یہ بھی سوچیں کہ آپؐ تو اس میں مقتدی کو حقیقی قرأت کرنے کا حکم دیتے ہیں کہ امام کے ساتھ وہ خود بھی پڑھا کرے پھر حضور علیہ السّلام نے ضابطۂ جماعت وامامت بیان کرتے وقت یہ الفاظ کیوں نہ فرمائے انما جعل الامام ليؤتم به فاذا كبر فكبروا، واذا قرأ فاقرؤا القراته۔ جیسے آپ نے کہا ہے اس کو چھوڑ کر آپؐ نے اذا قرأ فانصتوا کیوں فرما دیا؟ یہ تو فاقرؤا القراته کے منافی ہے۔ بلکہ یہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ کے بھی مخالف ہے۔ امام رازیؒ کی عبارت کو پھر سے دیکھیں جس کی گزشتہ نقل گزر چکی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی دیکھیں کہ سترہ کے مسئلہ میں امام بخاریؒ نے ص۷۱ ج۱ میں سترة الامام سترة لمن خلفه کا ترجمۃ الباب قائم کیا ہے جس کا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

دوسرا عنوان من کان لہ امام فسترۃ الامام لہ سترۃ ہوگا اس میں لَہٗ کی ضمیر جو خبر کی جانب میں ہے مَنْ کی طرف راجع ہے جو ابتدا میں آچکا ہے اور وہ مقتدی سے تعبیر ہے معنی صحیح بن جاتے ہیں جیسے امام بخاری کے بیان میں ہے یہ ضمیر یہاں امام کی طرف راجع نہیں ورنہ سترۃ الامام لِلامام کے معنی بن جائیں گے۔ اس میں کوئی تقدیر کی حاجت نہیں رہتی تو اس طرح فاتحہ والے کلام مذکور میں کیوں نہیں کیا جاتا؟ کیوں وہاں دو جگہ فلیقرأ لنفسہ مقدر مانا گیا ہے اگر مقدر ہی نکالنا ہے تو لا یقرأ بقرأتہ نکالنا چاہیے کیونکہ قرأت نہ کرنے کے قوی دلائل موجود ہیں۔ ھل قرء معی احد؟ بطریقِ انکار۔ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا۔ وغیر ذلك۔ جن کا ذکر ہوچکا ہے یعنی من کان لہ امام فلا یقرأ بقرأتہ فان قرأۃ الامام قرأۃ للمأموم اولمن خلفہ یہی صحیح بنتا ہے۔

الحاصل: حدیث من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قرأۃ۔ کلام تام ہے ضمیر جزا میں جو خبر مبتدا بھی ہے۔ مَنْ کی طرف راجع ہے اور مَنْ سے مُراد مقتدی ہے۔ معنی یہی ہیں۔ امام کی حقیقی قرأت مقتدی کے لیے حکمی قرأت ہوجاتی ہے اس کو مستقل قرأت کی حاجت نہیں ہے۔ یہی حضرت مولانا عبدالحیؒ کے کلام کی مراد ہے جو خیر الکلام کے ص۴۹۱ میں نقل کیا گیا ہے یعنی کون قرأۃ الامام قرأۃ حکمیۃ للمقتدی لان الشارع جعلہ فی حکم القاری بقرأۃ امامہ۔ آپ کا یہ شاہد آپ کے خلاف شہادت دے رہا ہے۔ اسی کا گزشتہ شکوہ بھی کیا گیا تھا کہ مصنف خیر الکلام اس کو کھا پی گئے ہیں اور اس کا معطوف واحطاہ ثوابہ ذکر کرگئے ہیں اور معطوف علیہ کو چھپا گئے ہیں۔

اطلاع: مذکورہ حقائق معلوم ہوجانے کے بعد آپ کو معلوم ہوگیا ہوگا کہ مصنف خیر الکلام فاضل جماعتِ اہلِ حدیث کا ص۴۹۵ پر یہ لکھنا "ضمیر کا ظاہر ہونا ضروری نہیں، بلکہ ضمیر مقدر بھی ہوسکتی ہے۔ جیسے البر منوان بدرہم ضمیر مقدر ہے یعنی منہ بدرہم" اسی طرح جو لکھتے ہیں: پس فلیقرأ جو مقدر نکالا گیا ہے اس میں ضمیر موجود ہے۔ یہ دونوں باتیں بے سود کہی گئی ہیں یا انھوں نے مقام کو نہیں سمجھا یا مغالطہ دے رہے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہیں۔ گزشتہ تقریر میں یہ نہیں کہا گیا کہ ضمیر جملہ جزائیہ میں ضرور مذکور ہوتی ہے یا خبر جملہ مبتدا جملہ ہو تو اس میں ضمیر کا لفظوں میں ہونا ضروری ہے تاکہ کہا جائے کہ منوان بدرھم میں کہاں مذکور ہے؟ اسی طرح آیتِ کریمہ میں ضمیر مقدر نکالی گئی ہے اور زمخشری نے بھی تقدیر نکالی ہے ایسے ہی ہم بھی نکال سکتے ہیں۔ فلیقرء نفسہ جیسے مصنف خیر الکلام ص۴۹۵ میں کہہ رہے ہیں۔ یہ سب باتیں بے محل اور عجلت پر مبنی ہیں۔ یہ مقدر کرنا محض مطلب سازی کے لیے کیا گیا ہے۔ قرآن و حدیث کے خلاف ہے۔ حنفیہ کرام کی جانب سے کہا جاتا ہے کہ جزاء یا خبر جملہ ہو تو اس میں ضمیر مبتدا کی طرف رابطہ ہوتی ہے اور وہ ضمیر فقرأۃ الامام قرأۃ لہٗ میں موجود ہے۔ اس کا مرجع لفظ مَنْ صدر میں ص۴۹۱ مذکور ہے۔ جس کا معنیٰ قرأۃ الامام قرأۃ لِلمقتدی بن جاتا ہے۔ یہ بنفسہٖ کلام تام ہے۔ کسی تقدیر کی حاجت نہیں۔ تم نے لہٗ کی اس ضمیر کو امام کی طرف راجع کر دیا۔ رابطہ مبتداء سے کٹ گیا۔ اسی لیے کسی نے فلیقرء اوّل[1] جملہ مَنْ کان لہ امام میں خبر بنا کر مقدر کہہ دیا۔ اسی طرح آخر میں پھر یہ لفظ مقدر نکال دیا۔ یہ دونوں بلا ضرورت نکالے گئے۔ جیسے سترۃ الامام لمن خلفہٗ ٹھیک ہے۔ بعینہٖ اسی طرح قرأۃ الامام قرأۃ لمن خلفہ بھی ہو گیا۔

اسی طرح دوسرا عنوان من صلّی مع الامام فسترۃ الامام لہٗ سترۃ۔ من صلّی مع الامام فقرأۃ الامام لہٗ قرأۃ بھی ہے۔ اگر سترہ والے عنوان میں لہٗ کا مرجع امام نہیں ہے تو قرأت والے میں بھی یہی کچھ کرنا ہوگا۔ سمجھ کے ساتھ انصاف کی بھی ضرورت ہے۔ حافظ ابنِ کثیر مفسر کبیر رحمہ اللہ تعالیٰ ص۳۲ ج۱ میں فرماتے ہیں: فَدَلَّ[1] عَلٰی اَنَّ مَنْ اَمَّنَ عَلٰی دُعَاءٍ فَکَاَنَّمَا قالہ ولھذا قال من قال ان المأموم لا یقرء لان تامینہٗ علی قرأۃ الفاتحۃ بمنزلۃ قرأتھا۔ یعنی مقتدی کا امام کی قرأت کے بعد آمین کہہ دینا ایسا ہے جیسے اُس نے خود قرأت کر دی۔ اسی لیے کہا جاتا ہے کہ مقتدی قرأت نہ کرے یہ آمین کہنا ہی قرأت ہے۔ جیسے حضرت ہارون علیہ السّلام کے قصّہ میں گزرا۔

---

[1] فَدَلَّ ذٰلِکَ

الثامن۸ من الادلۃ قرأۃ التشہد فی قیام الثالثۃ

ابوداؤد باب من قام من الثنتین ولم یتشہد ص۱۴۸ میں ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے کسی نماز میں دو رکعتوں پر بیٹھنا تھا سہو ہوگیا، تیسری کے لیے کھڑے ہوگئے صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم بھی تابعداری میں کھڑے ہوگئے تشہد کا پڑھنا رہ گیا۔ بعض صحابہ کرامؓ نے فوت شدہ تشہد کھڑے ہوئے پڑھ لیا۔ یعنی تیسری رکعت کے قیام میں فاتحہ کی جگہ انھوں نے اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰہِ ... الخ پڑھا۔ روایت میں ہے کَانَ مِنَّا الْمُتَشَہِّدُ فِیْ قِیَامِہٖ۔ ہم میں سے بعض نے قیام میں تشہد پڑھا۔ امام تو اس وقت فاتحہ پڑھتا ہوگا کہ تیسری رکعت ہے اور انھوں نے فوت شدہ تشہد پڑھا۔ انداز دونوں کا برابر ہے امام فاتحہ سے فارغ ہوا ہوگا۔ یہ تشہد سے فارغ ہوئے ہوں گے۔ اس کے بعد رکوع کیا ہوگا۔ اس صورت میں ان مقتدیوں نے فاتحہ نہیں پڑھی۔ فاتحہ کا پڑھنا ہر رکعۃ میں فرض کہا جاتا ہے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فتح ص۶۴ ج۲ میں فرماتے ہیں: واستدل بہ علی وجوب الفاتحۃ فی کل رکعۃ بناءً علیٰ ان کل رکعۃ صلوٰۃ وفی روایۃ لاحمد وابن حبان وافعل ذٰلک فی کل رکعۃ۔ ہر رکعۃ میں فاتحہ پڑھا کرو۔ اب اوّل سوال یہ ہے کہ ان حضرات صحابہ کرامؓ کی یہ نماز کیسے ہوئی؟ فاتحہ اس رکعت میں نہیں پڑھی گئی۔ دوم یہ کہ ان حضرات کو فاتحہ کی جگہ تشہد پڑھنے کا خیال کیسے آیا؟ فرض فاتحہ کو چھوڑ کر تشہد کا پڑھنا کیسے معقول ہے؟ معلوم ہوتا ہے کہ یہ حضرات فاتحہ خلف الامام پڑھنے کے قائل ہی نہیں تھے اسی لیے تیسری رکعت میں بجائے خاموش رہنے کے فوت شدہ تشہد کا پڑھنا خیال میں آیا۔ یہ بھی خیال فرمائیں کہ تیسری رکعت سری نماز ہے اس میں وہ جب فاتحہ خلف الامام پڑھنے کے قائل نہیں تھے تو جہری رکعات میں امام کے پیچھے کیسے فاتحہ پڑھتے ہوں گے؟ اس میں استماعِ واجب کا نقصان بھی آتا ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ یہ حضرات صحابہؓ فاتحہ خلف الامام کے قائل ہی نہیں تھے۔

کہا جاتا ہے حضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا سہو نماز میں رحمتِ خداوندی سے ہوا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کہ لوگ سہو کے مسائل اس سے معلوم کر لیں گے۔ ہمارے خیال میں ان حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا سہو (تشہد قیام میں پڑھنا) بھی اسی انداز میں ہُوا کہ لوگ معلوم کر لیں کہ فاتحہ خلف الامام فریضہ نہیں ہے تارک فاتحہ کی نماز ضائع نہیں ہوتی۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ لاصلٰوۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب اپنے عموم پر نہیں۔ مقتدی اس عموم میں نہیں لیا گیا۔ اسی لیے حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے الا ان یکون وراء الامام کی استثنا نقل کی ہے۔ اسی لیے مؤطا امام مالکؒ میں حضرت ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کا عمل ترک الفاتحہ خلف الامام نقل کیا گیا۔ بخاری کی یہ روایت پڑھ کر لوگوں کو دھوکہ میں ڈالنا دیانت داری نہیں۔ واللہ اعلم۔

تنبیہ: خیر الکلام ص۴۵۲ میں ہے۔ امام قیام کا متحمل نہیں ہوتا کیونکہ وہ رکن ہے اب سوال ہوگا کہ اگر قیام کا متحمل اس لیے نہیں کہ وہ رکن ہے۔ تو قرأت کا کیسے متحمل ہو سکتا ہے حالانکہ وہ بھی ان کے ہاں رکن ہے۔ یہ کہنا کہ حنفیہ کو اپنا مذہب سمجھنے میں غلطی لگی، دھوکہ لگا ہے۔ یہ محض غلط بیانی کی ہے۔ صاحب الدار اعلم بما فیہ کا مقولہ مشہور ہے۔ مسلّم اصول ہے حنفیہ کو دھوکہ نہیں لگا، دھوکہ آپ کو لگا ہے آپ نے مدار صرف رکنیت پر رکھ دی اور دوسروں پر اینٹ پتھر پھینکنے شروع کر دیتے حنفیہ کہتے ہیں کہ قرأت کا عمل ثابت ہے اور قیام کا ثابت نہیں۔ بدون فاتحہ کے مقتدی کی نماز ہو جاتی ہے۔ خواہ کہو مقتدی مستثنیٰ ہے اس پر فرض نہیں، خواہ کہو مقتدی سے ساقط ہو جاتی ہے۔ آپ کا یہ کہنا کہ امام قرأت کا کیسے متحمل ہو سکتا ہے حالانکہ وہ رکن ہے۔ یہ محض مغالطہ ہے۔ آپ کا گواہ آپ کے خلاف شہادت دیتا ہے۔ کیونکہ یہ لوگ کہتے ہیں کہ فاتحہ مقتدی پر فرض ہے۔ لیکن اگر مقتدی بعض فاتحہ پڑھے جانے کے بعد امام سے ملا یا کل فاتحہ کے بعد آیا تو ان دونوں صورتوں میں امام اس کی فاتحہ کا متحمل ہو جاتا ہے۔ وہ فاتحہ مقتدی کی بھی بن جاتی ہے۔ ص۴۶ الا اذا کان مُتَجمعًا بجمیع الفاتحۃ اَوْ بِبَعْضِهَا فلٰن الامام یحتمل عنہ۔ گزشتہ گزر چکا ہے کہ جب بعض فاتحہ یا کل کے پڑھے جانے کے بعد آنے والے کے لیے امام کی قراۃ بس کرتی ہے تو اوّل سے ملنے والے کے لیے

بھی کفایت کرسکتی ہے کیونکہ اس وقت مقتدی کا پڑھنا استماع مأمور میں اور انصات واجب میں نقصان دہ بنتا ہے۔ یہ بھی عذر ہے۔

التاسع من الادلۃ کون قرأۃ الفاتحۃ فی الجماعۃ کالمبایعتہ

شریعت کے اصول سے معلوم ہوتا ہے کہ انفرادی حالات کے مسائل کا اجتماعی سے فرق کیا گیا ہے۔

ستۃ ۱ : میں آپ نے معلوم کرلیا کہ اکیلے نماز پڑھنے والے کو حکم دیا گیا کہ اپنے سامنے سترہ رکھے تاکہ سامنے سے کسی گزرنے والے کو حرج نہ ہو اور نماز میں نگاہ کی حدبندی بھی ہو جائے لیکن جماعت کی صورت میں صرف امام کے سامنے ہونے پر اکتفا کی گئی۔ مقتدی کو اس سے مستثنیٰ کردیا گیا۔ تفصیل گزر چکی۔

اسی طرح ۲ سلام دینا عند الملاقاۃ : اگر انفرادی طور سے ہو تو جواب واجب ہوجاتا ہے اِذَا حُيِّيْتُمْ بِتَحِيَّةٍ فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا اَوْ رُدُّوْهَا کا حکم دیا گیا لیکن اگر جماعت پر سلام دیا جائے تو سب کو جواب دینا لازم نہیں رہتا۔ ایک کا جواب دے دینا کافی سمجھا جاتا ہے۔ نووی مسلم شریف ص۲۱۳ میں ہے کہ ہر سننے والے کو مستقل جواب دہی (جواب دینے) کی ضرورت نہیں رہتی۔ حالانکہ آیت کریمہ کے الفاظ لفظاً ہر سننے والے کو حکم دیتے ہیں۔ لیکن جماعت کو مثل شخص واحد کے سمجھ کر ایک کی جواب دہی کافی ہوجاتی ہے۔ اسی طرح حنفیہ کرام قرأت فاتحہ کے بارہ میں کہتے ہیں کہ لفظ حدیث کے لاصلٰوۃ لمن لم یقرأ اگرچہ بظاہر عام سے معلوم ہوتے ہیں۔ لیکن اجتماعی صورت میں ایک امام کی قرأت پر اکتفا کا حکم دیا گیا : اذا قرء فانصتوا۔ اس وقت عموم الفاظ کی رٹ لگانا بے کار ہوگا۔ کیا فَحَيُّوْا بِاَحْسَنَ مِنْهَا میں عموم اور شمول پر دلالت نہیں؟ کیا آپ ہر سلام کے سننے والے پر جواب دہی واجب بتا سکتے ہیں۔

اسی طرح ۳ بیعت کا مسئلہ بھی ہے۔ کوئی شخص کسی شیخ کی بیعت کرنا چاہے۔ کلماتِ بیعت کے تو لینے ہوں گے۔ اگر ایک جماعت کی بیعت کا مقام ہو تو ان کے ایک

Telegram : t.me/pasbanehaq1

نمائندہ کی تعبیر سب کی جانب سے کافی ہو گی۔ امام بھی قوم کا نمائندہ ہوتا ہے۔ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ۔ سب کی جانب سے کہتا ہے۔ نمائندگی کرتا ہے۔ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ میں حاجت کا سوال بھی سب کی جانب سے کرتا ہے پھر آخر میں سب لوگ آمین کہہ کر دستخط بھی کر چکتے ہیں، درخواست بھی جب سب کی ایک ہی ہے تو سب کو الگ الگ پیش کرنے کی حاجت ہی کیا رہی؟ ہاں اظہارِ عبدیت سب نے کرنا ہے۔ رکوع سجود اظہارِ عبدیت ہے۔ یہ آدابِ شاہی سب نے ادا کرنے ہیں۔ یہ جہالت کی بات نہ کہیں کہ قرات جب امام کے سپرد کر دی گئی تو رکوع و سجود بھی وہی کرے تم آرام سے بیٹھ جاؤ۔ ایسی کھری باتیں اگرچہ ضدی طبائع کو پسند نہیں ہوتیں لیکن اس کی وجہ سے حق گوئی کو نہیں چھوڑا گیا، نہ چھوڑا جا سکتا ہے۔ منصف مزاج لوگ بھی دُنیا میں بستے ہیں۔ سورت فاتحہ میں خداوند تعالیٰ کی صفت و ثنا کر کے سب کی جانب سے اس سے حاجت طلب کی گئی۔ اس کے بعد اس کی شکر گزاری کے لیے رکوع و سجود کیا گیا۔

اس کے بعد ایک واقعہ بطورِ مثال کے عرض کرتا ہوں تاکہ ضدی لوگوں کے لیے بھی سامانِ عبرت بن جائے۔ اِنَّكَ لَا تَهْدِيْ مَنْ اَحْبَبْتَ کے بعد وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ۔ آ چکا ہے ہم ناامید نہیں ہیں۔ اَللّٰهُمَّ وَفِّقْ لِمَا تُحِبُّ وَتَرْضٰى۔

ایک موقع پر حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے عورتوں سے بیعت لیتے ہوئے یہ یہ آیتِ کریمہ تلاوت فرمائی: اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَّلَا يَسْرِقْنَ ... الخ۔ اس کے خاتمہ پر فرمایا: اَنْتُنَّ عَلٰى ذٰلِكَ۔ (تم سب اس عہد پر ہو) سب کو یہ قبول ہے۔ سب نے جواب دینا تھا کہ ہمیں یہ عہد قبول اور منظور ہے۔ بیعت جبھی تمام ہوتی کیونکہ خطاب پوری جماعت کو ہے۔ اَنْتُنَّ عَلٰى ذٰلِكَ۔ لیکن جواب صرف ایک عورت نے سب کی نمائندگی کرتے ہوئے دیا: نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ اس کا نَعَمْ کہنا سب کی جانب سے بیعت کرنا سمجھا گیا۔ بخاری شریف ص ۱۳۳ ج ۱ میں قَالَتْ اِمْرَاَةٌ وَّاحِدَةٌ نَعَمْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لَمْ يُجِبْهُ غَيْرُهَا۔ یعنی اس ایک عورت نے جواب دیا باقی خاموش

Telegram : t.me/pasbanehaq1

رہیں۔ یہاں بقیہ عورتوں کی جانب سے سکوت محض ہے پھر بھی سب کی جانب سے اس کو بیعت کرنا سمجھا گیا۔ یہ اس اجتماعی حال کا حکم ہے کہ سب کا کلام حکمی طور پر سب جانب سے معتبر ہو گیا لیکن مقتدی جماعت میں امام کو نمائندہ بنا کر درخواست بارگاہِ الٰہی میں پیش کرتے ہیں اور اس کے آخر میں سب آمین بھی کہہ دیتے ہیں یہ صریح نطق کے درجہ میں بن جاتا ہے۔ جب ان عورتوں کا سکوت بمنزلہ نطق بن گیا۔ تو آمین بھی کہہ دیا جائے تو کیوں حکمی قرأت نہ بنے گی۔ پہلے یہ بھی بیان ہو چکا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے رَبَّنَا اطْمِسْ عَلٰٓی اَمْوَالِهِمْ کی دُعا پڑھی تھی اور حضرت ہارون علیہ السلام نے آمین کہی تھی۔ (یعنی حضرت ہارون علیہ السلام نے صرف آمین کہی) لیکن قرآن حکیم نے دونوں کو داعی کہہ دیا اور اُجِیْبَتْ دَّعْوَتُکُمَا فرمایا گیا۔ اسی طور سے مقتدی کا آمین کہنا۔ یہی اس کا پڑھنا ہو گا۔

العاشر من الادلّة ترك القرأة خلف الامام

قوله عليه الصّلوٰة والسّلام: "من كان له امام فقرأة الامام له قرأة"

(او کما قال)

اس حدیث کا تذکرہ گزشتہ اگرچہ ضمنی طور سے گزر چکا ہے لیکن فریقِ ثانی نے اس کے متعلق شکوک و شبہات کا جال بچھا رکھا ہے اس لیے اس کا مستقل تذکرہ مناسب معلوم ہوا اور اس کو آخر میں اس لیے لایا گیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہ حدیث مدارِ مسئلہ نہیں۔ اس باب میں صرف یہی حدیث ہوتی تو شکوک کچھ مفید بن جاتے۔ لیکن اصل مسئلہ کتاب اللہ اور سنّت صحیحہ سے ثابت ہو چکا ہے جن کا تذکرہ ہو چکا ہے اس کے باوجود ان شبہات کے ازالہ کے لیے کچھ معروضات پیش کرنی ضروری ہو گئیں تاکہ عوام کو حقیقتِ حال معلوم ہو جائے اور کسی کے فریب میں نہ آئیں۔ واللہ الموفق۔ ومنہ الہدایت۔

غیر مقلدین کا ہمیشہ سے یہ اصول ہے کہ حضراتِ حنفیہ کی اصل دلیل کو چھوڑ کر کسی ضعیف کو ان کی دلیل بتا کر عوام کو دھوکہ میں ڈالنے کے لیے اسکی تردید کرتے رہتے ہیں۔ تراویح کے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مسئلہ میں اسی راستہ پر چلے۔ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا متفقہ اجماعی تعامل جس کو تمام امت نے معتبر سمجھا۔ ترمذی شریف میں اس کا تذکرہ موجود ہے کہ اہل حرمین شریفین کا یہی تعامل تھا۔ اس کو چھوڑ کر ایک ضعیف حدیث کو غیر مقلدین مسئلہ کی دلیل بتا کر اس میں شبہات ڈال کر لوگوں کو دھوکہ دیتے رہتے ہیں اسی طرح مسئلہ قرأت خلف الامام میں بھی یہی چال چلی۔

مصنف خیر الکلام فاضل اہل حدیث نے ص۲۸۰ پر لکھا کہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ نے دارقطنیؒ کے حوالہ سے لکھا ہے کہ اس حدیث (من کان لہ امام) کے جمیع طرق ضعیف ہیں اور حافظ رحمہ اللہ تعالیٰ خاموش گزر گئے۔ حنفیہ کرام کثرہم اللہ تعالیٰ کی جانب سے اس دعویٰ کی تردید کی گئی کہ ان کا یہ قول خلاف واقع اور باطل ہے۔ مصنف خیر الکلام کو یہ بات گراں گزری۔ مبہم انداز میں اس کی جواب دہی کی۔ (یہ بہت ذمہ داری کی بات ہے اس کے لیے کچھ علم کی بھی ضرورت ہے) شاید علم حدیث کے ٹھیکہ دار آپ لوگ ہی ہیں۔ وَفَوْقَ كُلِّ ذِي عِلْمٍ عَلِيمٌ آیا ہوا ہے۔ جرح معین متعین کرتے تو ہم جوابدہی کرتے۔ اجمال کا جواب اسی قدر ہے کہ ہم اپنی جانب سے تردید نہیں کرتے بلکہ گزشتہ صحیح بخاری ص۱۰۴ کے حاشیہ سے بعض اجلہ محدثین کا فرمان نقل کر چکے ہیں۔ اسنادہ علی شرط الشیخین دارقطنی کے تعصب کا تذکرہ تو انشاء اللہ تعالیٰ حضرت محقق جمال الدین زیلعی رحمہ اللہ تعالیٰ کے کلام میں آئے گا۔ رہا حضرت حافظ ابن حجر رحمہ اللہ تعالیٰ کی اس پر خاموشی تو یہ کوئی تعجب کی بات نہیں۔ ان کی ایسے مقام میں خاموشی طبیعت بن چکی ہے۔ دیکھئے فتح الباری ص۲۸۴ ج۲ میں فاتحہ کے فرض ثابت کرنے کی دلیل لکھی، وَلِأَحْمَدَ مِنْ طَرِيقِ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَوَادَةَ القُشَيْرِيِّ عَنْ رَجُلٍ عَنْ أَبِيهِ لَا تُقْبَلُ صَلوٰةٌ لَا يُقْرَأُ فِيهَا بِأُمِّ الْقُرْآنِ سبحان اللہ! نہ رَجُلٍ کا پتہ نہ اَب کی تعیین۔ نہ ذات کا علم، نہ صفت عدالت کا تذکرہ اور دلیل فرضیت فاتحہ کی بتا کر آپ خاموش گزر گئے۔ حالانکہ خود "نخبۃ الفکر" میں جو ان کا اصول حدیث میں رسالہ ہے۔ لکھتے ہیں کہ راوی اگر عن ثقۃ بھی کہے تو اس کا اعتبار بھی نہیں ہوگا۔ لِأَنَّهُ يحتمل ان يكون ثقة عنده لا عند غيره۔ لیکن فتح الباری میں جب مفید مطلب حدیث آگئی تو رَجُلٌ عَنْ أَبِيهِ بھی حجت کے مقام میں بیان کر گئے۔ سبحان اللہ!

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اگر ایسی روایت کو کوئی حنفی دلیل بناتا تو کیا کچھ کہا جاتا ؟ یہ بات صرف میں نہیں کہتا بلکہ مصنف خیر الکلام بھی ایک موقع میں یہی بات کہہ رہے ہیں۔ خیر الکلام ص۵۶۱ میں رواہ الطبرانی فی الکبیر کے بعد ہے وفیہ رجل لم یسم (راوی کا نام نہیں لیا گیا، یعنی مجہول ہے جس میں راوی مجہول ہو وہ ضعیف ہوتی ہے) ایسی مجہول الحال اور ساقط روایت تو متابعات میں بھی معتبر نہیں ہوتی۔ لیکن حضرت حافظ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ اس کو دلائل میں ذکر کر گئے کہ اس میں مفید مطلب لفظ ہے یعنی لا تقبل صلوٰۃ ... الخ۔ یہ بیان تنقیص کے طور پر نہیں کیا گیا۔ مقصد صرف یہ بیان کرنا ہے کہ غیر مقلدین ایسے مقامات کی باتیں جن بڑوں کی طرف منسوب کرکے منوانے کی کوشش کرتے ہیں یہ نہیں جانتے کہ وہ بھی کبھی مذہبی پاسداری میں علمی ذمہ داری کو بھول جاتے ہیں۔ ابھی آپ کو ایک مثال بتائی گئی ہے۔ یہ بات پہلے بھی آ چکی ہے کہ حضرت امام دارقطنیؒ کا رویہ تو اور بھی نرالا ہے۔

۲۔ اگر حضرت حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ یا حضرت امام دارقطنیؒ اس کے بعض رجال کی کمزوری کی وجہ سے اسکے ضعف کا حکم کرتے ہیں تو ان سے زیادہ ضعف کے اقوال محمد بن اسحاق راوی حدیث قرأت خلف الامام میں پائے جاتے ہیں اور ان کو علیٰ شرط الشیخین یا احدھما میں سے ہونے کا شرف بھی حاصل نہیں ہے۔ اس کی روایت کو اگر بعض کی توثیق کے قول پر اعتماد کرتے ہوئے حسنؒ کہا جا سکتا ہے تو قرأۃ الامام قرأۃ لمن خلفہ والی روایت جس کے بیان کرنے والی راوی علیٰ شرط الشیخین بھی ہیں۔ ان کی توثیق کے بعد وہ تو بدرجہ اُولیٰ صحیح بھی بن سکتی ہے۔ دونوں کے راویوں کا موازنہ کیجئے اور منصفانہ فیصلہ کیجئے۔

محمد بن اسحاق کی روایت میں جس قدر خرابیاں ہیں جن کا بیان آنے والا ہے کہ اس کا حسنؒ ہونا بھی نہایت مشکل ہے۔ حدیث مَنْ کَانَ لَہٗ اِمَامٌ فَقِرَاْۃُ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَاْۃٌ میں تو اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہے۔ اگر یہ ضعیف ہے تو محمد بن اسحاق والی اضعف ہے۔ امام ترمذیؒ کا حسنؒ فرمانا باوجود متابل ہونے کے ان کا اپنا ذاتی نظریہ ہے ورنہ وہ دوسری روایات کے مخالف ہو کر شاذ ہی ہے۔ بیان آنے والا ہے۔

۳۔ "مَنْ کَانَ لَہٗ امام ... الخ" والی حدیث کلام تام ہے۔ خبر جملہ ہے اس میں

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ضمیر مبتدأ (من موصولہ) کی طرف لوٹنے والی پائی جاتی ہے۔ یعنی لہٗ قرأۃ جو شخص امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہو۔ امام کی قرأت اس کی قرأت بن جاتی ہے اس کو مستقل قرأت کی حاجت نہیں رہتی جیسے جو شخص امام کے ساتھ نماز پڑھتا ہے تو امام کا سُترہ اس کا سُترہ بن جاتا ہے۔ مقتدی کو مستقل طور سے اپنے لیے سترہ رکھنے کی ضرورت نہیں سترۃ الامام سترۃ لمن خلفہ کی طرح قرأۃ الامام قرأۃ لمن خلفہ بھی ہو سکتی ہے۔ اس پورے کلام واضح المراد کے علامہ سندھی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے خلاف ظاہر دو الگ الگ جملے بنا دیئے ہیں۔ من کان لہ امام کی جو مبتدا ہے یہ خبر مقدر نکالی فلیقرء لنفسہ تاکہ فاتحہ خلف الامام پڑھنا ثابت ہو جائے یہ پیوند لگانا محض مطلب سازی کے لیے بلاضرورت کیا۔ اگر یہ مراد ہوتی ہو حدیث معروف انما جعل الامام لیؤتم بہ اذا کبر فکبروا کے بعد واذا قرء فاقرءوا فرماتے۔ جیسے کہ علامہ سندھیؒ نے امر کا صیغہ فلیقرء لنفسہ مقدر نکالا ہے حالانکہ اس کے بجائے آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اذا قرء فانصتوا فرمایا ہے۔ مسلم شریف اور نسائی میں یہ آچکا ہے۔

علامہ سندھی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فَاِنَّ قِرَأَۃَ الْاِمَامِ لَہٗ قِرَأَۃٌ کی ضمیر امام کے راجع کردی کہ امام کی قرأت تو اسی کی اپنے لیے قرأت ہے۔ اسے مقتدی تو خود اپنے لیے قرأت کہہ، دوبارہ پھر آخر میں انھوں نے بلاضرورت فلیقرء لنفسہ مقدر نکالا۔ دونوں جگہ پیوندکاری سے مطلب سازی کی یہ مصنف خیر الکلام کو بھی اسکی ضرورت تھی اُٹھا کر تھیلے میں ڈال دیا۔ یہ نہ دیکھا کہ شارع حضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فاتحہ کے ساتھ بعض روایات میں سورۃ ملانے کا حکم بھی دیا ہے۔ لا صلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کے ساتھ وَمَا زَادَ، فَمَا زَادَ، فصاعدًا۔ کا فرمان بھی ہے بعض جگہ وشیء معہا بھی فرمایا۔ امام نے تو دونوں کو پڑھا۔ فاتحہ کے ساتھ سورۃ یا چند آیات بھی ملائیں۔ اپنی ذمہ داری پوری کی اگر مقتدی کی ذمہ داری بھی یہی ہے کہ امام کی پڑھی ہوئی قرأت مقتدی کی نہیں بنتی تو وہ اپنی قرأت خود کرے گا تو دونوں کو وہ بھی پڑھا کرے۔ لَا صَلٰوۃَ اِلَّا بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ آیا ہوا ہے تو اس کے ساتھ فما زاد بھی اسناد حسن سے مروی ہے۔ امام صاحب اسی پر عمل

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کرتا ہے۔ اسی طرح منفرد بھی یہ سب کچھ کرتا ہے۔ آپ نے مقتدی کو کیوں یہ چھٹی دے دی کہ فاتحہ اور سورت میں سے فاتحہ پڑھ لے اور سورت کو رہنے دے۔

مصنف خیر الکلام نے مطلب کو نہ سمجھتے ہوئے علامہ سندھیؒ کی عبارت کی تاویل کی جو تحریف کے انداز میں ہے اس کی توجیہ یہ کی کہ خبر میں ضمیر مقدر نکالی جا سکتی ہے جیسے مشہور مقولہ السمن منوان بدرھم میں منہ کی تقدیر مانی گئی ہے۔ جواب یہ ہے کہ یہاں الکرّ بستّین درھما خبر جملہ ہوتے ہوئے مبتدا کی ضمیر سے خالی ہے اس لیے اس میں منہ کا لفظ رابطہ نکالا گیا۔ لیکن حدیث نبویؐ میں من کان لہ امام کے بعد قراءۃ الامام لہ قراءۃ کے جملہ میں ضمیر مبتدا کے طرف عائد موجود ہے۔ یہاں تقدیر کی کیا ضرورت ہے اور اس مطلب سازی کے لیے کیا داعیہ ہے؟ صحیح عضو کو بیمار بتا کر پٹی لگانا کونسی عقلمندی ہے۔ بیمار اور تندرست کا فرق نہ کرنا جہالت کہا جاتا ہے۔

مصنف خیر الکلام نے اَنْ لَّیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی کی آیت کریمہ سے لوگوں کو بتایا کہ امام کی قرأت مقتدی کی نہیں ہو سکتی اس کو خود پڑھنا ضروری ہے۔ اگر یہ ٹھیک ہے تو فاتحہ کے بعد ضم سورۃ میں بھی یہی کچھ کہنا ہوگا، وہاں مقتدی سے سورۃ کے ملانے کو ساقط کرنے کا بہانہ بنانا محض افسانہ ہے اس کے لیے شرعی صحیح اور صریح دلیل یعنی نص اور حدیث نبویؐ پیش کرنی ہوگی۔ حنفیہ تو کہتے ہیں کہ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان وَاِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا۔ ثابت ہے کہ مقتدی نہ فاتحہ پڑھے نہ مازاد۔ آپ صرف فاتحہ پڑھواتے ہیں اور کہتے ہیں کہ حدیث آئی ہے: لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ۔ لیکن اسی حدیث کے ساتھ زیادت فَصَاعِدًا مسلم شریف میں مروی ہے۔ اس کے علاوہ اور الفاظ بھی ثابت ہیں۔ ولہٰذا مقتدی کو بھی چاہیئے کہ وہ سب کچھ پڑھے جو امام اور منفرد پڑھا کرتے ہیں۔

تعجب ہے کہ علامہ سندھیؒ اور ان کے تابعدار مصنف خیر الکلام کو خلف الامام فاتحہ خوانی کی محبت نے اندھا اور بہرہ بنا دیا۔ کسی نے ٹھیک کہا حُبُّکَ الشَّیْءَ یُعْمِیْ وَیُصِمّ آپ نے مبتدا من کان لہ امام کی خبر بلا وجہ مقدر نکالی یعنی فلیقرء لنفسہ اس کو سری جہری سب میں معتبر رکھا کہ امام اپنی قرأت کرتا ہے تم اپنی کیا کرو۔ ان کو شرم نہ آئی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کہ حضرت امام زہری رحمۃ اللہ تعالیٰ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کا تعامل فانتھی الناس عن القراۃ مع رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم فیما جھر فیہ نقل فرما رہے ہیں کہ حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے فاتحہ پڑھنے سے رُک گئے جب کہ آپ کی ناراضگی پڑھنے پر انھوں نے دیکھی سُنی۔ اس کے مناسب تو تقدیر یہ بنتی ہے: من کان لہ امام فلا یقرء، یہی تقدیر حضرت زید بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے فرمان کے مطابق بھی بنتی ہے: لَا قِرَأۃَ مَعَ الْاِمَامِ فِیْ شَیءٍ۔ بلکہ یہی فرمانِ خداوندی کے مطابق وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰن فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ۔ جیسے حضرت امام رازی رحمۃ اللہ تعالیٰ عنہ کی تقریر میں گزشتہ گزرا کہ استماع کامل توجہ سے سننے کو کہتے ہیں اپنے پڑھنے میں امام کی قرأت کی طرف پوری توجہ نہیں رہتی۔ ولہٰذا لازم ہے کہ مقتدی امام کے ساتھ قرأت نہ کرے۔ اس لیے فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ کا اصل مقصد لَا تَقْرَءُوْا عِنْدَ قِرَأۃِ الْاِمَام ہی ہے۔ تفصیل پہلے گزر چکی ہے اور ان کی یہ عبارت بھی گزر چکی ہے: تحصّل قراءۃ المأموم یفضی الیٰ ترك الاستماع المأمور یعنی (مقتدی کا قرأت کرنا استماع مامور واجب کے خلاف ہے) اس کلام کا تقاضا بھی یہی ہے: من کان لہ امام فلا یقرأ معہ۔

اگر آپ کی عقل اور فہم یہ کہتی ہے لا صلوٰۃ لمن لم یقرئ بفاتحۃ الکتاب ضرور مقتدی کو شامل ہے اس لیے فلیقرئ لنفسہ کی تقدیر حدیث میں نکالنی چاہیئے تو میں کہوں گا کہ آپ کی فہم و دانش سے حضرت جابر بن عبد اللہ جلیل القدر صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی بات اولیٰ واقرب ہے کہ وہ الّا ان یکون وراء الامام فرمارہے ہیں کہ فاتحہ کا پڑھنا امام کے پیچھے نہیں کرنا چاہیئے۔

اس کے بعد عرض یہ ہے کہ ہمیں علامہ سندھیؒ کی پیش کردہ دوسری جزو میں بھی کلام ہے کہ معنی یہ ہیں قراۃ الامام للامام۔ یعنی امام کی قرأت تو امام ہی کے لیے ہے۔ وجہ یہ ہے کہ حنفیہ کثرھم اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ امام کی قرأت اگرچہ تحقیقاً امام کی ہے لیکن حکمی طور سے یہی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

قرأت مقتدیوں کی بھی سمجھی گئی ہے۔ ان کو مستقل قرأت کی حاجت نہیں۔ جیسے سترہ امام کا جو حقیقتاً امام ہی کے سامنے ہوتا ہے لیکن وہ حکمی طور پر مقتدیوں کا بھی سمجھا گیا ہے ان کو مستقل قرأت کی حاجت نہیں ہے اور ان کو الگ الگ سترہ کی تکلیف نہیں دی گئی۔ کیونکہ اگر مقتدی خود بھی قرأت کریں جب کہ امام بھی قرأت کرتا ہے تو لازمی طور امام کی قرأت کے سننے میں خلل آتا ہے پوری توجہ سے نہیں سنی جائے گی اور یہ بات یقیناً کلام الٰہی کے اکرام و احترام کے خلاف ہے اس ضرورت سے مقتدی کا سننا ہی کافی سمجھا گیا۔ اسی کو حکمی قرأت کہا جاتا ہے۔ اس لیے شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے مقتدی کو اذا قرأ فانصتوا کا حکم دیا۔ یہی مقصد حدیث نبوی کا ہے۔ من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قرأۃ۔ یعنی تکفیھم قرأۃ الامام۔ اس طرح قرأۃ الامام قراءۃ للمأموم کا معنی بن کر مفید جملہ بن گیا۔ بخلاف اس کے کہ وہ معنی کیے جائیں جو کہ فاضل سندھیؒ نے کیے ہیں کہ قرأت امام کی امام کے لیے ہے۔ خبر کے جانب سے فائدہ جدید کچھ بھی نہ ہوا۔ جیسے کہو غلام زیدٍ غلامٌ لہٗ یا سَیفُ زیدٍ سیفٌ لہٗ۔ الغرض مبتدا قرأۃ الامام میں اضافت علم مخاطب پر دلالت کرتی ہے کہ وہ بخوبی اس سے امام کی قرأت سمجھتا ہے۔ اس کے بعد قرأۃ الامام کے حکم میں فائدہ نہ رہا تو صاحب جوامع الکلم اور افصح العرب کے کلام کا مصداق یہ کیسے بنا؟ دیکھئے! شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے جنگِ بدر کے موقع پر حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو ان کی اہلیہ حضرت رقیہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا بنتِ رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بیماری کی وجہ سے گھر رہنے کا حکم دیا مصلحتِ وقتی کا تقاضا یہی تھا اس کے باوجود کہ وہ جنگ کے میدان میں نہیں گئے ان کو بدری کہا جاتا ہے۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے لك اجر من شھد بدراً وسھمہ بھی فرمایا۔ اسی طرح مقتدی جب بضرورت احترام و اکرام سماعِ کلام خداوندی پڑھنے سے روکا گیا اور مقتدی بعذر شرعی رکا تو اس کو قاری کا حکم دے دیا گیا۔ اس کا سماع حکمی قرأت سمجھا گیا۔ یہ بات پہلے بھی آچکی ہے۔ مقام کی مناسبت سے پھر ذکر کر دی گئی ہے۔ بخاری شریف صنہ۲ میں ہے عن النبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انہ کان اذا تکلم بکلمۃ اعادھا ثلاثا حتی تفھم عنہ۔ اس بیان

Telegram : t.me/pasbanehaq1

سے ایک اور بات بھی معلوم ہوئی وہ یہ کہ مصنف خیر الکلام نے آیت کریمہ اَنْ لَیْسَ لِلْاِنْسَانِ اِلَّا مَا سَعٰی سے یہ سمجھا اور سمجھایا کہ قرأت امام کا فعل ہے یہ اسی کا ہوا اس سے مقتدی قاری نہیں بنتا اسکی نماز بلا فاتحہ پڑھے ہوئے نہیں ہوگی۔ اگر مراد یہی ہے، تو حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ معرکہ جنگ بدر میں نہ تھے۔ جنگی کچھ کام نہیں کیا پھر ان کو حاضرین جنگِ بدر میں سے کیوں شمار کیا گیا؟ سہم کیوں دیا گیا؟ جنگ تو کی نہیں۔ بلکہ اجر بھی کہاں پا سکتے ہیں جب کہ کام کیا ہی نہیں؟ جو جواب آپ اس کا دیں گے وہی پورا مقتدی میں جاری کرنا ہوگا۔ اگر کہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ رکاوٹ باذن الشارع ہوئی۔ بعذرِ خاص ہوئی تو قرأت خلف الامام میں مقتدی کی رکاوٹ بھی بحکم خداوندی فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ اور بحکم رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا قرء فانصتوا ہوئی۔ اس میں بھی خاص مصلحت شرعیہ سببِ حکم ہے اور اس میں بھی۔ علامہ سندھیؒ کا یہ کہنا کہ امام نے تو اپنی جانب سے قرأت کی ہے یہ مقتدی کی کیسے بن سکتی ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ جنگ بدر میں لڑائی کرنے والوں نے بھی اپنی جانب سے (جنگ) لڑی ہے تو پھر یہ حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی کیسے بن گئی؟ ما هو جوابكم فهو جوابنا۔

الحاصل: مقتدی کا قرأت سے رُکنا جب حکم شرعی کے بجا آوری سے ہوا اور اس کے استماع و انصات ہی کو بجائے قرأت منظور کیا گیا تو اس کو قاری ہی سمجھا گیا۔ یہی معنی ہیں حضرت مولانا عبد الحیٔ صاحب رحمۃ اللہ تعالیٰ کی اس عبارت کے جسے مصنف خیر الکلام نے صـ۴۹۱ میں نقل کیا انّ الشّارع جعله فی حکم القاری لقرأة اِمَامِهٖ، اس جعله فی حکم القاری کا معنی یہی ہے کہ اس نے حقیقتاً اگرچہ قرأت نہیں کی لیکن اس کے بجائے بحکم الشارع استماع و انصات کیا ہے یہ امتثال حکم بمنزلہ قرأت ہی ہوا۔ اور یہ حکم شرعی ایک خاص مصلحت اور حکمتِ غامضہ کی وجہ سے ہوا۔ اور وہ احترام الٰہی ہے یہی ادب سکھایا گیا۔ اس لیے اس کو لا صلوٰۃ لمن لم یقرء کے ضابطہ سے مستثنیٰ کرنا پڑے گا۔

اس سے معلوم ہوا کہ علامہ سندھیؒ کا حدیث من کان له امام میں خبر فلیقرء لنفسه کا نکالنا بے جا ہے۔ قاری جب قرآن سُناتا ہے تو ایسے وقت کامل خاموشی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

حق شرعی ہے اگر ایسا ہوتا تو قرآن کریم میں یوں آتا: وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فاقرءوا. کیونکہ نزول آیت کریمہ کا جماعت مفروضہ کے بارہ میں ہے. مقتدیوں سے اگر پڑھوانا مقصود ہوتا تو یہی مختصر لفظ آتے اِسْتَمِعُوْا، اَنْصِتُوْا. طویل کلام کی کیا ضرورت تھی؟ جیسا کہ گزشتہ گزر چکا ہے. اس لیے فلیقرأ مقدر نکالنا غلط ہی ہے۔

مصنف خیر الکلام نے اس جگہ ایک اور لطیفہ بیان کیا. اس کو بھی دیکھتے جائیے۔

خیر الکلام صلا۴۹ پر فرماتے ہیں (اس حدیث کا مفہوم صرف اس قدر ہے کہ امام کی قرأت کا ثواب مقتدی کو ملتا ہے)۔ سبحان اللہ! جب آپ مقتدی کو کہتے ہیں کہ تم قرأت اپنے لیے خود کرو۔ کیونکہ امام کی قرأت تو امام ہی کے لیے ہے اس نے قرأت اپنے لیے کی ہے تو اس وقت امام کی قرأت کا ثواب مقتدی کو کیسے مل سکتا ہے؟ امام کا پڑھنا عمل خیر ہے اور وہ اس نے صرف اپنے لیے کیا ہے تو اس کا ثواب بلا نیت کیے ہوئے مقتدی کو ملنا آپ کیسے کہہ رہے ہیں؟ ہاں اگر یہ کہتے کہ امام نے قرأت کی مقتدی نے استماع کیا اور یہ استماع عمل خیر ہے اور اس کا ثواب مقتدی کو ملتا ہے۔ تو بات معقول بن جاتی بہرحال حدیث میں تو قرأۃ الامام قرأۃ لہ ہے۔ آپ ثواب قرأت معنی کرتے مضاف نکالتے ہیں۔ اس تقدیر کی کیا ضرورت ہے؟ یہ تو من مانی شریعت بن جاتی۔ غلط چال چلنے سے ٹھوکریں لگتی ہیں. صراط مستقیم کو چھوڑنا اسی کو کہتے ہیں۔

دیکھئے مؤذن اذان دیتا ہے جس نے اس کی اذان کا استماع کیا، نہایت غور سے اس کو سنا اس کو تو اس فعل خیر کا ثواب ملے گا. لیکن اس وقت جو لوگ اپنی باتوں میں لگے ہوتے ہیں کیا ان کو بھی اس اذان کا ثواب ملتا ہے؟ ہرگز نہیں. آپ کے مذہب کے مطابق مقتدی اپنی قرأت میں لگا ہوا ہوگا تو اس کو امام کی قرأت کا ثواب کیسے ملے گا؟ نہ امام نے اپنے فعل قرأت کے ثواب بخشنے کی نیت کی. نہ مقتدیوں نے توجہ سے اسے سُنا تو ویسے ان کو ثواب کیسے ملے گا؟ انما الاعمال بالنیات تو آپ کو یاد ہوگا، نہ اذان دینے والے نے اپنی اذان کے ثواب کی نیت کی کہ لوگوں کو پہنچے. نہ امام نے قرأت کرنے میں یہ نیت کی، نہ ثواب بخشا نہ بخشایا، پھر قرأت کا ثواب لوگوں کو کیسے آپ نے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کس قاعدہ سے پہنچا بیان کیا؟ اس عقدہ کشائی کا انتظار ہے۔

یہ اسی طرح کی بے معنی بات ہے جیسے فاضل مصنف خیر الکلام نے حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث میں کہا کہ حضرت ابوبکرہؓ نے جلدی سے رکوع میں جانا اس لیے نہیں کیا کہ رکعت مل جائے۔ فاتحہ نہ پڑھنے سے رکعت کہاں ملتی ہے؟ ہاں یہ جلدی چلنا اس لیے کیا کہ رکوع کا ثواب مل جائے۔ یہ ثواب ملنے کی تاویل جعلی اور توجیہہ القول بما لا یرضی بہ قائلہ کے قبیلہ کی بات ہے وہ تو خود فرماتے ہیں الخ۔ حشیت ان تفوتنی رکعۃ معک۔ یعنی مجھے رکعت کے چھوٹ جانے کا خطرہ ہوا اس لیے میں نے یہ جلد بازی کی اور فاضل مصنف کہتے ہیں کہ یہ جلد بازی رکوع کے ثواب کے لیے کی تھی کہ رکوع کا ثواب مل جائے۔ یہ تو من چہ گویم وطنبور من چہ گوید والی بات بن جاتی ہے۔

اس کے علاوہ یہ کہ آپ جانتے ہیں کہ سجدہ کا مقام رکوع سے اونچا ہے اس کے پانے کی فضیلت اور ثواب بھی زائد ہی ہوگا لیکن کبھی کسی صحابی تابعی نے سجدہ کے لیے ایسی جلدبازی نہیں کی۔ اگر ثوابِ رکوع حاصل کرنے کے لیے اس طرح جلدی جانا ہوتا تو سجدہ کے لیے بھی بطریق اولیٰ ایسا کیا جاتا۔ بات صرف یہ ہے کہ رکوع کے ملنے سے رکعت کا ملنا ہو جاتا ہے اس لیے یہ جلدبازی کی جاتی ہے بالکل واضح بات ہے۔ لیکن فاتحہ خلف الامام پڑھنے کے شیدائیوں پر اندھیرا بن گیا۔ وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے رکوع کا ثواب پانے کے لیے اس طرح جانا کیا۔ کسی نے یہ حیلہ سازی کی کہ یہ رکعت ان کی نہیں ہوئی اس کی قضا کی ہوگی۔ اگرچہ مذکور نہیں۔ یہ مہمل بات ہے۔ خود صاحبِ واقعہ کے فرمودہ بیان کے خلاف ہے انی خشیت ... الخ کہ مجھے رکعت کے فوت ہو جانے کا خطرہ تھا تب میں نے ایسا کیا تو آپؐ کی تقریر سے اس رکعت کا پا لینا اور صحیح ہونا ثابت ہوا۔

حدیث من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قرأۃ کی زد سے بچنے کا ایک اور طریقہ

فاضل مصنف خیر الکلام نے ص۲۹۲ میں امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی بات نقل کی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کہ یہ حدیث مُرسَل منقطع ہے حجت نہیں بن سکتی۔ (یہ حدیث حجاز اور عراق کے اہل علم کے ہاں ثابت نہیں۔ کیونکہ یہ مُرسَل ہے۔) سبحان اللہ! کیا ہی عجب عذر لنگ ہے۔ جواب سُنیئے:

ہم پہلے بتا چکے ہیں کہ یہ حدیث مدارِ مسئلہ نہیں۔ اصل مسئلہ کتاب اللہ اور سُنّتِ صحیحہ سے ثابت ہے۔ گزشتہ مفصّل بیان گزر چکا ہے۔ فی الحال یہ عرض کرنا ہے کہ فریقِ ثانی کے علماء اور فضلاء کو اپنے گھر کی طرف بھی نظر کرنی چاہیئے۔ نزاع امام کے پیچھے مقتدیوں کی فاتحہ خوانی کا ہے۔ امام بخاریؒ صحیح بخاری میں ایک بھی صریح حدیث اس بارہ میں نہیں لائے۔ صرف عمومات سے استدلال کیا ہے۔ اگر کسی حدیث کی سند میں کچھ ضعف ہوتا ہے تو امام بخاریؒ مجہول کے صیغہ سے ترجمۃ الباب میں اس کی طرف اشارہ کر جاتے ہیں۔ یُروٰی عن فلانٍ۔ یذکر عن فلان۔ باب وجوب القرأۃ للامام والمأموم میں اشارہ تک نہیں کیا نہ کوئی آیتِ کریمہ لائے ہیں۔ جس سے یہ مسئلہ اشارہ کے طور سے سمجھا جاتا۔ اس سے صاف پتہ چلتا ہے کہ ان کے پاس اس مسئلہ کی کوئی روایت صحیح نہیں جس کو محل استدلال میں لائیں ہماری حدیث اذا قرء فانصتوا صحیح مسلم میں آچکی ہے صحیح بھی ہے اور صریح بحق ماموم بھی ہے۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری میں اخرجہ مسلم فی صحیحہ من حدیث ابی موسیٰ الاشعریؓ فرما دیا ہے۔

ہاں امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ جزء القرأت کے رسالہ میں کچھ حدیثیں لائے ہیں۔ جن میں سب سے بہتر محمد بن اسحٰق کی وہ روایت ہے جس کو امام ترمذیؒ نے ص۲ج۱ محمد بن اسحاق عن مکحول عن محمود بن الربیع کے طریقہ سے نقل کیا ہے اور اس کو حسنٌ فرما گئے ہیں مگر محققین حضرات کا خیال یہ ہے کہ اصل میں یہ حدیث مُرسل اور منقطع ہے۔ امام ترمذیؒ کی سند شاذ ہے جو سب کے خلاف ہے۔ حضرت امام بیہقیؒ نے صاف فرمایا رواہ اھل الشام مُرسلاً۔ پھر پانچ رواۃ کے نام لیے کہ یہ سب مکحول عن عبادۃؓ نقل کرتے ہیں۔ ابنِ اسحاق کی سند مکحول عن محمود بن الربیع عن عبادہ پانچوں کے خلاف ہے اور چار اور راوی مکحول عن نافع بن محمود عن عبادہؓ نقل کرتے ہیں اور نافع بن محمود مجہول ہے اس کے علاوہ یہ کہ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

محمد بن اسحاق اور مکحول دونوں مدلسین میں سے ہیں۔ اور روایت عَنْ کے طریقہ سے کر رہے ہیں۔ مدلس کی روایت بصیغہ عَنْ مشکوک ہوتی ہے۔ امام شعبہؒ فرماتے ہیں: الزنا اھون من التدلیس اھ (نووی شرح مسلم ص۱۶۳ ج۱) اور مولانا مبارک پوری صاحبؒ نقل کرتے ہیں قال شعبۃ التدلیس حرام والمدلس ساقط العدالۃ اھ (تحفۃ الاحوذی)

یہ اجمالی باتیں ہیں عنقریب انشاء اللہ مفصل بیان آنے والا ہے۔ اس لیے ہم نے کہا کہ اپنے گھر کا حال بھی دیکھو۔

فائدہ: مصنف خیر الکلام نے ص۴۹۲-۴۹۳ میں حدیث من کان لہ امام فقرأۃ الامام لہ قرأۃ سے بچنے کا ایک اور راستہ اختیار کیا ہے کہ اگر بالفرض یہ روایت ثابت بھی ہو جائے تو اس کے مقابل فاتحہ کی فرضیت والی بھی ثابت ہے۔ تو اس صورت میں تطبیق یہ دی جائے گی کہ اوّل کے عموم سے فاتحہ کو مستثنیٰ کرنا ہوگا۔ جیسے زمین کو مسجد اور طہور کہا گیا لیکن مقبرہ حمام کو مستثنیٰ کیا گیا۔ بحوالہ جزء القرأت۔ (مختصراً)

الجواب: مشہور ہے کہ ہر شخص اپنے مطلب کی بات کہتا ہے بیان میں کبھی چالاکی بھی کر جاتا ہے۔ اسی لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا فرمان ہے کہ مدعی کے بیان کے بعد فیصلہ نہ کیا جائے جب تک مدعیٰ علیہ کا بیان سُن نہ لو، دوسری جانب کی عذر داری سُن کر صحیح فیصلہ ہوگا۔ شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ ارشاد اصولِ حکمت سے ہے دیکھئے میں نے گزشتہ کہا تھا کہ محل نزاع امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا، نہ پڑھنا ہے۔ فریق ثانی کے علماء کہتے ہیں کہ بلا فاتحہ پڑھے ہوئے مقتدی کی نماز نہیں ہوتی لیکن دلیل خاص مقتدی کے بارہ میں فاتحہ کے فرض ہونے کی ایک بھی صحیح اور صریح پیش نہیں کرتے، اور نہ کر سکتے ہیں۔ مصنف خیر الکلام نے بھی چالاکی سے کام لیا۔ کہتے ہیں کہ مقابل فاتحہ کی فرضیت کی بھی ثابت ہے۔ ہم فاتحہ کی فرضیت بحق مقتدی کی دلیلِ صحیح اور صریح پوچھتے ہیں اور یہ فاتحہ کی فرضیت والی یعنی لاصلوٰۃ الا بفاتحۃ الکتاب کو پیش کرتے ہیں اور اس میں مقتدی کا کوئی ذکر نہیں ہے۔ اور اگر محمد بن اسحٰق عن مکحول والی کو دلیلِ فرضیت کہتے ہیں۔ تو وہ صرف حَسَن درجہ کی ہے۔ جیسے کہ ترمذیؒ کے کلام میں گزرا اور ہم حَسَن

Telegram : t.me/pasbanehaq1

بھی نہیں مانتے اور حسن کا درجہ ومقام صحیح سے کم ہے۔ صحیح کے بالمقابل یہ ساقط الاعتبار بن جاتی ہے۔ یہی اصولِ حدیث کا مقررہ قانون ہے۔

ہم نے صحیح مسلم کی صحیح اور صریح آوردہ روایت اِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا کو پیش کیا ہے تم بھی اس کے بالمقابل صحیح اور صریح روایت لاؤ گے جب تطبیق کا راستہ لینا ہوگا۔ کیونکہ صحیح اور غیر صحیح یا صحیح وحسن کا کیا تقابل؟ رہا عام عنوان کی حدیث یعنی فاتحہ کی فرضیت والی جو آپ کہتے ہیں وہ صحیح ہے لیکن عموم میں تخصیص کا احتمال ہوتا ہے۔ اس عام میں پہلے بھی تخصیص ہو چکی ہے اس لیے اس کو اب صحیح مسلم شریف والی روایت کے ذریعہ سے مخصوص کرنا ہوگا۔ اس لیے کہ وہ صحیح اور صریح ہے۔ آپ نے الٹا راستہ لیا کہ من کان لہ امام والی مخصوص کرتے ہیں کہ اس میں قرأۃ الامام قرأۃ لہ سے مراد ماسوٰی الفاتحہ ہے کہ فاتحہ تو مقتدی ضرور پڑھے ہاں مازاد علی الفاتحہ قرأۃ الامام قرأۃ لہ کہتے ہیں۔ یہ دعوٰی تب صحیح ہوگا کہ خاص مقتدی کے بارہ میں صریح فاتحہ کا فرض ہونا آپ بتائیں۔ ورنہ آپ کی یہ تطبیق غلط ہے اس حسن کو صحیح کے مقابل میں ساقط کرنا ہوگا۔ خاص کے اثبات کے لیے عموم کی روایت کو ایسے موقع میں لوگوں کے سامنے پڑھنا اور پیش کرنا دھوکہ ہی ہے۔ دیکھئے حدیث میں ہے: عن ابی ہریرۃ کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکبر کُلَّمَا خَفِضَ وَرَفَعَ۔ یعنی نبی صلی اللہ علیہ وسلم جب بھی سر کو نیچا کرتے نماز میں یا اُٹھاتے تکبیر پڑھا کرتے تھے۔ یہ عام عنوان ہے۔ کلما کا لفظ عموم میں صریح بھی ہے حالانکہ حدیث سے ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع سے جب سر اٹھاتے تھے سَمِعَ اللّٰہُ لِمَنْ حَمِدَہٗ پڑھا کرتے تھے۔ تکبیر اس وقت نہ پڑھا کرتے تھے۔ ایسے ہی مقتدی اس وقت رَبَّنَا لَکَ الْحَمْدُ۔ پڑھا کرتا ہے۔ اللہ اکبر نہیں کہتا تو ان دونوں صورتوں کو اس عموم سے نکالنا ہوگا۔ کوئی شخص ایسے موقع میں کان یکبر کلما خفض ورفع کی رٹ لگائے تو وہ احمق ہی ہوگا۔ اسی طرح جب مقتدی کے بارہ میں خاص فرمانِ رسولؐ اِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا صریح آچکا ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا۔ اس کے بالمقابل

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اس وقت عمومی عنوان لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ پڑھنا بے اُصولی نہیں تو اور کیا ہے ؟ آپ جانبین کے دلائل کا موازنہ کریں اور فیصلہ کریں۔
وَاللّٰہُ یَھْدِیْ مَنْ یَّشَآءُ اِلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔

تطبیق جب دی جاتی ہے کہ دو حجتیں مساوی درجہ کی ہوں۔ ترمذی کی روایت حسن درجہ کی مسلم شریف کی صحیح کے بالمقابل کیسے قبول کی جا سکتی ہے ؟ ایسے حالات میں ترجیح دی جاتی ہے۔ صحیح کو لیا جاتا ہے اور مقابل کو چھوڑا جاتا ہے۔ انصاف کا فیصلہ تو یہی ہے۔ ضد کا علاج نہیں۔ یقدم ما فی الصحیحین علی غیرھا مسلم قانون ہے۔ عام کی خاص کے مقابل تخصیص ہی کیا کرتے ہیں۔ دیکھئے کلما خفض و رفع کو مخصوص ماسوی رکوع کے کیا گیا ہے یا نہیں ؟ لوگوں کے سامنے خاص کر عام طبقہ والوں کے سامنے اس عام عنوان والی حدیث کو بخاری کے نام سے پیش کرنا علمی امانت کے خلاف اور خیانت ہے۔ جیسے عوام کے سامنے بخاری کی حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی روایت کان یکبر کلما خفض و رفع پڑھو اور ان کو رکوع سے سر اٹھاتے ہوئے تکبیر کہنے پر آمادہ کرو اور یہ کہو کہ یہ بخاری شریف کی روایت ہے۔ بخاری شریف میں دیکھ اور پڑھ لو یہ لوگوں سے خالص فریب کاری ہو گی اسی طرح مسلم وغیرہ کی خاص صحیح اور صریح حدیث اذا قرأ فانصتوا کو چھوڑ کر عام ضابطہ والی حدیث کو جو مخصوص ہو چکی ہے عوام کے سامنے پڑھنا مغالطہ میں ڈالنا ہے۔
وما علینا الا البلاغ۔

تکملۃ البیان فی المتفرقات

گزشتہ ادلہ کے بیان میں بعض ضروری باتیں سوال کی وجہ سے چھوڑ دی گئی تھیں کہ اصل مقصد میں دوری اور الجھن پیدا نہ ہو جائے۔ اب عرض کرتا ہوں۔ کمال سعی محنت کے حاصل نہیں ہوتا۔ اسی کی طرف مسلم شریف ص ۲۲۳ ج ۱ میں یحییٰ بن کثیر کا فرمان نقل کرنے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

سے اشارہ کیا ہے۔ "لَا يُسْتَطَاعُ الْعِلْمُ بِرَاحَةِ الْجِسْمِ" یعنی آرام طلبی سے علم حاصل نہیں ہوتا۔ اسی کو بعض اہل حقائق نے بیان کیا لا یعطیک بعضہ حتی تعطیہ کلک۔ تم جب تک سب کچھ علم کے حوالے نہیں کروگے اس کو نہیں پا سکتے تم سب کچھ اس کا کر دو جب وہ اپنا کچھ حصہ تمہیں دے گا۔

سُنیئے! امام بخاریؒ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی جلالتِ شان ایک مسلّم حقیقت ہے۔ اسکے باوجود دوراندیشی نہ کرتے ہوئے بخاری شریف میں حنفیہ پر جگہ جگہ اعتراضات کئے گئے ہیں جس کے حسبِ موقع نہایت محققانہ جوابات دیئے گئے ہیں۔ امام موصوف نے جزء القرأت کے رسالہ میں اس موقع میں جو اعتراض کیا ہے اس کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے کہ بعض لوگوں کو امام بخاریؒ کے نام سے ان کے اعتراضات کی وقعت میں پھنسایا جائے۔ اَللّٰھُمَّ ارنا الحق حقا وارزقنا اتباعہ۔

اعتراض کی تقریر اس طرح کی کہ حنفیہ کہتے ہیں کہ جو شخص امام کے پیچھے نماز پڑھے امام کی قرأت کے زمانہ میں وہ خاموش ہو کر سُنے، قرأت نہ کرے اور ساتھ ہی یہ بھی کہتے ہیں کہ جو شخص امام کو فاتحہ یا سورت پڑھتے ہوئے پائے۔ جماعت میں داخل ہو وہ سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ وَبِحَمْدِکَ الیٰ اٰخرہٖ پڑھے۔ قرآن سے ثناخوانی کو انھوں نے اہمیت دی ہے۔ قرآن چھڑایا اور ثنا کے پڑھنے کا حکم دیا۔ فرمایا: فالقران اھون من الثناء عندھم۔

الجواب ومن اللہ التوفیق والھدایۃ۔ (۱) امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے حقیقت حال کو نہیں پایا اور بلا وجہ اعتراض کر دیا۔ وجہ یہ ہے کہ مذکورہ روایت جو حضرت امام بخاریؒ کی بیان کردہ ہے حنفیہ کرام کے نزدیک مرجوح قول ہے، مختار نہیں، مختار وہ ہے جو علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فتاویٰ میں لکھا کہ امام کی قرأت کے وقت آنے والا امام کے ساتھ نماز میں داخل ہو کر خاموش کھڑا رہے، ثناء خوانی نہ کرے۔ امام کی قرأت کے زمانہ میں ثناخوانی اور فاتحہ خوانی دونوں نہ کی جائیں۔ پس اعتراض رفع دفع ہو گیا۔ علامہ شامی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی عبارت یہ ہے: ص ۲۵۶ ج ۱ فی النھر عن الصغریٰ ادرک

Telegram : t.me/pasbanehaq1

الامام فی القیام یثنی مالم یبدء فی القرأۃ وقیل فی المخافتۃ یثنی وھو ضعیف۔ یعنی امام کو قیام میں ملے تو ثنا پڑھے جبکہ امام نے قرأت شروع نہیں کی۔ امام قرأت کررہا ہو تو اس وقت ثنا نہ پڑھے۔ ہاں یہ کہا گیا ہے کہ سری نمازوں میں ثنا خوانی کرلیا کرے لیکن یہ لطیف ضعیف ہے۔ دوسری جگہ ص۱/۳۶ میں فرمایا: قرأ سبحٰنک اللھم الا اذا شرع الامام فی القرأۃ سواء کان مسبوقا او مدرکا وسواء کان امامہ یجھر بالقرأۃ اولا۔ فانہ لا یأتی بہ۔ یعنی سبحٰنک اللھم مقتدی کو پڑھنا ہے لیکن امام قرأت میں شروع ہوگیا تو ایسے وقت ثنا نہ پڑھے۔ خواہ اول سے امام کے ساتھ ملا ہوا ہو یا بعد میں ملا ہو۔ امام جہر سے قرأت کرتا ہو یا مخفی کسی صورت میں ثنا نہ پڑھے۔ اور ایسا ہی دیگر محققین احنافؒ نے لکھا ہے اس سے حضرت امام بخاریؒ کا اعتراض رفع ہوگیا۔

(۲) خلف الامام فاتحہ پڑھنے کی ممانعت اس کے اھونیت (بے قدری) کی وجہ سے نہیں جیسے کہ حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے بلکہ یہ ممانعت اس کی جلالتِ شان اور عظمتِ مکان کی وجہ سے کی گئی ہے کہ خلفیت ایک طرح ذلت کی شان ہے۔ تقدم کو عزت اور تاخر کو ذلت سمجھا جاتا ہے۔ شاید اسی کی طرف فرمان نبویؐ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم میں اشارہ ہے: لعلکم تقرءون خلف امامکم شاید تم لوگ قرآن کو امام کے پس پشت پڑھا کرتے ہو۔ فرمایا فلا تفعلوا الیا مت کیا کرو۔ یہ قرأت خلف الامام کی ناپسندیدگی کی طرف اشارہ ہے۔ یہ کہنا بے جا اور غلط ہے کہ انھوں نے اونچا پڑھا تھا ورنہ لعلکم کیوں فرماتے؟ صاف نہی فرما دیتے۔

دیکھئے رکوع میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْعَظِیْم اور سجدہ میں سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی تین تین مرتبہ پڑھا جاتا ہے لیکن قرآن کی آیات کا رکوع میں یا سجود میں پڑھنا منع ہے، مکروہ ہے۔ یہ حکم اھونیت قرآنِ کریم پر دلالت کرتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ یہ عظمتِ شان قرآن کا پتہ دیتا ہے کہ سجدہ اور رکوع عجز و تذلل کی حالت ہے۔ بندہ کی شان کے لائق ہے۔ اللہ تعالیٰ کو اس عجز و انکساری سے منزہ مانا جاتا ہے اسی لیے ان میں سُبْحَانَ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

رلب العظیم اور اعلیٰ کہا جاتا کہ اے اللہ تو اس عجز سے پاک ہے اور ہمارے لیے یہ عجز ہے اسی طرح خلف الامام کی حالت بھی تذلل اور تاخر کی شان ہے اس میں قرآن کا پڑھنا مناسب شان نہیں خاص کر جب کہ قرآن کریم کو امام کا لقب دیا گیا ہے تو امام کو ماموم کی جگہ میں نہ رکھا جائیگا۔ پہلے بیان گزر چکا ہے۔

مزید سنیئے! کہ جنابت کی حالت میں تسبیح، تہلیل اور اذکار پڑھنے جائز ہیں۔ کان النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یذکر اللہ فی کل احیانہ آیا ہے۔ لیکن جنبی اور حائض کو قرآن پڑھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ لا تقرأ الحائض ولا الجنب شیئًا من القرآن۔ ترمذی شریف ص۳۵ میں آچکا ہے یعنی کہ حیض والی عورت اور جنبی شخص قرآن کریم کی تلاوت نہیں کر سکتا یہ اس لیے کہ یہ حالت نجاست مناسب شانِ رفیع کلام الٰہی نہیں کہ اس میں وہ قرآن کریم کی تلاوت کرے لیکن عام ذکر اذکار تسبیح تہلیل پڑھ سکتے ہیں۔

الحاصل: اس حکم امتناعی میں جلالت شان قرآن کریم ملحوظ ہے۔ اسی طرح خلف الامام ہونا بھی مناسب شان قرآن نہیں کہ قرآن امام ہے اور امام کا حق تقدم ہے نہ کہ تاخر۔ جب تنظیمی مقام ہوتا ہے تو عظیم المرتبہ کو آگے کیا جاتا ہے جیسے صف اول میں شیوخ کا حق اور صف ثانی میں نوجوانوں کا۔ اس کے بعد نسا کا حق ہوتا ہے۔ قرآن کی عظمت شان کا حق بھی یہی ہے کہ محلِ عظمت میں پڑھا جائے وہ امام کا مقام ہوتا ہے۔ جب کہ قرآن کو امام کا لقب بھی دیا گیا ہے۔ خلفیت کا مقام اس کے مناسب شان نہیں بنتا۔

امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس جگہ ایک اور اشکال کیا ہے کہ حنفیہ امام کے پیچھے فاتحہ پڑھنا منع کرتے ہیں۔ حالانکہ امام کی قرأت کے وقت فجر کی سنتوں کی اجازت دیتے ہیں کہ پڑھ لیا کرو۔ مقتدی کو اس وقت پڑھنے سے منع کرنا اور ایسے وقت میں آنے والے کو سنتوں کی اجازت دینا کیسے درست ہوا؟

پہلا جواب: ومن اللہ التوفیق والهدایۃ۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں فرمایا ہے وَإِذَا قُلْتُمْ فَاعْدِلُوا وَلَوْ كَانَ ذَا قُرْبَىٰ وَبِعَهْدِ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اللہ اَوْفُوْا۔ آپ سوچیں کہ حدیث شریف میں مقتدی کو حکم دیا گیا ہے۔ اِذَا قَرَأَ فَاَنْصِتُوْا گذشتہ تفصیل گزر چکی ہے۔

قرآن کریم میں وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا کا حکم بھی مقتدی کے بارہ میں ہے اور اصل نزول اس کا امامت کے مسئلہ میں ہے۔ گزشتہ بحوالہ تفسیر ابن کثیرؒ، ابن جریرؒ، امام نسائیؒ یہی بیان مفصل آچکا ہے۔ انصات خالص خاموشی کو چاہتا ہے۔ اَنَا خَطِیْبُہُمْ اِذَا اَنْصَتُوْا کی حدیث ثابت ہو چکی ہے۔ اسی طرح استماع کامل خاموشی سے سُننے کو کہتے ہیں جس میں زبان کو حرکت بھی نہ دی جائے۔ مقتدی کو امام کی اقتدار کے بعد اس حکم کی پابندی کرنی ہوتی ہے۔ جن لوگوں نے کہا کہ انصات کرتے ہوئے پڑھ بھی سکتا ہے اس کی مفصل تردید گزر چکی ہے۔ لیکن نماز سے خارج کوئی قرآن کی تلاوت کرے اس وقت خاموشی استحباب کے درجہ میں ہے۔ لازم نہیں۔

دوسرا جواب: گزشتہ بحوالہ ابن جریر صـ۱۶۳/ج۹ گزر چکا ہے کہ حضرت عطاءؒ اور حضرت عبیدؒ بن عمیرؒ آپس میں باتیں کر رہے تھے اور وہیں کوئی واعظ قرآن کریم کا وعظ کر رہا تھا، کسی نے ان دونوں کو کہا: اَلَا تَسْتَمِعَانِ؟ تم سُنتے نہیں۔ انھوں نے فرمایا: اِنَّمَا ذٰلِكَ فِی الصَّلٰوۃِ۔ یعنی خاموشی کا حکم نماز کی صورت میں ہے۔ نماز سے خارج استماع واجب نہیں۔ اس بیان سے روزِ روشن کی طرح معلوم ہُوا کہ سنتوں کا پڑھنے والا چونکہ امام کی نماز میں داخل نہیں لہٰذا وہ اپنا ضروری کام کر سکتا ہے۔ جب ضروری باتیں کرنا ممنوع نہیں ہیں۔ ابھی معلوم ہُوا، تو سُنتوں کا پڑھنا بالخصوص فجر کی سنتیں جو اوروں سے زائد مؤکّد ہیں۔ لا تترکوھما وان طردتکم الخیل۔ (طحاوی صـ۱۸۲/ج۱) آچکا ہے۔ ان کا پڑھنا جائز ہوگا۔ انصات کے حکم وجوبی کی پابندی صرف مقتدی کو ہے نہ باہر کے لوگوں کو۔

اس سے مصنف خیر الکلام کے اس سوال کا جواب بھی معلوم ہوگیا کہ وہ کہتے ہیں کہ قرأت کے وقت جب خالص خاموشی کا حکم ہے تو آنے والے کو تکبیر کا پڑھنا بھی ممنوع ہونا چاہیئے۔ جواب مشکل ہے۔ جواب ابھی معلوم ہُوا کہ تکبیر کہنے والا ابھی نماز میں داخل

Telegram : t.me/pasbanehaq1

نہیں ہوا وہ اس حکم میں نہیں آتا۔ جواب آسان ہے لیکن انصاف کی ضرورت ہے۔ ضد اندھا کر دیتی ہے۔ اشکال مسئلہ کی حقیقت نہ سمجھنے سے پیدا ہوا ہے۔

تیسرا الزامی جواب یہ ہے: کہ فریق ثانی خطیب کے خطبہ کے وقت جو شخص مسجد میں داخل ہو تو کہتے ہیں کہ وہ تحیۃ المسجد پڑھ کر مسجد میں بیٹھے کہ حدیث میں ہے:

اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمُ الْمَسْجِدَ فَلْيُصَلِّ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ اَنْ يَّجْلِسَ۔ جب خطبہ کے زمانہ میں سنتیں پڑھ سکتا ہے۔ آپ حکم دیتے ہیں تو نماز کی قرأت کے وقت آنے والا شخص وہ سنتیں کیوں نہیں پڑھ سکتا؟۔ خیر الکلام ص۵۶۱ میں نقل کیا ہے کہ حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں: فمصلی التحیۃ منصت یجوز ان یطلق علیہ انہ منصت فتح الباری ص۲ ج۱ ۔ دوسروں پر اعتراض کرتے وقت اپنے گھر کی طرف بھی دھیان کر لینا ضروری ہے۔ خاص کر جب کہ مصنف خیر الکلام بار بار لکھتے ہیں۔ شور و غل کرنا منع ہے۔ قرأت میں شور منع ہے۔ سنتیں پڑھنے والا کوئی شور و غل تو نہیں کرتا۔ اسے آپ کیسے روک سکتے ہیں؟

چوتھا جواب: اور یہی تحقیقی جواب ہے کہ فجر کے وقت امام کی قرأت کے زمانہ میں آنے والے کا سنتیں پڑھنا حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم سے مروی ہے۔ فتاویٰ ص۱۲۹ ج۱ مولانا عبدالحی صاحب میں ہے کہ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ اِنَّهٗ كَانَ يَدْخُلُ الْمَسْجِدَ والناس فی صفوف فی صلوۃ الفجر فیصلی فی ناحیۃ المسجد ثم یدخل مع القوم۔ یعنی حضرت ابو الدرداءؓ صبح کی نماز کے لیے مسجد آتے اور دیکھتے کہ مسجد میں لوگ جماعت سے نماز پڑھتے ہیں اور جماعت ہو رہی ہے تو مسجد کے کسی کنارے میں جا کر سنتیں پڑھ کر جماعت میں داخل ہوتے تھے۔

اسی طرح حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا عمل نقل کیا جاتا ہے۔ فتح الباری ص۱۰۳ ج۲ میں ہے عنہ اِنَّهٗ قَصَدَ المسجد فسمع الاقامۃ فصلی رکعتی الفجر فی بیت حفصۃ ثم دخل فصلی مع الامام۔ یعنی کسی موقع میں حضرت ابن عمرؓ مسجد کو صبح کی نماز کے لیے جا رہے تھے اتنے میں اقامت کی آواز سن لی۔ تو حضرت حفصہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنی ہمشیرہ کے گھر جا کر سنتیں پڑھ کر مسجد میں گئے اور جماعت میں شامل ہو گئے۔ اسی طرح حضرت ابن عباسؓ اور حضرت ابن مسعودؓ کا عمل نقل کیا جاتا ہے۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اس سے معلوم ہوا کہ ممانعت خلف الامام مع الامام قرأت کی ہے۔ سنتیں پڑھنا مسجد کے کونہ میں یا صف سے دور ہو کر ممنوع نہیں۔ ہاں قریب صف میں کھڑے ہو کر سنتیں پڑھنا مکروہ ہے۔ حنفیہ دُور دراز ہی صبح کی سنتیں پڑھنے کی اجازت دیتے ہیں۔

گزشتہ بیان سے معلوم ہو جاتا ہے کہ جس روایت میں اذا اقیمت الصلوٰۃ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ آیا ہُوا ہے اس سے مراد قریب جماعت کے کھڑے ہو کر سنتیں پڑھنا مراد ہے کہ ایسے حالات میں سُنتیں نہ پڑھنا مناسب ہے۔ لیکن دُور دراز پڑھ سکتا ہے جیسے حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے تعامل سے معلوم ہُوا۔ اور وہ بھی صرف فجر کی سُنتیں پڑھنا اس کی اجازت دی جاتی ہے کہ ان کی تاکید اوروں سے زائد آئی ہُوئی ہے اور ایک رکعت کے پانے والا مدرک سمجھا جاتا ہے اس لیے فجر میں دو رکعت پڑھنے کی گنجائش ہے۔ فلا صلوٰۃ الا المکتوبۃ میں یہی ناپسندیدگی مراد ہے وہ بھی اس صورت میں کہ جماعت کے قریب ہی پڑھتا ہو۔ حضرت حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ صفحہ ۲۸۹ ج ۲ فتح الباری میں فرماتے ہیں: باب اذا اقیمت الصلوٰۃ لما لم یقطع النبی صلی اللہ علیہ وسلم صلوٰتہ واقتصر علی الانکار دل ان المراد نفی الکمال یعنی جس شخص نے یہ سنتیں قریب صف ہی میں پڑھیں، آپؐ نے اس پر انکار تو کیا ہے جس سے ناپسندیدگی معلوم ہوتی ہے لیکن نماز توڑنے کا حکم نہیں دیا۔ اس شخص نے وہیں نماز پڑھ لی تو اس بات نے یہ پتہ دیا کہ لا صلوٰۃ الا المکتوبۃ سے نفی اصل نماز کی مقصود نہیں بلکہ کمال کی نفی مُراد ہے یعنی معمولی کراہت مراد ہے۔ اگر مکروہ تحریمی کا درجہ ہوتا تو نماز توڑ دینے کا حکم فرماتے۔ لیکن یہ بھی اس وقت ہے کہ قریب ہی صف میں پڑھے۔ دُور پڑھنے میں کوئی کراہت نہ ہوگی۔ واللہ اعلم۔

مصنّف خیر الکلام کی نافہمی یا کجروی

خیر الکلام ص ۳۹۹ میں لکھتے ہیں: "بعض حنفیہ کے کلام میں تعارض ہے" ایک جگہ لکھتے ہیں۔ اعتبار عموم لفظ کا ہوتا ہے نہ کہ خصوص سبب کا۔ اس پر جب تکبیر تحریمہ کا اشکال کیا گیا تو اس وقت یہ کہہ دیا: آیت کا مصداق اور مخاطب ہر ایسا شخص ہے جو امام کی اقتدا

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کر چکا ہو۔ (مختصراً)، یعنی یہاں تخصیص کردی۔ ان دونوں باتوں میں تعارض ہے۔

الجواب: اگر یہ بات قصورِ فہم سے کہی گئی تو اللہ تعالیٰ سمجھنے کی توفیق دے اور اگر تنگ نظری اور کج روی سے کی گئی ہے تو اللہ تعالیٰ معاف فرمائے۔ تعارض کچھ نہیں۔ آیت کریمہ کا شانِ نزول صلوٰۃِ مفروضہ ہونے کا معنی یہ نہیں کہ اس سے مختص ہے بلکہ اس کا اصل مورد ہونا مراد ہوتا ہے۔ نماز کے علاوہ ظاہر الفاظ کے اعتبار سے جمعہ اور عیدین کے خطبوں میں بھی یہ حکم معتبر ہوگا یعنی فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کا حکم سامعینِ خطبہ کو بھی شامل ہوگا۔ یہ عموم کے معتبر ہونے کا معنی ہے۔ اس کے مطابق بعض احادیث میں نزلت فی الخطبہ آبھی چکا ہے۔ لیکن نماز اور خطبہ جمعہ اور عیدین کے علاوہ ہر جگہ خارجی احوال میں شارع علیہ الصلوٰۃ والسلام نے یہ حکم معتبر نہیں کیا یعنی عموم بالغاً ما بلغ معتبر نہیں رکھا گیا اس لیے اس حکم کو تکبیر تحریمہ کی رکاوٹ میں اعتبار نہ کیا جائے گا۔ اسی طرح فجر کی سنتوں کی رکاوٹ میں اس کو پیش نہ کیا جائے گا۔ یا درسِ قرآن میں جب ایک پڑھتا ہے تو دوسروں کے لیے خاموش رہنے کا حکم اس آیت سے نہیں لیا جائے گا۔ شمول جب ہوتا ہے کہ عموم کے لیے کلما کا لفظ استعمال کیا جائے۔ ذ کے لفظ میں ایسا عموم نہیں ہوتا۔ بلکہ کہا جائے گا کہ یہ حکم یعنی وجوب استماع و انصات مخصوص ہے۔ نماز کے ساتھ یا نماز اور خطبہ جمعہ عیدین کے ساتھ۔ ان دونوں باتوں میں کوئی تضاد نہیں جیسے مصنف خیر الکلام نے اعتراض میں تعارض کا ہونا کہا اور عموم میں یہ تخصیص سلف صالحین نے کی ہوئی ہے جیسے حضرت عطا رحمہ اللہ تعالیٰ اور عبید بن عمیر رحمہ اللہ تعالیٰ کے قصہ میں حضرت ابنِ جریر رحمہ اللہ تعالیٰ نے نقل کیا ہے کہ وہ باتیں کر رہے تھے کسی نے ان سے کہا: اَلَا تَسْتَمِعَانِ اِلَى الذِّكْرِ تو فرمایا اِنَّمَا ذٰلِكَ فِی الصَّلٰوۃ یعنی استماع کا وجوب نماز میں ہے۔ ہم تو خارج از نماز ہیں۔ یہاں یہ حکم نہیں۔ جب باتیں کرنا منع نہ ہوئیں تو مقتدی کا آنے کے وقت اللہ اکبر کہنا کیسے منع ہو سکتا ہے؟ سنتیں فجر کی پڑھنا جب کہ امام قرآن پڑھتا ہو کیسے روکا جا سکتا ہے؟ درسِ قرآن میں ایک کے قرآن پڑھتے وقت دوسروں کے لیے استماع کا حکم کیسے واجب کیا جا سکتا ہے؟ یہ باتیں نافہمی پر مبنی ہیں۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہاں قرآن کریم میں کلما قرئ القرآن فاستمعوا آتا تو عموم مع بھلا ہیں میں تعیین کرنے کی گنجائش نکل آتی کہ تکبیر کیسے پڑھی کلما آیا ہوا ہے جنتیں کیسے پڑھتے ہو؛ کلما قرئ القرآن فاستمعوا لہ آیا ہوا ہے مگر درحقیقت یہ بھی مغالطہ ہی بنتا۔ کلما میں بھی تخصیص آجاتی ہے۔ ابھی گزر چکا کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نقل کرتے ہیں کان النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکبر کلما خفض ورفع۔ حالانکہ سمع اللہ لمن حمدہ۔ ربنا لک الحمد میں ایسا نہیں ہوتا لیکن آیت کریمہ میں تو اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا ہے۔ اذا میں عموم نہیں ہوتا جیسے کسی نے کہا: اِذَا دَخَلْتِ الدَّار فانتطلق۔ تو ایک ہی دفعہ دخول دار سے طلاق پڑتی ہے۔ دوسری تیسری دفعہ سے نہیں پڑتی ہاں کلما کا لفظ کہا گیا ہو تو ہر دفعہ دخول سے طلاق پڑجاتی ہے۔ فاضل مصنف کے تینوں اعتراض اگر ضد پر مبنی نہیں تو نافہمی ضرور ہے مگر ان کی قوم بے جا پنوں کی باتوں کا تول وزن نہیں کرتی۔

الحاصل: کلما اور متی موجبہ کلیہ کے لیے آتے ہیں ان میں عموم افراد کا ہوتا ہے اور اذا عموم کے لیے وضع ہی نہیں ہے۔ سلم العلوم کو اٹھا کر دیکھیں فرمایا۔ اِنْ وَاِذَا للاہمال یعنی اِنْ اور اذا قضیۂ مہملہ بنتا ہے اور مہملہ جزئیہ کے درجہ میں ہوتا ہے۔ قد یکون کے معنوں میں آتا ہے۔ قرآن مجید میں کلما قرئ یا متی قرئ نہیں آیا حدیث میں اذا قرئ فانصتوا اور قرآن کریم میں اذا قرئ القرآن۔ ان کا مصداق نماز میں امام کا قرآن پڑھنا ہے یا خطیب کا خطبہ جمعہ وعیدین میں پڑھنا۔ ان میں خاموشی کا حکم بیان کیا گیا۔ تکبیر تحریمہ اور درس قرآن اس کا مصداق نہیں ہیں۔

فاضل مصنف خیر الکلام کی خوش فہمی یا نا انصافی۔ ص ۲۱۰-۲۱۱ پر نظر ڈالیے۔ قوم کو کیسے سبق دے رہے ہیں۔ حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا فرمان حدیث میں ہے: مَا ضَلَّ قَوْمٌ بَعْدَ هُدًى كَانُوْا عَلَيْهِ اِلَّا اُوْتُوا الْجَدَلَ۔ کوئی قوم بے انصافی پر اتر آئے اور بلا دلیل خاص الجدال پر آجائے تو یہ اس کی گمراہی کی نشانی ہے اعاذنا

اللہ من الغوایۃ والضلالۃ ۔ فرماتے ہیں ۔

خلاصہ : ۱ : وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ آیت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ مقتدی فاتحہ نہ پڑھے ۔ کیونکہ قرآن مجید کی متعدد آیات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ قرآن مجید پڑھتے وقت اور کچھ بھی کہا جا سکتا ہے ۔ سبحان اللہ ! کیسی دلیری سے یہ اقرار کیا گیا ہے ۔ جنابِ مَن ! صرف ایک آیت بتائیں کہ اس میں قرآن مجید پڑھتے ہوئے کچھ کہنے پڑھنے کی اجازت پر دلالت ہو ۔ آپ امام کے ساتھ ہی فاتحہ پڑھتے ہیں اور اس کی قوم کو تلقین کر رہے ہیں اور حوالہ قرآنی آیات کا دے رہے ہیں کہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن پڑھتے ہوئے اور سنتے ہوئے اور کچھ پڑھ سکتے ہیں ۔ اس مضمون کی ایک آیت پیش کیجئے ۔ کیا ان سے وہ آیاتِ ثلاثہ مراد ہیں جو آپ نے پیوند لگا لگا کر ان کو فاتحہ خلف الامام کی دلیل بنایا ہے کیا ان میں یہ دلالت ہے کہ قرآن پڑھتے ہوئے اور سنتے ہوئے کچھ اور پڑھا جا سکتا ہے ۔ ایک حرف ان میں اس مطلب پر دلالت کرنے والا نہیں پایا جاتا ۔ عوام کو دھوکہ میں نہ ڈالیں اور اگر اس سے وہ آیات مراد ہیں جن کے بعد کچھ پڑھنے کا سبق دیا گیا ہے مثلاً اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقَادِرٍ عَلٰی اَنْ یُّحْیِیَ الْمَوْتٰی اس کے بعد سُبْحٰنَکَ اللّٰھُمَّ فَبَلٰی کہا جاتا ہے ۔ اَلَیْسَ اللّٰہُ بِاَحْکَمِ الْحَاکِمِیْنَ کے بعد بَلٰی وَاَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاھِدِیْنَ ، پڑھا جاتا ہے ۔ وَغَیْرَ ذٰلِکَ تو یہ بھی فریب ہے کیونکہ یہ جواب آیاتِ مذکورہ کے بعد دیا جاتا ہے ۔ عین قرأت کے وقت نہیں پڑھا جاتا ۔ آیتِ کریمہ میں اَلَیْسَ ذٰلِکَ بِقَادِرٍ ۔ الآیۃ ۔ سوال ہے ۔ جواب سوال کا ہمیشہ سوال کے ختم ہونے کے بعد دیا جاتا ہے ۔ درمیان میں بولنا تو بے قاعدگی ہے اور بیوقوفی کہی جاتی ہے آپ تو کہتے ہیں قرآن پڑھتے ہوئے اور کچھ بھی کہا جا سکتا ہے ۔ شاید آپ نے قوم کو یہی بے قاعدگی کا راستہ سکھایا ہو ۔ دیکھئے قرآن جب وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ کا حکم دیتا ہے اور استماع کامل خاموشی سے سننے کو کہتے ہیں ۔ پڑھنا اس کے منافی ہے ۔ جیسے مفصل بیان گزر چکا ہے تو قرآن اس کے اُلٹ کیسے حکم دے سکتا ہے ؟

Telegram : t.me/pasbanehaq1

یا اجازت دے سکتا ہے کہ قرآن پڑھنے کے وقت بھی تم کچھ اور کام کر سکتے ہو۔ کیا یہ قرآن کریم سے بے توجہی نہیں بنتی ؟

۲ : اگر قرآن پڑھتے اور سنتے ہوئے قرآن یا کچھ اور پڑھا جا سکتا ہے اور قرآنی آیات اجازت دیتی ہیں جیسے مصنف خیر الکلام کا قول ہے تو حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو حضرت جبریل امین کے قرآن پڑھنے کے وقت کیوں منع کیا گیا۔ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو تو لَا تُحَرِّكْ بِهٖ لِسَانَكَ فرمایا گیا کہ آپ قرآن پڑھتے سنتے ہوئے زبان نہ ہلائیں اور آپ ص۴۱۰-۴۱۱ پر کھلی چھٹی دیتے ہیں کہ قرآن کی متعدد آیات دلالت کرتی ہیں کہ قرآن پڑھتے ہوئے تم بھی کچھ اور کہتے جایا کرو۔ سبحان اللہ ! اللہ تعالیٰ نے تو فَاِذَا قَرَاْنٰهُ فَاتَّبِعْ قُرْاٰنَهٗ فرمایا جس کی تفسیر حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما اِسْتَمِعْ وَاَنْصِتْ سے فرما گئے ہیں اور آپ اس کے خلاف چلتے ہیں۔ دیکھئے غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کے بعد سکھایا گیا ہے کہ آمین کہا کرو۔ لیکن یہ کہنا پڑھنا، آیت کے خاتمہ کے بعد وقفہ میں ہوا کرتا ہے اس لیے اذا قال وَلَا الضَّآلِّيْنَ کے بعد فاء تعقیبیہ لاکر فرمایا فقولوا آمین۔ فَبِاَيِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ کے بعد لَا بِشَيْءٍ مِّنْ نِّعَمِكَ رَبَّنَا نُكَذِّبُ کہنا سکھایا گیا ہے لیکن یہ بھی آیت کے خاتمہ کے بعد۔ اسی طرح اور جگہوں میں بھی غور فرمائیں ص۴۱۰ کہ اگر قرآن پڑھتے وقت اور کچھ بھی کہا جا سکتا ہے اور قرآن کی متعدد آیات اس پر دلالت کرتی ہیں۔ تو حضرات محدثین کرام نے اس کو کیوں چھوڑ کر یہ حکم دیا۔ واختار اهل الحديث أن لا يقرأ الرَّجُلُ مَعَ الْإِمَامِ إِذَا جَهَرَ بِهٖ ۔ (ترمذی) اور فَانْتَهَى النَّاسُ عَنِ الْقِرَاْءَةِ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ (ترمذی) کیوں نقل کیا گیا۔

مصنف خیر الکلام نے ص۴۱۱ میں حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو قرأت خلف الامام کا قائل بنایا۔ حالانکہ گزشتہ مؤطا امام مالک کے حوالہ سے نقل گزر چکی ہے کہ وہ اس کے خلاف ہیں۔ اس کے علاوہ یہ کہ امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جزء القرأت ص۲۶ میں فرمایا کہ رکوع کے ملنے سے رکعت کا ملنا وہ لوگ کہتے ہیں کہ جو قرأت فاتحہ خلف الامام

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کے قائل نہیں ہیں۔ ان حضرات میں سے حضرت[۱] ابن مسعود، حضرت[۲] زید بن ثابت، حضرت[۳] ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہم کے نام گنے ہیں۔ حضرت زید بن ثابت کا فتویٰ مسلم شریف ص ۲۱۵ میں ہے۔ لَا قِرَاءَةَ مَعَ الْإِمَامِ فِي شَيْءٍ اسی طرح خیر الکلام ص ۱۳۹ میں حضرت ابوالدرداء رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو بھی قرأت خلف الامام کے قائلین کی فہرست میں شمار کیا گیا ہے حالانکہ ان کا فتویٰ نسائی شریف ص ۱۴۶ میں مذکور ہے کہ وہ فرماتے ہیں ما اری الامام اِذَا اَمَّ الْقَوْمَ اِلَّا كَفَاهُمْ۔ یعنی امام کی قرأت مقتدی کو کافی ہو جاتی ہے۔ اسی طرح حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قائلین قرأت خلف الامام میں شمار کیا گیا ہے یہ بھی ایک مغالطہ ہے جو بیان ہو چکا ہے۔ اسی طرح خیر الکلام ص ۳۴۴ میں حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو قائلین فاتحہ خلف الامام میں شمار کیا گیا ہے اور یہ غلط ہے ابھی امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی جزء القرأت ص ۴۶ کا حوالہ گزرا۔ مصنف خیر الکلام نے نمبر ۴۷ پر پہنچ کر فاتحہ خلف الامام پڑھنے کی دلیل بیان کی اور اس میں قوم کو دھوکہ دیا۔ ممکن ہے کہ دھوکہ نہ دیا ہو وہ خود بھی اس دھوکہ میں پڑے ہوں۔ ضَلُّوا فَاَضَلُّوا واللہ اعلم بات کوئی ایسی گہری نہیں کہ وہ نہ سمجھے ہوں۔ ہرچہ بادا باد۔ غلطی کی نشاندہی کرتا ہوں۔ ص ۴۰۶ میں لکھا کہ ایک صحابیؓ نے آپؐ کے پیچھے نماز میں یہ کلمات کہے۔ اللہ اکبر کبیرًا والحمد للہ کثیرًا وسبحان اللہ بکرۃً واصیلاً (مختصر) آپؐ نے اس کو پسند کیا۔ دوسرے شخص نے الحمد للہ حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا فیہ... الخ کہا تو آپؐ نے فرمایا کہ بارہ[۱۲] فرشتوں نے ان کلمات کے لکھنے کے لیے جلدی کی۔ (مسلم ص ۲۱۹ ج ۱، نسائی ص ۱۴۲ ج ۱) اس کے بعد یہ نتیجہ نکالتے ہیں اس سے پتہ چلتا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم آپؐ کے پیچھے جب ایسے کلمات پڑھ لیتے تھے جو نماز کی صحت کے لیے شرط نہیں اور آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ان کی مدح کرتے اب یہ کیسے باور کیا جا سکتا ہے کہ آپؐ نے فاتحہ سے لوگوں کو روکا ہو گا۔ انتہیٰ۔

یاد رہے کہ دوسرے شخص کے یہ کلمات مصنف خیر الکلام نے نہیں لکھے۔ میں نے لکھ دیئے تاکہ پتہ چل جائے۔ انھوں نے مجمل ہی لکھا ہے اور امام نسائی (ص ۱۴۲ ج ۱ میں) اللہ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اکبر الحمد للہ حمدًا کثیراً طیباً مبارکاً فیہ۔ کے علاوہ الدعاء بین التکبیرۃ والقرأۃ میں نوع آخر من الذکر بعد التکبیر کے تحت لائے ہیں اس سے بالکل واضح ہے کہ یہ کلمات قرأۃ سے پہلے تکبیر تحریمہ کے بعد پڑھے گئے۔ فاضل اہلِ حدیث کے استدلال کا حاصل یہ ہُوا کہ جب ایسے کلمات آپ کے پیچھے مقتدیوں نے جماعت میں پڑھے اور آپ نے منع نہیں فرمایا تو فاتحہ کا پڑھنا کیونکر منع ہو گیا ؟

الجواب : استدلال تو نہایت مختصر اور آسان ہے مگر اس کی قیمت بیت العنکبوت کے برابر بھی نہیں ہے۔ قیمت کیسے ہو ؟ ٹھگی کی بات کو کون سُنتا اور مانتا ہے؟ فدوی نے مصنف نے بے سوچے سمجھے یہ لکھ دیا ہے یا لوگوں کو پاگل سمجھے بیٹھے ہیں۔ دیکھئے بات تو یہ ہو رہی ہے کہ جب امام قرآن مجید کی قرأت و تلاوت کرتا ہو تو ایسے وقت اُسے نہایت ہی غور و توجہ سے سُنا جائے نہ بھی سُنے تو قرآن کریم کی عظمت کے پیشِ نظر خاموش رہے کہ حکم یہی ہے نہ یہ کہ اپنی الگ قرأت میں لگ جائے اور امام کی قرأت کی طرف پورا دھیان اور التفات ہی نہ کرے اور اس طرح اس میں نقص واقع ہو جائے اور یہ قرآن کریم کی عزت و عظمت اور شان کے منافی ہے۔ قرآن کریم اسی کی ہدایت دے رہا ہے۔ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا یعنی جب قرآن پڑھا جائے تو اس وقت تم پوری توجہ سے اُسے سُنو۔ حدیث بھی یہی فرماتی ہے اذا قرأ فانصتوا جب امام قرأت کرے تو تم خاموش ہو جاؤ اور زبان بند کر دو۔ اب میں پوچھتا ہوں کہ آپ یہ بتائیں کہ آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے جن دو صحابہ کرامؓ نے یہ بابرکت کلمات پڑھے تھے، کیا یہ امام کی قرأت کے وقت پڑھے گئے تھے کہ ان کی ممانعت آپؐ نے نہیں فرمائی بلکہ آپؐ نے ان کو پسند کیا ؟ یہ کلمات تو انھوں نے ثناء کی جگہ اور قرأت سے پہلے پڑھے تھے جیسا کہ امام نسائی رحمۃ اللہ تعالیٰ کی تبویب سے عیاں ہے ورنہ سبحانک اللّٰھمّ... الخ۔ ثناء کی جگہ اور متعدد ادعیہ اور اذکار کا ذکر نسائی میں موجود ہے اس وقت پڑھنے سے کون روکتا ہے ؟ آپ کا جی چاہے تو پڑھ سکتے ہیں۔ اسی طرح دوسرے صحابی

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کے کلمات جن کو بارہ[۱۲] فرشتے لینے آئے تھے آپ کی دلیل نہیں بن سکتے۔ اس لیے کہ ان کا پڑھنا بھی تکبیر تحریمہ اور قرأت کے درمیان ہُوا تھا جیسا کہ مبوب الواب مسلم حضرت امام نووی نے ان کلمات پر یہ باب قائم کیا ہے۔ باب مایقال بین تکبیرۃ الاحرام والقرأۃ۔ (ص۲۱۹ ج۱) کیا یہ امام کی قرأت کا زمانہ ہے ایسے رنگ میں استدلال کرنے والے سے بس یہی کہا جا سکتا ہے کہ ہوش سے بات کیا کریں۔ بے محل بات کرنے والے کے لیے یہی سبق بہتر ہے۔ اس بیان میں مصنف خیر الکلام نے دونوں جگہ چالاکی سے کام لیا ہے اور دونوں جگہوں کے کلمات کا محلِ وقوع بیان نہیں کیا۔ صرف مجمل انداز سے کہہ دیا کہ صحابہ کرامؓ آپؐ کے پیچھے جب ایسے کلمات پڑھ لیتے تھے... الخ۔ آپؐ کے پیچھے ایسے کلمات پڑھے گئے۔ بارہ[۱۲] فرشتوں والے کلمات کا سرے سے ذکر ہی نہیں کرتے کہ شاید کسی کو پتہ نہ لگ جائے کہ یہ تو امام کی قرأتِ قرآن کے زمانہ میں نہیں پڑھے گئے تھے تو اس سے استدلال کیسا؟ حق بات کو چھپایا نہیں کرتے۔ ہمیشہ کھوٹی چیز پر ہی پردہ ڈالا جاتا ہے اور اسی سے دھوکہ دینے والا کامیاب ہو جاتا ہے۔ ہم بھی یہ کہتے ہیں کہ یہ کلمات آنحضرت صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے پیچھے حضراتِ صحابہ کرامؓ نے پڑھے لیکن یہ بتائیں کہ کہاں پڑھے؟ کیا یہ آپؐ کے پیچھے قرأتِ قرآنِ کریم کے زمانہ میں پڑھے تھے؟ یہ بتانا آپ کے ذمہ ہے کیونکہ آپ مُدعی ہیں۔ ہم نے یہ تفصیل عوام کو سمجھانے کے لیے کی ہے مصنف خیر الکلام کے جواب کے لیے تو اتنی ہی بات کافی ہے کہ ہوش سے باتیں کریں۔ بحالتِ نیند باتیں نہ کیا کریں کیونکہ نائم مرفوع القلم ہوتا ہے۔ حسب حدیث رفع القلم عن ثلاثۃ عن النائم حتی یستیقظ الحدیث۔ (ابوداؤد ص۲۴۸ ج۲، والترمذی ص۱۷۱ ج۱ والجامع الصغیر ص۲۴ ج۲ وقال صحیح)

تخصیصِ عام اور نسخ حکم کا بیان

اس کے بیان کی ضرورت اس لیے محسوس ہوگی کہ مصنف خیر الکلام نے اس کے بیان میں کئی اوراق سیاہ کیے ہیں اور قواعد بازی سے فاتحہ خلف الامام کا راستہ نکالا ہے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

لیکن آپ جانتے ہیں کہ شارعِ عام کو چھوڑ کر بند گلی میں چلنے والے کو کہا جاتا ہے کہ پیچھے مڑ جاؤ۔ چلنے میں آپ نے غلطی کی ہے۔ پہلے چند اصولی باتیں مقام کی تشریح کے لیے عرض کرتا ہوں۔ بعد میں مقصد کا تذکرہ کروں گا۔ واللہ الموفّق، ومنہ الھدایۃ۔

تخصیص کا معنی قَصْرُ الْحُکْمِ عَلٰی بَعْضِ الْاَفْرَادِ کرتے ہیں۔ یعنی عام کے بعض افراد پر حکم کو بند کر دینا جیسے مشہور مثال اقتلوا المشرکین ولا تقتلوا اھل الذمہ یعنی قتل کا حکم اہلِ ذمہ کے علاوہ دیگر مشرکین کے لیے ہے اس کو تخصیص بالکلام المستقل کہا جاتا ہے۔ استثناء کو تخصیص بغیر المستقل کہتے ہیں۔ دونوں میں اصل حکم بالکلیہ رفع نہیں ہوتا۔ ہاں کچھ تغییر ہو جاتی ہے اور نسخ رفع الحکم بالکلیّہ کو کہتے ہیں جیسے کنت نھیتکم عن زیارۃ القبور الا فزوروھا کہ اجازتِ زیارتِ قبور سے نہی کا حکم منسوخ ہو گیا۔ آپ جانتے ہیں کہ حکم اٹھانے والی دلیل اصل کے برابر درجہ کی ہو گی یا اس سے فائق اور قوی کیونکہ ضعیف دلیل قوی کو رفع نہیں کر سکتی پھر جیسے استثنا موصول ہوتی ہے۔ اسی طرح دلیلِ تخصیص بھی موصول ہی ہوتی ہے اگر متأخر آجائے تو اس کو نسخ کہتے ہیں۔ توضیح میں فرمایا کل ما ھو تفسیر یصح متراخیا۔ یعنی جو نصّ شرعی کسی حکم کی تفسیر اور تشریح کے درجہ میں ہو تو وہ متراخی بھی ہو سکتی ہے۔ کیونکہ یہ بیان محض ہنتی ہے ہاں جس میں تغییر ہو وہ موصولاً وہی ہو گی۔ فرمایا کل ما ھو تغییر لا یصح الّا موصولاً اتفاقا کالاستثناء۔ یعنی کوئی آیت یا حدیث تفسیر کے درجہ کی ہو تو وہ متراخی بھی ہو سکتی ہے لیکن جس میں تغییر ہو وہ موصول ہی ہو گی جیسے مستثنیٰ۔

(۲) جب دو آیتیں یا حدیثیں یا آیت اور حدیث ایسی آجائیں کہ ان کے حکموں میں اختلاف ہو اور تاریخ معلوم نہ ہو تو ان کو باہم مقارن ہی سمجھا جائے گا اور دونوں کے حکموں میں مناسب مقام وحال توجیہ کی جائے گی کہ تخالف رفع ہو جائے۔ حاشیہ توضیح تلویح ص۲۹۶ میں ہے ان مجھول التاریخ محمول علی المقارنۃ یعنی تاریخ معلوم نہ ہو تو بلا وجہ مقدّم مؤخّر نہیں بنایا جائے گا۔ بلکہ موصول بنا کر مسائل نکالے جائیں گے۔ مثالوں کے بیان میں طول ہو گا۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

(۳) علامہ شامی [illegible] معلوم ہوا [illegible]
[illegible] العصر بیان کرتے ہوئے [illegible] تشبیہ نہیں کرتے کیونکہ
[illegible] جاتے ہیں۔ [illegible] لا كلام [illegible]
اس [illegible] ہوتا ہے۔ [illegible]
[illegible] الا [illegible] [illegible]
[illegible] لاسلام [illegible] بے شک [illegible] تحسین ہے۔

(۴) [illegible] ۱۲۶۰ھ میں [illegible]
[illegible]
[illegible]
[illegible] تحسین [illegible]
[illegible] ہے [illegible]
[illegible] ہے۔ [illegible]
[illegible]
[illegible] ہے۔ [illegible]
[illegible]

اس [illegible] نے [illegible] قرآن کریم کی
[illegible] لانہ [illegible] ہو سکتی ہے نہ تخصیص [illegible]
ہو سکتی ہے۔ [illegible] لانہ [illegible] بعض مورد [illegible]
[illegible] جب [illegible] ہو [illegible]
[illegible] بھی ہو۔ کیونکہ خبر واحد [illegible]
[illegible] بھی ہو۔ [illegible] لانہ [illegible]
[illegible] کتاب اللہ [illegible]
نہیں [illegible] معلوم ہوا کہ تخصیص [illegible]

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مثلِ اوّل کے ہونی چاہیئے یا اس سے فائق درجہ کی کم درجہ والی تغییر نہیں کرسکتی بلکہ خود ساقط ہو جائے گی۔ عقل اور نقل کی شہادت یہی ہے۔ انصاف کا تقاضا بھی یہی ہے ایک معمولی کلرک کو کیا حق ہے کہ جج صاحب یا اور کسی افسر کی فرمودہ بات میں ترمیم کرے۔ فرمانِ نبی صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اذا وسد الامر الی غیر اھلہ فانتظر الساعۃ کا تقاضا بھی یہی ہے۔ کہ اہل اور نااہل کی شناخت کی جائے۔ ہر افسر اپنی پاور کے اندر ہی رہتا ہوا کام کرتا ہے۔ کلکم راعٍ ومسئول عن رعیتہٖ فرمان بھی صحیح ثابت ہے۔ عوام بے چارے حدیث کے مراتب نہیں جانتے۔ لیکن اہلِ علم تو جانتے ہیں۔

صرف یہ سبق لوگوں کو سکھایا جاتا ہے کہ لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَاب۔ بخاری کی حدیث ہے اس میں مقتدیوں کو حکم ہے کہ فاتحہ پڑھیں نہیں تو نماز نہیں ہوگی اور ڈنکے بجاتے ہیں۔ چیلنج کرتے پھرتے ہیں کہتے ہیں اور کسی کی نہ سنو جگہ جگہ عوام غیر مقلدین حنفیہ کو تنگ کرتے ہیں۔ یہ نہیں دیکھتے کہ یہ خبر واحد ہے۔ ظنی الثبوت ہے۔ حدیث کے صحیح ہونے سے وہ قطعی تو نہیں بن جاتی اور اس بخاری کی عام عنوان والی روایت میں صریح مقتدی کا حکم نہیں ہے۔ صرف لفظی عموم ہے اور عام میں اغلب تخصیص ہوا کرتی ہے اس حدیث میں بھی تخصیص آچکی ہے۔ حدیث (ترمذی ص۶۶) میں ان کان معك قرآن فاقرء ما تیسّر کے بعد والّا فاحمد اللہ وکبرہ وھللہٗ بھی روایت میں مروی ہے اور مدرک رکوع بلا فاتحہ پڑھے ہوئے اس کی نماز جمہور کے نزدیک ہو جاتی ہے یہی بات حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمائی۔ لکھتے ہیں: بعض متأخرین شافعیہ جیسے ابنِ منذرؒ اور ابنِ خزیمہؒ اس کا انکار کرتے ہیں۔ لیکن قوی جمہور کا قول ہی ہے۔ جیسے یہ مستثنیٰ ہیں اسی طرح مقتدی کے استثنا کی روایت بھی مسلم شریف میں اذا قرأ فانصتوا صریح ثابت ہو چکی ہے۔ غور کریں کہ اس حدیث کا ثبوت بھی ظنی ہے کیونکہ یہ خبر واحد ہے اور دلالتؔ مقتدی پر بھی ظنی ہے جیسے ابھی معلوم ہوا۔ تو اس سے آیت کریمہ کے حکم میں تغییر نہیں ہو سکتی۔

الحاصل: بخاری شریف کی یہ حدیث صحیح ہے لیکن بالمقابل قرآنِ کریم کی آیت

وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ وَاَنْصِتُوْا ثبوت کے اعتبار سے قطعی ہے ہاں مقتدی کے بارہ میں ہونا ظنی ہے کیونکہ یہ الفاظ خطبۂ جمعہ وعیدین کو بھی شامل ہیں۔
قول راجح اگرچہ نماز کے بارہ میں نازل ہونا ہے۔ لیکن شبہ سے خالی نہیں۔ لہٰذا آیت قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ بن گئی۔ یہ حسب قاعدہ راجح رہے گی۔ واجب الاعتبار ہوگی اس حدیث (لَاصَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَأْ بِفَاتِحَۃِ الْکِتَابِ) کا مقام اور رتبہ آیتِ کریمہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ سے نازل درجہ یعنی کم رتبہ میں ہے آیت قطعی الثبوت ظنی الدلالۃ ہے اور حدیث ظنی الثبوت، ظنی الدلالت ہے۔
اور اگر فریقِ ثانی کا استدلال فاتحہ خلف الامام کے فریضہ ثابت کرنے میں ترمذی، ابوداؤد کی روایت سے ہے جو محمد بن اسحٰق عن مکحول کے طریقہ سے مروی ہے تو اس میں ان کو دیکھنا ہوگا کہ یہ حدیث اس سند سے مروی شدہ صرف حسن کے درجہ کی ہے۔ حدیث عبادہؓ حدیث حسن ص۴۲ پر امام ترمذیؒ فرما چکے ہیں۔ اور وہ صحیح سے کم درجہ کی ہوتی ہے۔ جیسے ادنیٰ درجہ کا پاس کہہ دیتے ہیں۔ عوام اگرچہ مراتب کا فرق نہیں جانتے وہ حسن کو بھی صحیح کہہ دیں گے۔ اہلِ علم جانتے ہیں کہ مقبول کی اقسام میں ادنیٰ درجہ کی حدیث کو حسن کہتے ہیں۔ حسن روایت کو صحیح کے مقابلہ میں ترک کر دیا جاتا ہے۔ ہاں تقابل نہ ہو تو پھر حسن سے معمولی درجہ کا حکم ثابت ہو جاتا ہے۔ جمہور اسی کے قائل ہیں مگر حضرت امام بخاریؒ اور امام ابوبکر بن العربیؒ حسن حدیث کو سرے سے حجت ہی نہیں مانتے۔ (نیل الاوطار ص۲۲ ج۱) اور نواب صدیق حسن خانؒ لکھتے ہیں: عمل بر حسن جائز نیست نزد بخاریؒ۔ (مسلک الختام ص۱۴ ج۱) اور امام ابو حاتمؒ بھی حدیث حسن کو قابلِ احتجاج نہیں سمجھتے۔ (ملاحظہ ہو تدریب الراوی ص۸۷، و توجیہ النظر ص۱۴۶) لیکن ایک فریضہ کا اثبات اس سے ہرگز نہیں ہو سکتا۔ اس کے لیے قوی دلیل صحیح حجت اور صریح حدیث درکار ہوتی ہے۔ لیکن جب حسن صحیح کے مقابل پڑ جائے تو اس کو چھوڑ دیا جاتا ہے اور صحیح کو لے لیا جاتا ہے۔ موجودہ متنازعہ مسئلہ خلف الامام فاتحہ خوانی کا ہے اس میں صحیح مسلم شریف کی حدیث ثُمَّ لِیَؤُمَّکُمْ اَحَدُکُمْ فَاِذَا کَبَّرَ فَکَبِّرُوْا [illegible] آچکی ہے کہ مقتدی کا فریضہ انصات (خاموشی) ہے

Telegram : t.me/pasbanehaq1

یہ صحیح بھی ہے صریح بھی ہے اور ترمذی اور ابوداؤد والی مذکورہ روایت محمد بن اسحاق عن مکحول اعلیٰ صحیح نہیں ہاں حسن کے درجہ کی ہے۔ اس کو حسب قانون ساقط ہی کرنا ہوگا۔ بلکہ اگر ترمذی یا کوئی اور اس کو صحیح بھی کہہ دے جب بھی یہی فیصلہ کرنا ہوگا۔ کیونکہ نخبۃ الفکر میں حضرت حافظ ابن حجرؒ کا ضابطہ لکھا ہوا ہے: یقدم روایت ما فی الصحیحین علی غیرھما لعلو درجتھا فی الروایۃ۔ یعنی صحیحین کی روایت کو غیر پر ترجیح ہوگی کیونکہ ان کا مقام حدیث کی معرفت میں اوروں سے اونچا ہے۔ یہ بات میں نے حضرت امام ترمذی کے حسن فرمانے کو مانتے ہوئے کہی ہے ورنہ محمد بن اسحاق کی روایت حسن کب ہو سکتی ہے؟ عنقریب تفصیلی بیان آنے والا ہے کہ یہ روایت حسن ہونے کے قابل بھی نہیں ہے بلکہ شاذ مردود ہے۔ میں کہا کرتا ہوں کہ حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اسے رعایتی پاس کیا ہے۔ امام موصوف اس کی اطراف و جوانب کو زیر نظر نہیں لائے۔ ورنہ حسن کہنا بھی مشکل نظر آتا ہے۔ (یہ باتیں عرض کرنے کے بعد خیال آیا کہ کچھ تفصیل بیان کی جائے۔ اور فاضل جماعت اہل حدیث مصنف خیر الکلام کی کچھ کرم فرمائیاں آپ کے سامنے پیش کروں۔ صحیح فیصلہ دونوں طرفوں کی باتوں کے بعد ہو سکتا ہے۔ جونسی باتیں آپ کے دل کو لگتی ہیں قبول کیجئے۔ واللہ الحسیب)

مصنف خیر الکلام نے چالاکی سے قوم کو اندھیرے میں ڈالا ہے

خیر الکلام ص۲۰ میں جب یہ سمجھے کہ اس حدیث (لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب) کے صرف صحیح بن جانے سے تو کام نہیں چلتا۔ کیونکہ یہ خبر واحد ہے اور آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا کے مقابل اس کو کون مانے گا؟ آیت قطعی درجہ کی محکم ہے۔ خبر واحد کا درجہ کم ہی ہوتا ہے اس کو دیکھ کر انھوں نے کروٹ بدلی۔ لکھتے ہیں، اور حدیث لاصلوٰۃ بقول امام بخاریؒ متواتر ہے جزء القرأت ص۶۵ اور متواتر کے ساتھ حنفیہ کے ہاں قرآن کی تخصیص اور نسخ بھی جائز ہے وہ سمجھے کہ متواتر بن جانے کے بعد یہ بھی قطعی حجت بن جائیگی۔

الجواب: مِنَ الْمَلِكِ الْوَهَّابِ:

Telegram : t.me/pasbanehaq1

مَا كُلُّ مَا يَتَمَنَّى الْمَرْءُ يُدْرِكُهُ   تَجْرِي الرِّيَاحُ بِمَا لَا تَشْتَهِي السُّفُنُ

"انسان کو ہر تمنا حاصل نہیں ہوا کرتی۔ ہوائیں کبھی کشتی بان کی خواہش کے خلاف چلا کرتی ہیں۔"

اس تواتر سے اگر امام بخاریؒ رحمۃ اللہ تعالیٰ کے زمانہ کا تواتر مراد ہو تو یہ قول بجا ہوگا۔

لیکن محدثین کرامؒ تواتر کا معنیٰ یہ کرتے ہیں کہ ہر طبقہ میں طبقات کے (صحابہؓ، تابعینؒ، تبع تابعینؒ) اس روایت کی اتنی کثرت پائی جائے کہ عقلِ سلیم کو محض کثرت کو دیکھ کر یقین آ جائے۔ اگر اول طبقہ میں دو، چار ہی راوی ہوں بعد میں کثرت ہو جائے تو اس کو متواتر نہیں کہا جائے گا۔ اس کو خبر مشہور ہی کہیں گے۔ اگر حضرت عبادہ رحمۃ اللہ تعالیٰ کی یہ روایت بخاری اور مسلم کے علاوہ بقیہ صحاح ستہ میں پائی جائے جب بھی اس کو متواتر نہیں کہا جا سکتا حضرت امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ کی عادت ہے کہ اختلافی مسائل میں اپنے رجحان کو پکا کرنے کے لیے ایسے مبالغہ کے الفاظ بول دیتے ہیں۔ جزء رفع الیدین کے رسالہ میں آپ لکھتے ہیں لَمْ يَثْبُتْ عَنْ اَحَدٍ مِنَ الصَّحَابَةِ تَرْكُهُ۔ یعنی کسی صحابیؓ سے ترک رفع یدین ثابت نہیں۔ حالانکہ ان کے شاگرد رشید حضرت امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث لم يرفع يديه الا اول مرة کے بعد ص۶۵ فرماتے ہیں، وبه يقول غير واحد من اهل العلم من اصحاب النبي صلى الله تعالى عليه وسلم والتابعين۔ یعنی کثیر التعداد حضرات صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنھم کا یہی مذہب ہے جو حضرت ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرما رہے ہیں کہ وہ رفع یدین صرف ایک دفعہ تکبیر تحریمہ کے وقت کرتے تھے۔

الحاصل: تواتر حدیث کی فی نفسہٖ صفت ہے کہ زمانہ میں اتنی کثرت سے یہ روایت پائی گئی ہو کسی کے کہنے سے تواتر نہیں بنتا۔ یہ حدیث حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی خبر واحد ہی متواتر نہیں۔ ظنی الثبوت[1] ہے اور ظنی الدلالۃ[2] بھی ہے کہ مقتدی کو اس کے عموم میں داخل کر لیا جاتا ہے اور آیتِ کریمہ سورۂ اعراف والی قطعی الثبوت[1]، ظنی الدلالۃ[2] ہے۔ لہٰذا یہ حدیث آیت کی تخصیص نہیں کر سکتی۔ کیونکہ تخصیص تغییر کو کہتے ہیں اور یہ حدیث آیت کے مساوی درجہ کی نہیں ہے بلکہ کم درجہ کی ہے۔ اس لیے یہ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کہنا کہ مقتدی کے لیے انصات وخاموشی کا حکم ماسوائے فاتحہ کے ہے قطعاً غلط ہے کیونکہ مقتدی کے لیے یہ حکم بشمولیت فاتحہ تمام قراءت قرآن میں ہے۔

حاصل مقام یہ ہے کہ آیت کریمہ وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا جو قطعی الثبوت اور ظنی الدلالت ہے۔ نماز مفروضہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہی اس کا اصل مورد ہے لیکن لفظی طور سے اختصاص نماز کے ساتھ نہیں رکھتی اس لیے اس کو ظنی الدلالت کہا گیا ہے۔ اس کے برعکس حدیث اذا قرأ فانصتوا یہ امام اور مقتدی کے بارہ میں قطعی اور صریح ہے کیونکہ اس کا صدر حصہ انما جعل الامام لیؤتم به فاذا کبر فکبروا ہے اس میں انصات کا حکم مقتدی کو دیا گیا ہے لیکن خبر واحد ہونے کے لحاظ سے یہ ظنی الثبوت ہے۔ اور حدیث حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب یہ خبر واحد ظنی الثبوت ہونے کے ساتھ ظنی الدلالۃ بھی ہے۔ مقتدی کو اس کی ظاہری تعبیر یعنی لفظی عموم میں اعتبار کیا جاتا ہے۔ عام ویسے بھی ظنی ہوتا ہے کیونکہ اغلب اس میں تخصیص ہی ہوتی ہے اور ما نحن فیہ میں تو تخصیص صحیح حدیث میں آچکی ہے: الا فلحمد اللہ وکبرہ وھللہ۔ اس لیے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس روایت کو کیسے ترجیح دی جاسکتی ہے جب کہ اوّل دونوں حجتیں اس سے اقویٰ اور ارفع شان والی ہیں۔ اس لیے اس حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرء کے عموم کو ماسوائے مقتدی کے لیے اعتبار کرنا ہوگا۔ یعنی یہ کہ یہ حکم امام اور منفرد کا ہے کیونکہ مقتدی کے بارہ میں تو وہ دونوں شرعی دلیلیں اس سے اقویٰ درجہ کی آچکی ہیں۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ اس کے راوی حضرت سفیان بن عیینہ رحمۃ اللہ تعالیٰ حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اس حدیث کے بعد ھٰذا اذا کان وحدہٗ فرما رہے ہیں۔ (ابوداؤد) اسی طرح امام احمد رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قول اس حدیث کے متعلق اذا کان وحدہ امام ترمذیؒ نے ص۴۲ پر نقل کیا ہے۔ بلکہ حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہما کا فرمان بھی اس حدیث کے بعد الا ان یکون وراء الامام روایت کیا ہے۔ ترمذی ص۴۲۔

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اس بیان سے بخوبی واضح ہو گیا کہ لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب کی حدیث ظنی محض کو پیش نظر رکھنا اور اس کی تعلیم دینا اور آیت کو جو اس سے رفیع شان رکھتی ہے نہ لینا مرفوع کو راجح پر ترجیح دینا ہے جو بے انصافی ہے اور اعطاء کل ذی حق حقہ کی ذمہ داری کے خلاف ہے۔ بلکہ یہ بھی گزر چکا ہے کہ اس حدیث کے آخر میں فصاعدًا، وما زاد، فما زاد وغیرہ الفاظ بھی مروی ہیں۔ یہ بھی چاہتے ہیں کہ یہ حدیث مقتدی کے بارہ میں نہیں ہے۔ ہاں اس میں منفرد نماز پڑھنے والے شخص کا وظیفہ اور عمل بیان کیا گیا ہے یہ کئی دفعہ بیان گزرا ہے۔

ممکن ہے کہ کسی کے دل میں یہ کھٹکا گزرے یا کوئی دھوکہ دے کہ تخصیص تو کلام مستقل اور موصول کو کہتے ہیں جیسے اقتلوا المشرکین ولا تقتلوا اھل الذمہ میں ہے اور یہاں موصول ہونا نہیں پایا جاتا۔

جواب یہ ہے کہ ہم نے ان دونوں حدیثوں کو تاریخ نہ معلوم ہونے کی وجہ سے موصول اور مقارن بنایا ہے اس کو جہل بالتاریخ کہتے ہیں اسی طرح اس حدیث کو آیت کریمہ اعراف والی کے ساتھ ہونا اور تخصیص کا قول بھی کہا گیا ہے۔ حاشیہ تلویح نولکشوری ص۲۹۶ میں ہے ان مجھول التاریخ محمول علی المقارنۃ یعنی جن نصوص کی تاریخ معلوم نہ ہو ان کو مقارن ہی اعتبار کیا جائے گا۔ تقدیم اور تاخیر کا حکم تو سوائے علم تاریخ کے نہیں کیا جا سکتا۔ اس لحاظ سے حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ عام عنوان والی حدیث آیت کریمہ اعراف والی کے مقارن ہی اعتبار کی جائے گی۔ آیت کا حکم مقتدی کے لیے انصات محکم واجب العمل ہو گا اور حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث جس میں ظن در ظن ہے۔ اس کے تابع بنائی جائے گی یعنی اس کو ماسوائے مقتدی پر محمول کیا جائے گا۔ ظن در ظن اس لیے کہا گیا کہ ۱۔ خبر واحد ہونے کی وجہ سے ظنی ہے اس میں تواتر تو نہیں پایا گیا۔ اور ۲۔ مقتدی پر دلالت بھی صریح نہیں ہے۔ مقتدی کا حکم جو صریح کے درجہ میں آیت کریمہ سے مفہوم ہوتا ہے وہ اس ظنی حدیث سے بدلا نہیں جا سکتا۔ مقتدی کا حکم صریح کے درجہ کا اس لیے کہا گیا ہے کہ آیت کریمہ کا نزول نماز مفروضہ کے بارہ میں

Telegram : t.me/pasbanehaq1

ہی ہُوا اور اس کا اصل مورد ہی وہی ہے اور مصنف خیر الکلام کا قول ہے کہ کسی موقع پر عام لفظ بولے جائیں تو مورد تو قطعاً داخل رہتا ہے ۔ خیر الکلام ص۴۰۵ پہلے گزر چکا ہے ۔ شاید اسی وجہ سے حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس حدیث کے آخر میں اِلّا ان یکون وراء الامام فرما رہے ہیں ۔ (ترمذی)

مصنّف خیر الکلام فاضل جماعت اہلِ حدیث کی اُلٹی چال' اور اس میں ناکامی

ان واضح حقائق اور صحیح شواہد کو دیکھتے ہُوئے ان کو پس پُشت اور اپنے عندیات' خیالات اور روایاتِ ضعیفہ کو ایک فریضہ کے اثبات کے لیے قوم کے سامنے پیش کرنا مصنف خیر الکلام کا کتاب میں عام رَیہ پایا جاتا ہے دیکھئے خیر الکلام ص۴۰۵-۴۰۶ میں اپنے لوگوں کو یہ سبق دے رہے ہیں ۔ آیت تو بالاجماع مکی ہے اور حدیث مدنی ہے ۔ پھر حضرت عبادہؓ بن صامت کی مفصّل روایت میں تو مقتدی کا خاص طور پر ذکر ہے ۔ ص۴۰۶ مدینہ منورہ میں آپ نے یہ حکم دیا کہ بدون فاتحہ نماز نہیں ہوتی ۔ اور بعض روایات میں خلف الامام کا لفظ بھی موجود ہے ۔

اس میں کئی باتوں کا تذکرہ کر گئے ہیں ۔ اوّل یہ کہ حدیث لاصلوٰۃ لمن لم یقرأ آیت سے متأخر زمانہ کی ہے اور بعد از ہجرت مدینہ منورہ میں یہ حکم آپؐ نے دیا ۔ لہٰذا حدیث کا حکم ہی لیا جائے گا ۔ آیت کا یہ حکم متقدم زمانہ کا ہے اس کو چھوڑا جائے گا ۔ قرأت خلف الامام کی یہ دلیل ہے لوگوں کو یہ سناتے جاؤ ۔ اور ڈنکے بجاتے جاؤ ۔ بلکہ سبق میں یہ بھی پڑھایا کہ یہ حدیث حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (مصنف خیر الکلام نے کسی جگہ صحابہ کرام کے نام کے ساتھ رضی اللہ تعالیٰ عنہ یا عنہم کا لفظ نہیں لکھا) کی ان کی مفصّل روایت سے جس میں فجر کا تذکرہ ہے مختصر ہے اس سے جہری نمازوں میں بھی خلف الامام فاتحہ خوانی کا ثبوت ہو گیا لیکن اس کی تردید عنقریب گزر چکی کہ یہ حافظ ابنِ حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ کی ذاتی رائے ہے ۔ ان کی اوّل بات کا جواب سُنئے ۔ وَاللّٰهُ يَهْدِىْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ٥

الجواب : جب حدیث مدنی ہے اور آپ نے اس کو مدینہ منورہ کی تعلیم بتایا ، اور آیت اعراف مکی قبل از ہجرۃ کی ہے ۔ اس طرح تو حدیث متأخر ہو گئی ۔ پھر آپ نے اس

Telegram : t.me/pasbanehaq1

کو تخصیص کے قاعدہ کے نیچے کیسے ذکر کیا؟

تخصیص تو کلام مستقل موصول کو کہتے ہیں۔ متقدم متاخر کو تو ناسخ و منسوخ کہتے ہیں آپ نے مولانا عبدالحئی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا قول نقل کیا کہ حنفیہ خبر واحد سے تخصیص مانتے ہیں۔ کیا وہ خبر واحد سے نسخ بھی جائز کہتے ہیں؟ ہرگز نہیں۔ ناسخ کا حکم بطور معارضہ ہوتا ہے اور اس میں رفع الحکم السابق ہوتا ہے وہ اوّل حکم کی دلیل کے مثل سے یا اقوی سے ہوگا۔ خبر واحد سے نہیں ہو سکتا۔ کیا سیشن جج کا حکم ماتحت عدالت اٹھانے کی مجاز ہے؟ آپ نے تو تخصیص بعد نسخ میں فرق ہی اڑا دیا ہے۔ آپ نے آیت قطعی کا حکم حدیث ظنی الثبوت اور ظنی الدلالۃ سے اُٹھا دیا ہے یہ تو من مانی شریعت ہے۔ آپ اگر غیر مقلد ہیں تو ہوں لیکن دُنیا تو بڑوں کی مانتی اور ان کی باتوں پر عمل کرتی ہے عقل کا حکم بھی یہی ہے۔ ایک مریض پہلوان کو کیسے گرا سکتا ہے؟ حدیث بخاری میں آجانے سے قرآن کے برابر تو نہیں بن جاتی۔ عقل کا فیصلہ یہی ہے۔ ضد کا علاج نہیں۔ آپ کی قوم اگر فرقِ مراتب نہیں کرتی تو یہ اس کا قصور ہے دوسروں کو اس غلط روی پر کیسے لایا جا سکتا ہے؟

بلکہ اگر انصاف کی نظر سے دیکھیں تو یہ حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ والی حدیث مسلم شریف کی حدیث اذا قرأ فانصتوا کا مقابلہ بھی نہیں کر سکتی وہ صحیح ہونے کے بعد قطعی الدّلالۃ ہے کیونکہ وہ مقتدی کے بارہ میں خاص طور سے آئی ہے اور مقتدی کا حکم خلف الامام بتا رہی ہے جو محلِ نزاع ہے اور حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی یہ حدیث عام عنوان والی ہے۔ خاص مقتدی کا حکم بیان نہیں کرتی من لم یقرأ بقول آپ کے عام ہیں اغلب ہوتی ہے۔ عقل والے کے لیے اتنا بیان کافی ہے۔ یہ ہے فریقین کے دلائل کا موازنہ، غور سے پڑھیں اور عقل سے پوچھیں اور اس کی ہدایت پر چلیں عصبیت کو چھوڑیں۔

(۲) اس کے بعد فاضل مصنف خیر الکلام کی دوسری بات کو زیرِ نظر لائیں کہ "یہ حدیث مدنی ہے۔ مدینہ منورہ میں آپ نے یہ حکم دیا کہ بدون فاتحہ نماز نہیں ہوتی"، اس سے وہ اپنی جماعت والوں کو بتانا چاہتے ہیں کہ کوئی حنفی آیتِ کریمہ وَاِذَا قُرِئَ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

الْقُرْآنُ ... الخ سے استدلال کرے تو تم کہہ دینا کہ یہ آیت مکی ہے۔ قبل از ہجرت کے زمانہ کی ہے۔ آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے اس کے بعد مدینہ منورہ میں یہ حکم دیا کہ بدون فاتحہ نماز نہیں ہوتی۔ ہم اسی پر عمل کرتے ہیں اور لوگوں کو دعوت دیتے ہیں۔

الجواب: میں پوچھتا ہوں کہ اس بات کی دلیل پیش کرنی ہوگی کہ یہ فرمان مدینہ منورہ میں جاکر فرمایا۔ اگر یہ اس سے سمجھے کہ اس کا راوی حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ انصار مدینہ سے ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ مدینہ شریف کے چند انصار ہجرت سے پہلے مکہ شرفہا اللہ تعالیٰ کو گئے تھے جمرۂ عقبہ کے پاس آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے بیعت کی تھی اور آپ سے ہجرت کرکے مدینہ منورہ تشریف لے جانے کی درخواست بھی کی تھی لیکن آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے خداوند تعالیٰ کی اجازت کے انتظار کا فرمایا۔ ان انصار مدینہ رضی اللہ تعالیٰ عنھم میں یہ حضرت عبادہؓ بن صامت بھی تھے۔ کیا بعید ہے کہ ان دنوں کی اقامت میں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے نماز کا یہ مسئلہ ان حضرات کو بتایا ہو۔ نماز تو اول زمانہ نبوت سے ہی شروع ہے۔ مشکوٰۃ شریف کے آخر میں اسماء رجال کا رسالہ ہے۔ اس کے ص۱۲ میں ہے عبادۃ بن الصامت شہد العقبۃ الاولیٰ والثانیۃ وشہد بدرا۔ اس طرح یہ حدیث بھی مکی بن گئی جیسے آیت مکی ہے۔ یہ دونوں اس اعتبار سے مقارن بن گئے اور ان میں تخصیص کا حنفیہ کرام نے کہا کہ اس حدیث (لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ) سے مراد ماسوی مقتدی کے نماز پڑھنا ہے یعنی انفرادی نماز۔ اس میں فاتحہ ضرور پڑھی جائے گی۔ مقتدی کا حکم تو آیت اور حدیث دونوں نصاً بیان کر رہے ہیں۔ لیکن مصنف خیر الکلام نے حدیث کو مدنی بنا دیا کہ بعد از ہجرت آپ نے یہ حکم دیا اور اس طرح آیت کے حکم کو منسوخ بنا رہے ہیں۔ یہ سب جعلی کاروائی ہے جو نرے تعصب پر مبنی ہے۔

(۳) مصنف خیر الکلام فاضل جماعت اہل حدیث نے عام عنوان والی حدیث جو حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے مروی ہے اس کو فجر کے قصہ والی مفصل حدیث سے مختصر ہونے کا دعویٰ کیا ہے کہ یہ خاص مقتدی کے بارہ میں آئی ہے اور کہا کہ اس طرح

Telegram : t.me/pasbanehaq1

موم کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا کیونکہ اس میں لا تفعلوا الا بفاتحۃ الکتاب کی استثنار مروی ہے۔ اس میں خاص مقتدی کو فاتحہ خوانی کا حکم دیا گیا ہے۔ فانہ لا صلوۃ الا بفاتحۃ الکتاب آیا ہوا ہے اور کہا کہ اس طرح یہ حدیث آیت وَاِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَہٗ کے لیے مخصص بن سکتی ہے کہ استماع و انصات ضروری ہے لیکن مقتدی کو فاتحہ پڑھنا ضروری ہے۔ انصات ماسوٰی فاتحہ کی قرأت کے وقت ہوگا۔

مزید فاضل اہل حدیث نے حضرت مولانا عبد الحی صاحبؒ کا حوالہ بھی دیا کہ انھوں نے کہا ہے کہ حنفیہ کے نزدیک خبر واحد سے تخصیص ہو سکتی ہے وہ سمجھے کہ الزام پختہ ہو گیا کیونکہ حدیث حضرت عبادہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی اگرچہ خبر واحد ہے لیکن اس سے تخصیص ہو سکتی ہے بلکہ خیر الکلام صفحہ ۴۱ پر لکھا: ہمارے نزدیک احادیث کے ساتھ تخصیص تقیید ہو سکتی ہے (وغیر ذلک)۔ یہ ان کی مراد کی تفصیل ہے اب اس کے بعد فسادات اور خامیاں جو اس میں ہیں ان کو ملاحظہ فرمائیں۔

الجواب: مشہور ہے لَنْ یُّصْلِحَ العطار ما افسدہ الدَّھْرُ۔

بظاہر قوم نے ان کے ان علمی نکات سے خبردار ہو کر خراج تحسین ادا کیا ہوگا بھوکے کو باسی روٹی مل جائے تو خوشی مناتا ہے شکر گزاری کرتا ہے لیکن واقعہ یہ ہے کہ اس بیان تک انھوں نے قوم کو اندھیرے میں رکھ کر خطرناک مقام پر کھڑا کر دیا ہے۔ خاص کھوٹی چیز کو ملمع سازی سے چلو کر گئے ہیں۔ اللہ تعالیٰ سمجھ نصیب کرے۔

گذشتہ بیان گزر چکا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس مفصل روایت کو جس میں نجری نماز کا قصہ مذکور ہے عام عنوان والی روایت (لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَاْ) سے ملانے پر جو سنے کا دعویٰ کیا ہے لیکن یہ ان کا بلا دلیل اجتہادی نظریہ ہے حجت نہیں بن سکتا جیسے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس حدیث کو متواتر کہہ دیا تھا تاکہ کارآمد بن جائے لیکن گزر چکا کہ اس سے کام نہیں بنتا۔ اسی طرح حضرت حافظ رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہ دعویٰ بھی محض اپنی مذہبی پاسداری کی رعایت داری ہے۔ گزشتہ اس کی نظیر گزر چکی ہے۔ ولاحمد … الخ۔

(۲) مصنف خیر الکلام نے لَا صَلٰوۃَ لِمَنْ لَّمْ یَقْرَاْ۔ عام عنوان والی حدیث

کو مدنی کہا ہے۔ بیان گزرا کہ یہ دعویٰ بلا دلیل ہے۔ اس جگہ اس کو مختصر کہہ کر مدنی بنانا چاہتے ہیں کیونکہ حصّہ فجر کی نماز کا جو مفصّل روایت میں ہے وہ مدینہ منورہ کا ہے اور اس کو خاص بحق مقتدی بتا کر تخصیص کا دعویٰ کرتے ہیں کہ استماع و انصات کا حکم مقتدی کے لیے نہیں لیکن یہ نہ دیکھا کہ اس طرح یہ مختصر اور مفصّل دونوں متأخر ہو کر حکم قرآنی کے لیے ناسخ بن جائیں گے اور حضرت مولانا عبد الحی رحمۃ اللہ تعالیٰ جن کا آپ نے حوالہ دیا ہے وہ خبر واحد کا کتاب اللہ کے لیے ناسخ ہونا نہیں مانتے اور اس متأخر کو آپ تخصیص کے ضابطہ کے نیچے لاتے ہیں۔ آپ کی قوم اگر ایسی بے تمیزی کرتی ہے تو ان کی مرضی۔ باشعور اور اہلِ علم حضرات تو کہتے ہیں کہ ناسخ کا درجہ اور مقام منسوخ کے مساوی ہونا چاہیئے یا قوی۔ ضعیف قوی کا مقابلہ کیسے کر سکتا ہے؟ اسی مجبوری سے تو امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کو خبر متواتر کہہ دیا تھا۔ جیسا کہ اس کا بیان گزر چکا ہے۔

(۳) تعجب کی بات تو یہ ہے کہ یہ مفصّل فجر کے واقعہ والی حدیث جس کو حضرت حافظ ابنِ حجر رحمہ اللہ تعالیٰ اور آپ عام عنوان والی (لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ) کا ماخذ بناتے ہیں اور کہتے ہیں الظاھر انہ مختصر من ھذا۔ یہ صحیح بھی نہیں۔ امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ اس کو حسنؒ فرما رہے ہیں۔ اور حسن صحیح سے کم درجہ کی حدیث ہوتی ہے صحیح کے مقابلہ میں اس کو ردّ کر دیا جاتا ہے۔ آپ حضرات ایسی کمزور، دق اور سل کی بیمار روایت کو کتاب اللہ کے مقابل اعتبار کر رہے ہیں اور صحیح مسلم کی حدیث کو چھوڑ رہے ہیں۔ جب مختصر حصّہ یعنی لا صلوٰۃ لمن لم یقرأ بفاتحۃ الکتاب صحیح ہونے کے باوجود قرآنی حکم فاستمعوا لہ وانصتوا کے مقابل نہیں اعتبار کیا جا سکتا۔ جس کا تذکرہ ابھی گزرا تو یہ محمد بن اسحٰق عن مکحول عن محمود بن الربیع والی مفصّل روایت۔ حسن درجہ کی حدیث آیتِ کریمہ کے بالمقابل کیسے اعتبار کی جا سکتی ہے؟ یہ مفصّل روایت صرف حسن درجہ کی ہے اور یہ تو مسلم شریف کی صحیح حدیث اذا قرأ فانصتوا کے مقابل بھی قبول نہیں ہو سکتی کیونکہ یہ صحیح اور صریح ہے اور آپ کی محمد بن اسحٰق عن مکحول والی صرف حسن کے درجہ کی حدیث ہے اور ان شاء اللہ العزیز عنقریب آپ نے والا ہے کہ امام [illegible] کا اس [illegible]

بھی رعایتی ہے اور آپ اس کو مدنی بتا کر اور آیت کریمہ سے متأخر کہ کر اس پر عمل کرتے ہیں بلکہ اس کو دیکھ کر مقتدی پر فاتحہ فرض ہونے کا حکم کر رہے ہیں کیا یہ بے اصولی بات نہیں ہے؟ غیر مقلدی کیا اسی کا نام ہے کہ مسلمہ قواعد کو نظر انداز کیا جائے اور من مانی کی جائے؟ محمد بن اسحٰق کی یہ روایت اگرچہ ابوداؤد، ترمذی، نسائی، جزء القرأت میں لائی گئی ہے اور امام ترمذی رحمۃ اللہ تعالیٰ اس کو حسنٌ فرما رہے ہیں لیکن محمد بن اسحٰق اس سند کے بیان میں منفرد ہیں اور وہ مدلس بھی ہیں اور روایت عن مکحول عن محمود کے طریقہ سے کرتے ہیں۔ مدلس کی عن والی روایت مشکوک ہوتی ہے۔ مدلس راوی کبھی ضعیف الحال راوی کو گرا کر اوپر کی طرف منسوب کر کے عن کے ذریعہ سے روایت کر جاتا ہے۔ حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ رواہ اھل الشام مرسلاً یعنی شام والے ثقات اس حدیث کو مرسل طور سے نقل کرتے ہیں۔ یعنی مکحول عن عبادۃؓ کہتے ہیں۔ پانچ حضرات کے نام لیے جو اس طرح مرسل نقل کرتے ہیں۔ یہ پانچوں مکحول کے شاگرد ہیں۔ ابن اسحٰق ان سب کے خلاف نقل کرتا ہے۔ جب یہ مرسل روایت ہے تو صحیح مسلم شریف کی حدیث مسند صحیح کے بالمقابل کیسے اس کو لیا جا سکتا ہے۔ بلکہ حضرت امام بیہقی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے کہا کہ چار راوی اور مکحول عن نافع بن محمود عن عبادہ نقل کرتے ہیں اور نافع بن محمود مجہول من الطبقۃ الثالثۃ ہے۔ اسی لیے میں نے عرض کیا تھا کہ محمد بن اسحٰق کی اس دق و سل والی بیمار روایت کو لینا اور اس پر فاتحہ خلف الامام کے فریضہ کہنے کی مدار رکھنا انصاف کے خلاف ہے تفصیل ان باتوں کی انشاء اللہ تعالیٰ موقع پر آنے والی ہے۔

غور فرمائیں کہ محمد بن اسحٰق کی اس روایت میں اگر کچھ جان ہوتی تو امام بخاریؒ اس کو ترجمۃ الباب میں ہی ضرور ذکر فرما دیتے۔ باب تو وجوب القرأۃ خلف الامام کا باندھا، لیکن یہ حدیث ترجمۃ الباب میں بھی نہیں لائے۔ جہاں کہیں ضعیف حدیث ہوتی ہے وہاں صیغہ مجہول یُذکر عن فلان یا یروی کہہ کر ترجمۃ الباب میں لے آتے ہیں۔ شارحین کہہ جاتے ہیں کہ مجہول کے صیغہ سے لانا اس کے ضعف کی طرف اشارہ ہے لیکن باوجود اشد ضرورت کے امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے محمد بن اسحٰق کی اس حدیث کو ترجمۃ الباب

Telegram : t.me/pasbanehaq1

میں بصیغۂ مجہول بھی ذکر نہیں کیا۔ ہاں اپنے رسالہ جزءُ القرائت میں اسے ذکر کر دیا۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ امام بخاریؒ کے اس رسالہ جزء القرائت کا وہ مقام نہیں جو بخاری شریف کا ہے۔
غیر مقلدین عموماً یہ دھوکہ دیا کرتے ہیں اور امام بخاریؒ کی جزء القرائت کی حدیثیں نقل کر دیتے ہیں اور لوگوں کو اعتبار دیا کرتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے یہ روایت بیان کی ہے حالانکہ وہ روایت جزء القرائت کے رسالہ کی ہوتی ہے جس میں انھوں نے صحت حدیث کا التزام نہیں کیا۔ ابھی آپ نے دیکھا کہ اس کا راوی کون اور کیسا ہے ؟

اس مقام پر پہنچ کر یہ بات بھی یاد رکھیں کہ غیر مقلدوں کو عموماً یہ سبق پڑھایا اور سکھایا جاتا ہے کہ اگر کسی حنفی نے صحیح مسلم کی حضرت سلیمان تیمی رحمۃ اللہ تعالیٰ والی حدیث اذا کبّر فکبروا و اذا قرأ فانصتوا سے قرأت خلف الامام کے منع پر استدلال کیا تو تم کہہ دینا کہ اس حدیث کی سند امام مسلمؒ نے نہیں ذکر کی۔ ویسے کہہ دیا کہ زاد سلیمان التیمی فی ھٰذا الروایۃ اذا قرأ فانصتوا۔ لہٰذا یہ مسلم کی حدیث نہ ہوئی اور اس کو وہ مُسند نہیں لائے۔ یہ نکتہ انھوں نے امام نووی شافعی رحمۃ اللہ تعالیٰ کے کلام اور نقل سے کیا ہے۔ انھوں نے کہا: لم یرو ھا مسندۃ فی کتابہ۔ (نووی شرح مسلم ص ۱۷۵/۱ج)۔

اسی کے جواب کے لیے مَیں نے کئی جگہ لکھا ہے کہ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فتح الباری ص ۱۹۲/۲ج میں فرمایا: اخرجہ مسلم فی صحیحہ من حدیث ابی موسیٰ الاشعریؓ .... الخ۔ اس سے معلوم ہو گیا کہ حضرت امام مسلمؒ نے سند کے ساتھ اس حدیث کو بیان کیا ہے اور حافظ ابن کثیر رحمۃ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کما رواہ مسلم فی صحیحہ من حدیث ابی موسیٰ الاشعریؓ قال قال رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم انما جعل الامام لیؤتم بہ فاذا کبر فکبروا و اذا قرأ فانصتوا۔ (تفسیر ابن کثیرؒ ص ۲۸۰/۲ج)۔ اور علامہ ابو البرکات ابن تیمیہؒ نے مرفوع روایت میں یہ ارشاد یوں نقل کیا ہے: ثم لیؤمکم احدکم فاذا کبّر فکبروا و اذا قرأ فانصتوا۔ الحدیث۔ (منتقی الاخبار مع النیل ص ۲۴۹/۲ج)۔ اور

Telegram : t.me/pasbanehaq1

قاضی شوکانیؒ فرماتے ہیں: وقد اخرج مسلم فی الصحیح ھذہ الزیادۃ فی حدیث ابی موسیٰ الاشعریؓ .... الخ

اس سے واضح ہو گیا کہ حضرت علامہ نوویؒ کا یہ بہانہ طفل تسلی والی بات ہے۔ علامہ نوویؒ رعایت سے ایسی باتیں کر جاتے ہیں۔ دیکھئے حنفیہ کرام نے کہا کہ فرض مطلق قرأت قرآن ہے: فاقرء ما تیسّر معک من القراٰن حدیث میں ہے الحمد فاتحہ واجب ہے اس کے بدون نماز ناقص ہوتی ہے۔ لیکن امام نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ما تیسّر سے مراد یہی ہے۔

الجواب: کیوں جناب! فاتحہ کی تو سات آیات ہیں اور والعصر اور سورۃ الکوثر کی تین تین آیات ہیں۔ کیا سات کا پڑھنا آسان ہے یا تین کا؟ ما تیسّر کا مصداق آپ نے سات آیات والی سورۃ کو کیسے متعین بنا دیا۔ قُلْ ھُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ چار آیات ہیں۔ سات سے تو یہ بھی آسان ہے یہ بھی صرف مذہبی عادت سے انھوں نے کہا ہے۔ ورنہ اس کی حقیقت کچھ نہیں۔

علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا اس جگہ یہ فرمان بھی کچھ قیمت نہیں رکھتا کہ حضرت قتادہؒ کے شاگردوں سے صرف سلیمان تیمیؒ یہ زیادت (واذا قرأ فانصتوا) نقل کر رہے ہیں کیونکہ یہ زیادت دیگر رُوات کی رُوایت کے مخالف نہیں ہے۔ ہاں زیادۃ ثقہ کی ہے جو بمنزلہ حدیث مستقل سمجھی جاتی ہے۔ شافعیہ حضرات اس کو نہیں دیکھتے۔ یہ صرف ان کا لانا اور اوروں کا نہ لانا ذکر کر جاتے ہیں۔ یہ قواعد حدیثیہ کے خلاف ہے اسی غلط راستہ پر مصنف خیر الکلام بھی چلے ہیں حضرت امام مسلم رحمۃ اللہ تعالیٰ فرما چکے ہیں ھل ترید احفظ من سلیمان ان کا یہ کہنا اس جملہ کی صحت کی ضمانت ہے۔ یہ پورا بیان دوسری جگہ آچکا ہے۔

اسی طرح شارح علامہ نووی رحمۃ اللہ تعالیٰ کا یہ بیان بھی کوئی وقیع نہیں کہ سلیمان تیمیؒ کی اس رُوایت کی سند امام مسلمؒ نہیں لائے۔ غور فرمائیں جب کہ ان کی سند وہی مذکور متقدم ہے تو مستقل اسناد لانے کی کیا ضرورت ہے؟ دیکھئے ص ج ۱ امام بخاری رحمۃ

Telegram : t.me/pasbanehaq1

اللہ تعالیٰ قال ابن شہاب واخبرنی ابوسلمۃ بن عبدالرحمٰن ... الخ سے ایک مزید بات بیان کرنا چاہتے ہیں۔ لیکن امام بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اس کی مستقل سند بیان نہیں کی۔ اس جگہ حاشیہ میں کہتے ہیں کہ اسکی اسناد وہی متقدم ہے جو مذکور ہو چکی ہے یا امام کو کسی اور سند سے یہ روایت ملی ہو گی۔ اسی طرح یہاں بھی اس کی اسناد وہی متقدم مذکور ہے۔ اسی لیے حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ تعالیٰ نے اخرجہ مسلم فی صحیحہ فرمایا ہے۔ واللہ اعلم۔

کیا بخاری کی اس حدیث کو (جو ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کے طریقہ سے انھوں نے ذکر کیا لیکن مستقل اس کی اسناد نہیں ذکر) آپ بخاری کی حدیث نہیں کہیں گے؟ کیا اس کو اخرجہ البخاری فی صحیحہ نہیں کہا جائے گا۔ لم یخرجہ مسندۃ فی صحیحہ امام نوویؒ کی طرح تو یہاں بھی آپ کہہ سکتے ہیں۔ غور و فکر سے کام لیجئے۔ واللہ الموفق۔

بقدر ضرورت ادلہ منع القرأت خلف الامام کا بیان آچکا ہے۔ اسی پر اکتفا کرتا ہوں۔ مزید کچھ باتیں فریق ثانی کے ادلہ اور ان کے جوابات کے بیان میں ان شاء اللہ تعالیٰ آنے والی ہیں۔

وصلی اللہ تعالیٰ وسلم علی محمد وعلی آلہ
واصحابہ و ازواجہ واتباعہ اجمعین

Telegram : t.me/pasbanehaq1